لہٗ دعوۃ الحق

ألکتابُ المسطور

فی جواب

"سماع الموتیٰ" و "تسکین الصدور"

المعروف بہ

ندائے حق

مع اضافات جدیدہ

تالیف

الشیخ المحقق مولانا السید محمد حسین النیلوی

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

کاوش محمد ابراہیم ملک خادم اشاعت توحید و سنت پاکستان

لہٗ دعوۃ الحق

الکتاب المسطور

فی جواب

"سماع الموتیٰ" و "تسکین الصدور"

المعروف بہ

ندائے حق

مع اضافات جدیدہ

جلد دوم

تالیف

الشیخ المحقق مولانا السید محمد حسین النیلوی

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلے

حال شیخ الحدیث جامعہ ضیاء العلوم سرگودھا

مکتبہ اشاعت السلام دہلی

کاوش محمد ابراہیم ملک خادم اشاعت توحید و سنت پاکستان

ندائے حق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی خلق الموت والحیوٰۃ الذی ھدانا الصراط المستقیم و اط الھدایۃ وماکنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ وقال اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین ○ والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا خیر الانام النبی الامّی الصادق المصدوق الامین المختار الذی قال من کذب علیّ متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار وعلیٰ اٰلہ واصحٰبہ الذین تادبوا بادابہ الذین حبّب اللہ الیہم الایمان وزیّنہ فی قلوبہم وکرہ الیہم الکفر والفسوق والعصیان اولٰئک ھم الراشدون فضلا من اللہ ونعمۃ

امابعد احقر الفقر محمد حسین نیلوی عفر اللہ لہ ولوالدیہ ولاساتذتہ ولمشایخہ عارض ہے کہ آپ کے ہاتھ میں جو کتاب ہے یہ ندائے حق کے حصۂ اول کی دوسری جلد ہے اس سے پہلے ۱۹ ار رمضان المبارک ۱۴۰۳؁ ہجری میں حصہ اول کی پہلی جزء شائع ہو چکی ہے جس میں مندرجہ امور پر بحث تھی

حیاۃ اور موت کا مفہوم، قبر کا مفہوم، برزخ کا مفہوم، عالم مثال کا ثبوت، عذاب قبر برحق ہے، اللّٰہ یتوفی الانفس کی تفسیر اور عود روح در بدن عنصری پر بحث، میت کا جوتوں کی آواز سننا، مسئلہ مبدا ومعاد، حیات برزخیہ اور چھ مذہب، روح کا بدن کے ساتھ تعلق اور اس کی کیفیت، تبدیل جلود کا مسئلہ، حیات انبیاء کا مسئلہ اور ابتدائی مورد طعن حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید رحہ، انبیاء کرام علیہم السلام پر اموات کا اطلاق جائز ہے اور امام ابوحنیفہ رح کا مذہب حفظ جسد عنصری انبیاء کرام برحق ہے۔ منکرین وفات النبی ص کے فرقے - انبیاء کرام علیہم السلام کی مخصوص حیاۃ برزخیہ کے اثبات اور حیاۃ عنصریہ کی نفی پر دلائل۔

اب حصہ اول کے جزء ثانی میں ان لوگوں کے دلائل پر بحث ہوگی جو بدن عنصری کے ساتھ روح کا اتصال اس طرح کا بیان کرتے ہیں جس سے جسمانی عنصری حقیقی حسّی حیات ثابت ہو اور زائرین کو انبیاء کرام ع کا دیکھنا پہچاننا بھی ثابت ہو اور انبیاء کرام علیہم السلام کا زائرین کے سلام کا سننا بھی ثابت ہو اور ان کا جواب دینا بھی ثابت ہو۔

پہلے اصل مسئلہ پر دوبارہ اختصاراً روشنی ڈالی جاتی ہے

انبیاء کرام علیہم السلام کا دوسرے اموات سے کئی امور میں خصوصی امتیاز ضرور حاصل ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا جیسے دنیا میں ان کے لئے خصوصی امتیاز حاصل تھے مثلاً آپ ﷺ کی نیند سے وضو نہیں ٹوٹتا اور امتیوں کا وضو نیند سے ٹوٹ جاتا ہے بشرطیکہ متکئاً یا مستنداً ہو اور آپ ﷺ کے لئے مالِ غنیمت میں سے صفی لینے کا حق حاصل تھا بخلاف خلفاء کے کہ ان کو کوئی حق نہیں۔ اور وتر تہجد اور قربانی آپ پر فرض تھے بخلاف امت کے۔ اور وصال کا روزہ آپ کو جائز تھا بخلاف اُمّت کے۔ اور اگر کوئی عورت آپ کو اپنا تن بغیر مہر کے بخش دیتی تو آپ ﷺ کو اجازت تھی کہ ان کو اپنا حرم بنالیں اگرچہ ایسا آپ نے کیا نہیں۔ بخلاف امت کے کہ بغیر مہر کے تن بخشی جائز نہیں اگر ایسا کرے تو مہر دینا واجب ہوگا۔ آپ ﷺ بیٹھ کر نوافل پڑھتے تھے تو ثواب پورا ملتا بخلاف امت کے کہ ان کو بیٹھ کر نوافل پڑھنے سے آدھا ثواب ملتا ہے اسی طرح اور بہت سے خصوصی امتیازات ہیں جن کا ذکر علماء کرام نے کتب الخصائص النبویہ میں لکھا ہے اور صحیح احادیث سے ان کا ثبوت ہے

ایسے ہی عالمِ قبر میں بھی آپ کے لئے خصوصی امتیاز حاصل ہیں جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں اور بعض آیاتِ قرآنیہ سے ثابت ہیں مثلاً آپ کے جسد مطہر معطر کا صحیح سلامت رہنا اور مکان میں قبر کا بنانا

اور جن خصوصیات کا ذکر صحیح احادیث میں نہیں ہے ان امور میں انبیاء اور امتی سب برابر ہیں مثلاً قبر میں دفن کرنا۔ لحد بنانا۔ قبر کا کچا رکھنا۔ پختہ نہ بنانا۔ صرف ایک بالشت کی مقدار قبر کا زمین سے اونچا ہونا، چراغاں نہ کرنا، چونہ گچ نہ بنانا، اگر بتی نہ سلگانا، میلہ نہ بنانا، قبر کو سجدہ گاہ نہ بنانا، قبر کو غسل نہ دینا، قبر پر نذرانہ نہ چڑھانا، اور نہ چڑھاوا چڑھانا، اور قبر کی طرف ہاتھ باندھ کر کھڑا نہ ہونا، قبر والوں کو نہ پکارنا نہ ان سے سفارش کروانا نہ مدد۔ لینا نہ مدد کو کہنا نہ اولاد مانگنا۔ نہ اور حاجت مراد مانگنا وغیرہ وغیرہ

یہ امور معاذ اللہ کس طرح جائز ہو سکتے ہیں جبکہ قرآن کی رو سے قبر والے نبی ولی پیر فقیر پکارنے والے کی پکار سے بالکل بے خبر ہیں۔ چنانچہ قرآن پاک سورۂ احقاف میں یہ آیت کریمہ ہے۔

ومن اضل ممن یدعوا من دون اللہ من لا یستجیب لہ الی یوم القیامۃ وھم عن دعاءھم غافلون اور ایسے شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے سوا ایسوں کو پکارے جو قیامت تک اس کی پکار کا جواب نہ دے اور وہ تو ان کی پکار سے بالکل غافل ہیں

اس مقام پر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے البلاغ المبین ص ۱۶ میں لکھا ہے۔

ما یعبد فی العالم من الارواح المختفیۃ والابدان المحتجبۃ ویدعون فی الحاجات فھم غافلون کلھم عن دعاء الداعین سواء کانوا انبیاء او اولیاء یعنی جن غائب روحوں اور پس پردہ بدنوں کی جہان میں پوجا کی جا رہی ہے یعنی حاجات میں ان کو پکارا جا رہا ہے وہ تو سب کے سب پکارنے والوں کی پکار سے بالکل بے خبر ہیں خواہ وہ غائب ارواح انبیاء کرام علیہم السلام کے ہوں یا اولیاء اللہ کے ہوں۔ خواہ وہ پس پردہ ابدان انبیاء کرام علیہم السلام کے ہوں یا دیگر اولیاء اللہ کے ہوں۔

دیکھا تفسیر آیت کریمہ میں حضرت شاہ جی نے کیسے تصریح فرما دی ہے کہ پکارنے والوں کی پکار سے بے خبر ہونے میں مرنے کے بعد انبیاء و اولیاء سب برابر ہیں۔ جیسے قبر میں چھپا دینے کے بعد ولی کا جسم محتجب پکارنے والوں کی پکار سے غافل ہے ایسے ہی قبر میں چھپا دینے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر مطہر معطر پکارنے والوں کی پکار سے غافل ہے

حضرت شاہ جی نے نہ کسی ولی کی تخصیص فرمائی ہے نہ کسی نبی کی کہ قرآن کی اس آیت سے فلاں ولی یا فلاں نبی مستثنیٰ ہے کہ اور اولیاء و انبیاء کے ابدان محتجبہ تو پکارنے والوں کی پکار سے بے خبر رہتے ہیں مگر فلاں نبی یا ولی بے خبر نہیں ہوتا اسے علم ہوتا رہتا ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ

اسی طرح شاہ جی نے نزدیک یا دور کا بھی فرق نہ بتایا کہ قبر کے پاس تو سن لیتے ہیں مگر دور سے نہیں سنتے۔ اگر کوئی خبر مشہور یا متواتر اس بارے میں ہوتی تو شاہ جی ضرور استثناء فرماتے

اسی واسطے امام الفقہاء ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے قرآن و حدیث سے سمجھ کر یہ کہا کہ اگر جو کوئی مر جاتا ہے اگر زندہ اس کو اپنی بات سنانا چاہے تو وہ نہیں سن سکتا سوائے ایسی بات کے جو اللہ تعالیٰ کو سنانی منظور ہو جیسے بدر کے کافر مقتولوں کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ملامت کرنا سنوا دیا تھا (مواہب الرحمٰن ص ۳۹)

دیگر علماء کرام بھی کوئی تخصیص نہیں کرتے چنانچہ مطالب الطالبین میں لکھا ہے من القبائح طلب الحاجة من الموتیٰ والاستعانة بهم والتوجه اليهم ليشفعوا امور قبیحہ میں سے ہے مرے ہوؤں سے حاجتیں مرادیں مانگنا اوران سے امداد مانگنا اوران کی طرف اس غرض سے متوجہ ہونا کہ وہ ہماری سفارش کریں۔ نیز لکھا ہے "دار واحیکہ از ابدان مفارق شدہ اند تاثیر آنہا در عالم اصلا در شرع نیامدہ یعنی روحیں جو بدن سے جدا ہو جاتی ہیں شرع شریف میں قطعاً اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ وہ جہان میں تاثیر کرتی ہیں

اب اگر کوئی شخص بغیر کسی قطعی ثبوت کے اس آیت قرآنیہ میں تخصیص کا قول کرتا ہے وہ تغییر کتاب اللہ کا مرتکب ہے خواہ وہ شیخ عبدالحق ہو یا کوئی اور ہو

میرا خیال یہ ہے کہ ایسی ایسی باتیں اکابر کی کتابوں میں درج کرنے کا غیر مذہب والوں نے منصوبہ بنا رکھا تھا تاکہ آنے والی نسلیں ان اکابر کی کتابوں کو دیکھ کر گمراہ ہوں

جیسے ود سواع یغوث یعوق نسر نیک ہستیاں راست باز پاکباز اور موحد تھیں ان کی صحبت میں رہ کر خدا یاد آتا تھا ان کی وفات کے بعد جو لوگ ان کی صحبت سے فیضیافتہ تھے پریشان ہوئے شیطان نے ان کو وہ بات سکھائی کہ وہ صحبت یافتہ خود تو گمراہ نہ ہوئے مگر آنے والی نسلوں میں شرک پھیل گیا۔

شیطان بڑا مکار ہے نئے نئے حربے گمراہ کرنے کے استعمال کرتا ہے۔ کتب سابقہ تورات انجیل زبور وغیرہ میں تبدیلی کروائی مگر جب دیکھا کہ قرآن مجید کا محافظ خود خدا ہے اس میں تبدیلی پیدا کرنے کی مجھ میں ہمت نہیں ہے اس لیے اس نے گمراہ کرنے کا نیا منصوبہ تیار کیا کچھ تو وضع احادیث کی صورت اختیار کی کچھ علماء حق کی کتابوں میں دسیسہ کاری کی راہ اختیار کی کچھ اس طرح کیا کہ کتاب کسی اپنے مرید سے لکھوائی اور کسی بزرگ پاکباز موحد کے نام لگا دی۔ چنانچہ ان میں سے بعض کا تذکرہ ندائے حق حصہ اول کے جزء اول میں آچکا ہے۔

شیطان علماء حق کی شہرت سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے۔ شیخ عبدالحق صاحب جیسے محدث جو پہلے لوگوں میں سے ہیں جو علم حدیث کا چرچا ہندوستان میں کیا مگر ان کے ذمے ایسی ایسی باتیں لگا

دیں جو بے مروپا ہیں۔ مشت نمونہ از خروارے۔

سورۂ حدید پارہ ۲۷، کے شروع میں بطور دعویٰ و دلائل عقلیہ کے خدائے تعالیٰ کی مخصوص صفات کا ذکر ہے مثلاً وسبح لله ما فی السموٰت والارض دعویٰ کے بعد (کہ ہر وہ چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح خواں ہے جو آسمان و زمین میں ہے سب کا وجود بتا رہا ہے کہ اللہ پاک ہے معاونوں سے شریکوں سے نائبوں سے مشیروں سے وزیروں سے نظیروں سے شفیع قہریوں سے بلکہ تمام عیبوں سے پاک ہے۔)

اس کے اپنی وحدانیت اور معینوں شریکوں نائبوں مشیروں وزیروں نظیروں و شفعاء قہریہ سے پاک ہوتے پر دلائل دئے۔ جن میں سے پہلے دو دلائل اسی آیت میں آگئے وھو العزیز الحکیم کہ عزت والا بھی وہی ہے کہ جو وہ چاہے وہی ہو اور جس طرح چاہے اسی طرح ہو اور حکیم بھی وہی ہے کہ اس نے جو کچھ چاہا اور کیا وہ عین حکمت ہے اور ہر کام اس کا محکم ہوتا ہے۔ پھر تیسری دلیل دی لہ ملک السموٰت والارض آسمان و زمین میں سب اس اکیلے کا راج ہے کسی مخلوق کا اس کے راج میں کچھ دخل نہیں۔ پھر چوتھی دلیل بیان کی یحیی ویمیت اسی اکیلے کا کام ہے کہ زندگی دے یا موت دان ہو رمیں کوئی اس کا نائب ہے نہ شریک اور معاون نہ مشیر و وزیر اور نہ کوئی ایسا ہے جو اس کا ہاتھ پکڑ لے پھر پانچویں دلیل دی وھو علی کل شئ قدیر وہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ پھر چھٹی دلیل دی ھو الاول والآخر ازل میں بھی وہی تھا اکیلا اور تمام مخلوق فنا ہونے کے بعد بھی وہ اکیلا ہی ہوگا پھر ساتویں دلیل دی والظاھر والباطن یعنی وہی سب پر غالب ہے یا اس کا وجود بوجہ کمال ظاہر ہے جس کی وجہ سے ناقص مخلوق اس کو دیکھ نہیں سکتی اور وہی باطن ہے یعنی اس کی حقیقۃ ذات کسی مخلوق کے امکان میں نہیں کہ ادراک کر سکے یا ہر شخص کے باطن کو خوب جانتا ہے پھر آٹھویں دلیل دی وھو بکل شئ علیم اور وہی اکیلی ذات ہے جو سب کچھ جانتی ہے پھر آٹھویں دی وھو الذی خلق السموٰت والارض وہی اکیلے نے بغیر نائب شریک معین کے کسی سے مشورہ لیے بغیر کسی کی سفارش کے بغیر آسمان زمین بنا دیے اسی طرح دلائل کا سلسلہ وھو علیم بذات الصدور تک جا رہا ہے

مگر آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ شیخ عبدالحق محقق محدث دہلوی رحمہ اللہ کی مشہور سیرت طیبہ

کی کتاب مدارج النبوة   میں کسی باغی نے لکھ دیا کہ قرآن پاک میں ھوالاول والآخر سے مراد حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے

ایک ادنیٰ سا طالب علم بھی قرآن پاک کی سورۃ حدید کی یہ آیات دیکھ کر یہی سمجھ سکتا ہے کہ یہ سب صفاتِ الہٰیہ کا ذکر ہو رہا ہے۔ اور ان آیات میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر تک نہیں ہے۔ لیکن مدارج النبوة میں یہ ذکر ہے کہ ہوالاول والآخر کا مصداق نبی پاک ہیں۔ کیا اس قدر وسیع العلم مجدد خاندان جیسے متجر عالم باعمل کے بارے آپ کا ذہن ایسا کہے گا کہ ایسی بودی بات ان کے قلم مبارک سے نکلی ہو۔

جو لوگ کتابوں کو باغیوں کے دست برد سے محفوظ ، مامون و مصون سمجھتے ہیں ان کی بات ہم نہیں کرتے۔ ہاں جو لوگ عقل سلیم ، ذہن صائب اور فہم صحیح رکھتے ہیں اور انابت والے ہوں اصولِ ضد سے دور ہوں وہ ضرور سمجھیں گے کہ واقعی ایسی ایسی دسیسہ کاریاں اکابر کی کتب میں ہوتی رہی ہیں۔ جب کتب سماویہ دسیسہ کاریوں سے نہیں بچ سکیں تو انسان کی کتابوں میں کوئی ایسی صفت کہاں سے آگئی جو بدمذہبوں کو ان میں تدسیس کرنے سے روک دے۔

ہم نے دیکھا ہے کہ ہر کتاب میں لکھا ہوتا ہے کہ اس عبارت کے دو نسخے ہیں۔ تین نسخے ہیں۔ چار نسخے ہیں اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری ہی اٹھا کر دیکھ لیجئے متن اور حاشیہ کے درمیان والے بائیں میں ان نسخوں کی نشان دہی ہے شاید ہی کوئی صفحہ خالی ہو جس میں نسخے نہ ہوں۔ فرق اتنا ہے کہ ان مختلف نسخوں میں نقصان نہیں مگر عام کتب میں تو اس قدر فرق ہوتا ہے کہ آسمان زمین کا فرق ہوتا ہے۔ میں نے اپنے ایک رسالہ میں کتب کے وہ مقامات لکھے ہیں کہ جہاں دو نسخے ہیں ایک نسخہ میں لا ہے اور دوسرے میں لا نہیں۔ اب خود سمجھیں کہ لا کے ذکر اور ترک میں آسمان زمین کا فرق ہے یا نہ؟

اب ہم اپنے اصل مطلب کی رجوع کرتے ہیں کہ جن لوگوں کا نظریہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام خصوصاً امام الرسل خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پاک قبور میں حقیقی حسی جسمانی عنصری دنیوی طور پر زندہ ہیں ان کی قبور کے پاس جو آتا ہے اسے جانتے پہچانتے ہیں اس کا سلام سن کر جواب دیتے ہیں منفذ شیں کرتے ہیں ان کے دلائل کا تجزیہ کریں تاکہ حق بات ہاتھ لگے اور اس پر کاربند رہیں اور باطل سے اجتناب کریں۔

شبہ ۱ آیت قرآنیہ حیاتِ انبیاء پر دال ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ تعالیٰ والصلوٰۃ والسلام علی نبیہ تتوالی وعلی آلہ واصحابہ المتادیین باد ابداً ابد

خیر النزل فی آیۃ سوال النبی الرسل

بعض فاضل عالم فرماتے ہیں کہ قرآن پاک میں حیات انبیاء پر دلیل موجود ہے چنانچہ سورۂ زخرف رکوع ۴ میں ہے واسئل من ارسلنا من قبلک من رسلنا (یا رسول اللہ آپ ان رسولوں سے دریافت فرمالیں جنہیں ہم آپ سے پہلے بھیج چکے) سید انور شاہ صاحب نے مشکلات القرآن ص ۲۳۴ میں فرمایا یستدل بہ علی حیوٰۃ الانبیاء یعنی اس آیت کو حیات انبیاء پر دلیل پکڑی جا سکتی ہے

الجواب بعون الملک الوہاب

سو عرض ہے کہ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کے تحت لکھا ہے وفیہ اقوال یعنی اس آیت کریمہ کی تشریح کرنے میں تین مسلک ہیں۔ جب اس آیت میں تین مفہوم کا احتمال ہے تو حسب قاعدہ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال اس آیت کو حیاۃ انبیاء کی دلیل بنانا ہی سرے سے باطل ٹھیرا۔

نیز حضرت شاہ صاحب نے یُستدل فرمایا جس میں ضعف کی طرف اشارہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت الامام المسند شاہ احمد ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اپنے فارسی ترجمہ میں یہ تحریر فرمایا "وبپرس احوال آنانکہ فرستادہ بودیم پیش از تو از پیغامبران خود یعنی آپ سے پہلے ہم نے جو پیغمبر بھیجے ہیں بھلا ان کے احوال تو پوچھ دیکھ۔

اسی طرف حضرت سید محمد انور شاہ صاحبؒ مائل ہو کر فرماتے ہیں والا فیمکن ان یکون السوال عن حالہم یعنی اگر اس آیت کریمہ سے حیات انبیاء پر استدلال جو ضعیف ہے نہ بھی کیا جائے تو بھی یہ سوال جو اس مقام پر وارد ہوتا ہے کہ "حضورؐ کا سوال کرنا اور دریافت کرنا گذشتہ انبیاء سے ممتنع ہے" وہ وارد نہیں ہو سکتا کیونکہ ان گذشتہ انبیاء کے حالات دریافت کرنا تو ممکن ہے

محمد بن ابی بکر بن عبد القادر رازی رحمہ نے الانموذج الجلیل ص ۱۳۱ ج ۲ میں یہی سوال کیا فان قیل کیف قال اللہ تعالیٰ واسأل من ارسلنا من قبلک من رسلنا والنبی صلی اللہ علیہ وسلم ما لقیہم حتی یسالہم یعنی آیت کا کیا مطلب ہے جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے وفات یافتہ ہونے کی وجہ سے ملاقات نہیں کر سکتے تھے تو ان سے دریافت کرنے

کی کیا صورت ہو گی تو صاحب کتاب نے اس کے چار جواب دیئے پہلا جواب تو یہ دیا کہ فیہ اضمار تقدیرہ واسأل اتباع من ارسلنا یعنی یہاں مضاف محذوف ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے رسولوں کی اُمتوں اور ان کے متبعین سے دریافت کر لو دوسرا جواب یہ دیا کہ پہلے انبیاء کے دین میں غور کرو ۔ اور ایک جواب یہ دیا کہ نام تو حضورؐ کا ہے مگر مراد امۃ محمدیہ ہے اور یہ جواب کمزور ہے اور صاحب کتاب نے بھی اسے بصیغہ تمریض قیل کے ساتھ بیان کیا ہے ۔

اور ایک جواب یہ بھی دیا ہے جو فاضل عالم نے جواب دیا کہ حضورؐ کی خاطر معراج کی رات میں اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو زندہ فرما کر بیت المقدس میں جمع فرما دیا تب حضورؐ نے تمام انبیاء کرامؑ سے ملاقات فرمائی اور بیت المقدس کی مسجد میں آپ نے ان کی امامت فرمائی پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تب یہ آیت اتری اور تمام انبیاء کرامؑ وہاں حاضر موجود تھے تو آپ نے فرمایا کہ مجھے سوال کرنے کی ضرورت نہیں کافی ہو چکا

مگر یہ قول زہری، سعید بن جبیرؓ اور ابن زید کا ہے اور عطاء نے ابن عباس کا قول بتایا ہے مگر وہ قول ابن عباس رضہ اگر بغور دیکھا جائے تو اس سے حیاۃ مستمرہ دائمہ بعد الوفات کی نفی نکلتی ہے کیونکہ اس کے الفاظ یہ ہیں لما اسریٰ بالنبی ﷺ بعث اللہ لہٗ آدمَ وولدہٗ من المرسلین یعنی جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سیر کرائی تب آدم اور ان کے مرسَل اولاد کو زندہ کر کے اٹھایا گیا اور یہ بھی صرف حضورؐ کی خاطر ۔ مطلب یہ ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کو پہلے تو دنیوی زندگی حاصل نہ تھی تمام انبیاء کرامؑ دنیا کے اعتبار سے میت ہی تھے مگر محض حضورؐ کی خاطر صرف اسراء کی رات میں ان انبیاء کرام کو تھوڑی دیر کے لئے دنیوی زندگی عطا فرمائی گئی جو اپنی قبروں سے نکل کر بیت المقدس میں تشریف لے گئے سب سے حضورؐ نے ملاقات فرمائی ۔ جبرائیلؑ نے اذان و اقامت کہہ کر حضورؐ کو کہا آگے بڑھو انبیاء علیہم السلام کو نماز پڑھاؤ ۔ پھر آپؐ نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی

چند سوالات

اب سوال یہ ہے کہ اس ملاقات اور اقتداء حضورؐ میں نماز پڑھ چکنے کے بعد انبیاء کرامؑ اپنے انہی اجساد عنصریہ مبارکہ کے ساتھ وہیں بیت المقدس میں رہے یا واپس اپنی قبروں میں تشریف لے گئے یا آسمانوں پر تشریف لے گئے

مگر علماء کرامؒ کی طرف سے امید غالب یہی ہے کہ وہ یہ جواب دیں گے کہ واپس اپنی اپنی قبروں میں چلے گئے پھر اب علی الدوام زندہ ہیں ۔ لیکن سوال ہوتا ہے کہ اب ان کی زندگی کا قول کس طرح صحیح ہو سکتا ہے جب کہ ان انبیاء کرامؑ کو محض حضورؐ کی ملاقات و امامت کے لئے مبعوث کیا گیا تھا سو یہ دونوں باتیں ہو چکیں ۔ اب دنیوی عنصری

جسمانی زندگی کیوں ؟ تو ممکن ہے کہ علماء کرام کی طرف سے یہ جواب ملے کہ چونکہ پھر دوبارہ ان کی وفاۃ کا ذکر نہیں ہے اس لئے اپنی طرف سے ان کی وفاۃ کا قول دعویٰ بلا دلیل ہے تو اس کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ بیت المقدس سے واپس قبروں میں جانے کا دعویٰ بھی تو بلا دلیل ہے پھر یہ کہنا چاہئے کہ انبیاء کرام میں سے اب اسراء کے بعد کوئی بھی قبروں میں نہیں ہیں سب کے سب بیت المقدس میں رہتے ہیں انہی اجساد عنصریہ کے ساتھ، مگر ہماری نظریں انہیں نہیں دیکھ سکتیں۔ لیکن یہ بات تو کسی کو مسلم نہیں اسی طرح یہ بات بھی مسلم نہیں کہ پھر قبروں میں جا کر اپنے اسی جسدِ عنصری کے ساتھ زندہ ہونے کی حالت میں عزلت گزیں ہیں۔ بلکہ وہ پہلے کی طرح پھر حالتِ وفات کی طرف منتقل ہو گئے کیونکہ انہیں تو صرف حضورؐ کی ملاقات و امامت کیلئے مبعوث فرمایا گیا تھا۔ سو یہ دونوں کام ہو چکے اس لئے ان کو پہلی حالت کی طرف منتقل کیا گیا

تفسیر عباسی میں ایک اور قول لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ لیلۃ الاسراء میں تمام انبیاءؑ مبعوث نہیں ہوئے بلکہ موسیٰؑ عیسیٰؑ ابراہیمؑ کی طرح ستر (۷۰) نبی مبعوث ہوئے تھے اور ان ستر کو آپؐ نے نماز پڑھائی اور باقی اپنی اپنی قبروں میں تھے نہ انہیں زندہ (بحیاتِ دنیویہ عنصریہ جسمانیہ حقیقیہ حسیہ) کیا گیا اور نہ ان کو آپؐ نے نماز پڑھائی نہ ان سے ملاقات ہوئی۔ اب یہ تفسیر پہلی تفسیر کے معارض ہوئی تو حسبِ قاعدۂ اصول دونوں تفسیریں قابلِ اعتقاد نہیں۔

○ اس آیۃ سے استنباط حیات انبیاء کریں تو دوسری آیات کیساتھ تعارض ہوگا ○

نیز یہ حدیث قرآن پاک کے خلاف ہے کیونکہ قرآن پاک میں دو زندگیاں اور دو موتیں ہیں اور اس تفسیر سے انبیاء علیہم السلام کی تین زندگیاں اور تین موتیں ثابت ہوتی ہیں تو اس عقیدہ میں کئی خرابیاں ہوئیں ایک خبرِ واحد سے عقیدہ کا اثبات دوسرے خبرِ واحد سے قرآن پہ زیادتی تیسرے استنشاد انبیاء کر کے کتاب اللہ میں تغیر پیدا کرنا چوتھے جمہور کے خلاف قرآن مجید کی تفسیر کر کے اسی پہ بس نہ کرنا بلکہ اس کو عقیدہ قطعیہ ثابت کرنا پانچویں خود اسی تفسیر کے خلاف عقیدہ رکھنا اور تہمت دوسروں پر لگانا کیونکہ اس تفسیر کا مفہوم تو یہ ہے کہ کسی نبی کی دنیوی عنصری جسمانی زندگی نہیں ہے صرف وقتی طور پر آپ کو دنیوی زندگی ملی پھر ختم ہو گئی۔ پھر خود نبیؐ نے جو مفہوم اس کا بیان فرمایا ہے یہ اس کے خلاف ہے

نبیؐ نے تشریح خود فرمادی

(۱) چنانچہ مفسر بیضاویؒ نے فرمایا کہ وقال علیہ السلام مثّل لی النبیون فصلیت بہم یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاءؑ برزخ

کے مثالی اجسام میں بیت المقدس میں جمع تھے پھر اُن سب کو میں نے نماز پڑھائی (انتھیٰ بلفظہٖ) بر حاشیہ شیخ زادہ ص ۳۰۴

(۲) نیز بیضاوی نے لنریہ من آیاتنا کے تحت لکھا کذا ای فی برھۃ من اللیل مسیرۃ شہر و مشاہدۃ بیت المقدس و تمثل الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام لہٗ الخ یعنی تاکہ ہم آپ کو اپنی عظیم نشانیوں میں سے کچھ دکھائیں شب رات کے تھوڑے سے حصہ میں آپ کا ایک ماہ کا سفر کر جانا اور بیت المقدس کا مشاہدہ فرمانا اور آپ کی خاطر انبیاء علیہم السلام کا مثالی اجسام میں آنا الخ

(۳) شرح صحیح البخاری فتح الباری ج ، ص ۱۵۰ میں حافظ ابن حجر رح لکھتے ہیں و فی حدیث ابی ہریرۃ رض عند البزار و حاکم انہ صلی بیت المقدس مع الملائکۃ وانہ اتی ہناک بارواح الانبیاءؑ فاثنوا علی اللہ و فیہ قول ابراہیمؑ لقد فضلکم محمدؐ یعنی آن حضرت صؐ نے بیت المقدس میں ملائکہ کے ساتھ نماز پڑھی اور انبیاءؑ کے ارواح مطہرہ بھی بیت المقدس میں جمع کئے گئے پس انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی حتیٰ کہ حضرت ابراہیمؑ نے ان سے میرا تعارف کراتے ہوئے فرمایا دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سب حضرات پر میرے اس فرزند محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو فضیلت و سرفرازی بخشی ہے

(۴) نیز فتح الباری ج ، ص ۱۶۸ میں فرمایا وارواحھم مشکلۃ بشکل اجسادھم کما جزم بہ ابوالوفا ابن عقیل ۔ یعنی حضرت ابوالوفا ابن عقیل یقین سے فرماتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ارواحِ طیبہ مطہرہ بیت المقدس میں اپنی اپنی شکل کے مثالی اجسام سے حاضر ہوئے (۵) شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اور مفتی البینات کراچی نے بھی معراج میں ارواح انبیاء کی ملاقات مانی

(۷) نیز التعلیق الصبیح ج ۲ ص ۲۲۹ میں مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رح نے فرمایا الصحیح انہ رأی فیہا الارواح فی مثال الاجسام یعنی اصل اور صحیح بات یہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات انبیاء علیہم السلام وغیرہم کو مثالی برزخی اجسام ہی میں دیکھا اور ملاقات فرمائی (۸) محمد گکھڑویؒ نے شرح سکندر نامہ ص ۳۶ میں ارواح انبیاء کی آمد معراج میں بتائی

(۹) نیز شرح الصدور ص ۲۲۹ میں علامہ سیوطی رح نے یہی عبارت بیان کی جو تعلیق الصبیح میں ہے

(۱۰) نیز صوفی خازن رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں لکھا و تمثلوا لہٗ یعنی لیلۃ الاسراء میں انبیاء علیہم السلام نے برزخی مثالی اجسام سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات فرمائی۔ (۱۱) فتاویٰ حدیثیہ ص ۲۳۲ میں ہے رؤیتہ لبنی ارواح الانبیاء لا اجسادھم

اسی طرح دوسرے محدثین و مفسرین نے لکھا مگر فاضل عالم کا یہ دعویٰ کسی نے نہیں لکھا کہ ملاقات کے لئے بیت المقدس میں انبیاء قبروں میں سے نکل کر الجسد والروح تشریف لائے یعنی اس جسد عنصری جسمانی حقیقی حسی کے ساتھ

سوال ________

مطلق سے مراد فرد کامل ہوتا ہے اور انبیاء اپنے جسد عنصری اور روح کے ساتھ ہی فرد کامل ہیں

جواب تمہارا یہ قول مستلزم ہے توہین انبیاء کو

جواب یہ ہے کہ آپ انبیاءؑ کی توہین کرتے ہیں جب آپ کہتے ہیں کہ حضورؐ کی رُوح جسم مبارک سے ایک دفعہ تو نکل ہی گئی خواہ ایک آن کے لئے نکلی اب اس آن میں آپ خاکم بدہن فرد ناقص ہوئے معاذ اللہ نیز جن علماء مذکورہ بالا نے ارواح متشکلہ کا قول کیا ہے ان کے ایمان کی کیا پوزیشن رہی۔ نیز آپ خود اپنے متعلق سوچیں کہ آسمان پر جو حضورؐ کی ملاقات حضرت آدمؑ و یحییٰؑ و ادریسؑ و ہارونؑ و موسیٰؑ و ابراہیم علیہم السلام کے ساتھ ہوئی تھی تو وہاں آسمان پر ان مذکورہ انبیاء کے اجسام عنصریہ جسمانیہ تھے یا نہ اگر نہ تھے تو حضورؐ کو ناقص انبیاء کی (خاکم بدہن) زیارت ہوئی اور اگر روح مع الجسد تھا تو قبروں میں سے جسد منتقل ہو کر آسمانوں پر چلا گیا یا دونوں جگہ رہا اگر کہو کہ جسد مبارک قبروں سے منتقل ہو کر آسمانوں پر چلا گیا تو اس کی دلیل چاہئے اور اگر منتقل نہیں ہوا تو ایک جسم کا دو مختلف جگہوں میں ہونا محال ہے

اس آیۃ کے معنیٰ جو مفسرین نے بیان فرمائے

(۱و۲) حضرت دریابادیؒ نے اس آیت کے تحت ص ۹۸۴ ۳۲ میں لکھی یعنی ان کی کتابوں اور صحیفوں سے جیسے کچھ وہ موجود ہیں تحقیق کر لیا جائے لیس المراد بسوال الرسل حقیقۃ السوال وذلک مجاز عن النظر فی ادیانہم و الفحص عن (مدارک) والمراد بہ الاستشہاد باجماع الانبیاء علی التوحید (بیضاوی) اسس سے اوروں کا سننا منظور ہے کہ جس کا جی چاہے تحقیق کر لے۔ اور کتابوں میں دیکھنے کو رسولوں سے پوچھنا مجازاً کہہ دیا۔ جیسے ہمارا بھی محاورہ ہے کہ کسی مسئلہ طبیہ مختلف فیہا کو مختلف کتابوں میں دیکھا ہو۔ پھر کہتے ہیں کہ آؤ ذرا شیخ ابوعلی سینا سے پوچھیں کہ وہ کیا کہتا ہے اور یہ کہہ کر قانون شیخ دیکھنے لگیں (تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ)

(۳) بریلوی مفسر نے بھی اس آیت سے حیات الانبیاء پر استدلال نہیں کیا

نعیم الدین مرادآبادی نے اس آیت کے تحت لکھا ہے: رسولوں سے سوال کرنے کے معنے یہ ہیں کہ ان کے ادیان و ملل کو تلاش کرو کہیں بھی نبی کی امت میں بت پرستی روا رکھی گئی ہے؟ اور اکثر مفسرین نے اس کے معنے یہ بیان کئے ہیں کہ مؤمنین اہل کتاب سے دریافت کرو کیا کبھی کسی نبی نے غیر اللہ کی عبادت کی اجازت دی؟ تاکہ مشرکین پر ثابت ہو جائے کہ مخلوق پرستی نہ کسی رسول نے بتائی نہ کسی کتاب میں آئی

اصل معنے نعیم الدین مرادآبادی نے پہلے پہلے ہی بیان کئے اگرچہ یہ مجازی معنے ہیں مگر حقیقی معنے پر اسی مجازی معنے کو دوسرے مفسرین کی طرح ترجیح دی ہے اور حقیقی معنے کو بیان مرجوح طریق سے کرتا ہے بایں طور کہ "یہ بھی

ایک روایت ہے" اور پہلی توجیہ میں کہا اکثر مفسرین نے یہ معنے بیان کئے ہیں اور جو مرجوح ترجیح بتائی بھی ہے
تو اس میں اپنی بریلویت کے اظہار کا عادی ہونے کے باوجود اس آیت کے تحت حیوۃ النبی کا مسئلہ نہیں چھیڑا حالانکہ
اطیب البیان میں حیاۃ الانبیاء پر امی نعیم الدین نے بہت کچھ لکھا ہے اور اہل حق پر بہت برسا ہے اور حضرت شاہ
محمد اسمعیل شہید رحمہ اللہ پر یہی بہتان باندھا ہے کہ مولوی اسمٰعیل (خاکم بدہن) کہتا ہے کہ حضورؐ (معاذ اللہ) مٹی میں مل کر مٹی
ہو گئے اللہ کرے اس کے پوتے جہنم کی آگ میں جلیں جس نے حضورؐ کی توہین خود کی اور شاہ صاحبؒ کی طرف
تھونپ دی

ایسے کینہ ور کو بھی یہ بات نہ سوجھی تھی جو اس فاضل عالم کو سوجھی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسے علم تھا کہ گو وہ
حقیقی معنی ہے مگر یہ معنے حقیقی یہاں مرجوح ہیں اور دوسرے معنے گو مجازی ہیں مگر راجح وہی ہیں اور جمہور وہی مجازی
معنے لیتے ہیں اور حق جمہور کے ساتھ ہے۔ اور یہ فاضل عالم یوں تو جمہور جمہور بہت کرتے ہیں مگر اس مقام پہ
جمہور کا ساتھ چھوڑ بیٹھے ہیں۔ خدا معلوم اس میں کیا راز ہے

(۴) موضح القرآن میں حضرت شاہ عبد القادر صاحبؒ لکھتے ہیں: یعنی کسی دین میں شرک روا نہیں رکھا۔ اور پوچھ دیکھ
یعنی جس وقت ان کی ارواح سے ملاقات ہو یا ان کے احوال کتابوں میں سے تحقیق کر ۱۲ منہ رح

(۵) مولوی عبد الغفور صاحب غزنویؒ نے لکھا یعنی ان لوگوں سے پوچھ جن کی طرف ہم نے تجھ سے پہلے پیغمبر بھیجے ہیں۔
ان سے مراد پہلی امتوں کے لوگ ہیں (ص ۱۰۰ حاشیہ ف)

(۶) ڈپٹی نذیر احمد نے ترجمہ ۷۸۷ میں لکھا ف یعنی ان کے معتقدات جو ان کی کتابوں میں لکھے ہیں دیکھ۔ اور
ان کو دیکھنا گویا پیغمبروں سے پوچھنا ہے ۱۲ اور حضرت مولانا حکیم الامتؒ نے اصلاح ترجمہ دہلویہ میں اس پر کوئی تنقید نہیں کی

(۷) مرزا حیرت دہلویؒ نے مابعد آیت کو اس آیت سے ربط دیتے ہوئے ص ۶۴۶ میں لکھا: اوپر کی آیت میں فرمایا تھا کہ
ان مشرکوں سے اگلے پیغمبروں کا حال تو پوچھے کہ بھلا وہ بھی خدا کے سوا کسی کی پرستش کرتے تھے۔ لہذا اس کے بعد مثال
میں موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا۔ اس پر بھی حکیم الامتؒ نے کوئی تنقید نہیں فرمائی۔ تو حضرت تھانویؒ کا بھی ان پر صاد ہے

(۸) تفسیر بیضاوی ج ۴ ص ۶۱ میں ہے واسأل امہم وعلماء دینہم یعنی ان انبیاء کرامؑ کی امتوں اور علماء دین سے پوچھ دیکھ

(۹) تفسیر ابو السعود ج ۶ ص ۲۴۴ میں یہی بیضاوی والی تفسیر لکھ کر اس کی تائید میں دوسری آیت بھی لکھی جو ارشاد فاسأل
الذین یقرءون الکتاب من قبلک یعنی ان لوگوں سے پوچھ دیکھ جو تم سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں۔ اس کے بعد اس مجازی

معنے کا فائدہ بتاتے ہیں وفائدۃ ہذا المجاز التنبیہ علی ان المسئول عنہ معین ما نطقت بہ السنۃ الرسل لا تقولہ اممھم وعلماؤھم من تلقاء انفسھم یعنی مجازی معنے لینے کا فائدہ اس بات پر متنبہ کرنا ہے کہ حضور ﷺ کا مسئلہ توحید بعینہٖ وہی مسئلہ ہے جو حضور ﷺ سے پہلے تمام انبیاء کرام کی زبانی بتایا جاتا رہا نہ وہ جو آج کل ان کے امتی اور علماء دین اپنی طرف سے کہہ رہے ہیں۔

(۱۰) آگے لکھا کہ حضرت فراء فرماتے ہیں انما یخبرونہ عن کتب الرسل فاذا سالھم فکانما سال الانبیاء یعنی حضور ﷺ جو انبیاء سابقین کے علماء سے پوچھیں گے تو وہ علماء اپنے رسولوں کی کتابیں ہی دیکھ کر حضور ﷺ کو بتائیں گے اس لئے ان علماء سے پوچھنا یوں سمجھو گویا خود انبیاء کرام سے ہی پوچھ لیا۔

(۱۱) معالم التنزیل طبع ہند ج ۴ ص ۴۹ میں ہے کہ تمام روایات میں ابن عباسؓ کا یہی قول ہے اور یہی قول ہے مجاہدؒ، قتادہؒ، ضحاکؒ، سدیؒ، حسنؒ، مقاتلؒ اور اکثر مفسرین کا۔ مزید برآں یہ کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ و ابی بن کعبؓ کی قراءت بھی اسی معنے کی صحت پر دلالت کرتا ہے اور وہ قراءت یہ ہے واسال الذین ارسلنا الیھم قبلک رسلنا یعنی ان لوگوں سے پوچھ دیکھ جن کی طرف ہم نے آپ سے پہلے اپنے رسول بھیجے ہیں۔

(۱۲) امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ نے ان لوگوں کا قاعدہ بیان فرمایا ہے جو اس مقام پر حقیقی معنے چھوڑ کر مجازی معنی مراد لیتے ہیں اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ ان ذکر السوال فی موضع لا یمکن السوال فیہ یکون المراد منہ النظر والاستدلال کقول من قال سل الارض من شق انھارک وغرس اشجارک وجنی ثمارک فانھا لم تجبک جوابا اجابتک اعتبارا۔ فھھنا سوال النبی علی الانبیاء الذین کانوا قبلہ ممتنع فکان المراد منہ انظر فی ہذہ المسئلۃ بعقلک وتدبر فیھا بفہمک واللہ اعلم یعنی جہاں سوال کرنا ناممکن ہو وہاں کہنا کہ "پوچھ" اس کا مطلب ہوتا ہے کہ نظر و فکر اور استدلال سے کام لے اپنی سمجھ سے کام لے جیسے کوئی کہے ذرا زمین سے پوچھ کہ تجھ میں دریا کس نے چیر بہائے اور تجھ میں درخت کس نے لگائے اور تجھ میں پھل کس نے لگائے تو زمین تو تجھے اور زبانی جواب نہ دیں گی۔ وہ جواب نظر و استدلال والا ہی ہوگا۔ سو اس جگہ میں بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انبیاء سابقین سے سوال کرنا ناممکن اور ممتنع ہے لہٰذا یہاں آپ کا انبیاء سابقین سے سوال کرنے کا مطلب یہی ہے کہ اپنی نظر و فکر سے کام لے کر تدبر کرو بھلا شرک بھی کسی کا دین مذہب بن سکتا ہے

ایک اور آیۃ سے امکانِ استنباطِ حیاتِ انبیاء کرام ؑ

حیات الانبیاء کے بارے میں ایک اور آیت بھی پیش کی جاسکتی ہے جو سورۃ الم تنزیل السجدہ کے تیسرے رکوع کے

شروع میں ہے ولقد آتینا موسی الکتاب فلا تکن فی مریۃ من لقائہ یعنی بیشک موسیٰ علیہ السلام کو بھی کتاب میں نے ہی دی تھی پس آپ کی موسیٰ علیہ السلام سے جو ملاقات ہوئی تھی (یعنی شب معراج میں) آپ کو اس میں کچھ تردد نہ ہونا چاہئے نیلوی کہتا ہے کہ یہ آیت بھی کئی معنوں کی محتمل ہے اور احتمال سے عقیدہ ثابت نہیں ہوسکتا ہے۔ چنانچہ اس

(١) آیت کے ایک معنے یہ بھی ہیں جو سدی نے بیان کئے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ نے تورات اپنی رضامندی سے قبول کی تھی آپ کو اس بات میں شک نہ کرنا چاہئے

(٢) اور ایک معنے طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ سے مرفوعاً نقل فرمائے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا معنے آیۃ کے یہ ہیں کہ تم شک نہ کرو کہ موسیٰؑ طُور پر اپنے رب سے ملے تھے

(٣) بعض نے کہا کہ اس بات میں کوئی شک نہ کرے کہ آپ شب معراج میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملے تھے۔

(٤) اور اکثر نے یہ معنے کئے ہیں کہ آپ اس کتاب کے ملنے میں شک نہ کریں یعنی قرآن پاک کا نزول کوئی نئی بات نہیں ہے اس سے پہلے بھی کتاب نازل کی جاچکی ہے۔ لقائہ کی ضمیر "ہ" "الکتاب" کی طرف راجع ہے اے من لقائک الکتاب (بیضاوی) اے لقاءک ذلک الجنس (روح المعانی) الکتاب سے مراد جنس کتاب ہے ای جنس الکتاب (روح المعانی)

اور اگر موسیٰؑ کی ملاقات ہی مراد ہو تو اس سے مراد جسم برزخی مثالی ہے نہ جسد عنصری چنانچہ ظاہر ہے کہ چھٹے آسمان میں آپ کی ملاقات ہوئی تھی اور وہاں جسد عنصری نہ تھا اسی طرح دیگر انبیاء کرامؑ جن سے آسمانوں میں ملاقاتیں ہوئیں اور ہمارے اسی قول کی تائید میں حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحؒ نے حضرت ابن عباس رضؓ کی روایت نقل فرمائی کہ ہم رسول اللہ صلعم کے ہمرکاب ایک سفر میں چلے ایک وادی کی طرف سے ہمارا گذر ہوا۔ حضورؐ نے پوچھا یہ کونسی وادی ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا یہ وادیٔ ازرق ہے آپؐ نے فرمایا مجھے ایسا لگتا ہے کہ جب میں اس وادی سے گزرا تو موسیٰؑ میری نظر کے سامنے کانوں میں انگلیاں دئے لبیک کہتے جاتے تھے اور اللہ کو پکار رہے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ پھر ہم آگے چلتے چلتے ایک گھاٹی پر پہنچے۔ حضورؐ نے پوچھا کہ یہ کونسی گھاٹی ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا ہرشا فرمایا مجھے ایسا لگتا ہے کہ حضرت یونسؑ سرخ اونٹنی پر سوار جبہ پہنے اونٹنی کی مہار پکڑے اس وادی میں لبیک کہتے ہوئے گذر رہے ہیں رواہ مسلم

بہر حال یہ ملاقات بھی موسیٰؑ کے جسد مثالی برزخی کے ساتھ ہے نہ جسد عنصری جسمانی حقیقی حسی کے ساتھ۔

ضمیمہ نمبر ۲

سات احادیث حیاتِ انبیاء کرامؑ پر دال ہیں

التحقیق الاعلیٰ

فی

حدیث ابی یعلیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ الذی جعل دار الدنیا دار العمل والابتلاء ودار الاٰخرۃ دار الاجر والجزاء وعالماً بینھما مسمّیً بعالم القبر والبرزخ الی یوم الحشر والنشر والصلوٰۃ و علی من بعث لتبلیغ التوحید فاستقر بدارہ فی اعلیٰ علیین واستغرق فی مشاھدۃ رب العٰلمین وعلیٰ اٰلہ واصحبہ اجمعین

حضرت قاسم العلوم والخیراتؒ کا فرمان واجب الاذعان

حضرت شیخ مشائخنا محمد قاسم النانوتوی رحمہ اللہ نے لطائف قاسمیہ ص ۵ میں فرمایا ہے کہ "ایسا یاد پڑتا ہے کہ اکثر احادیث باب حیات ضعیف ہیں۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ ہاں اتنا عرض کئے دیتا ہوں کہ گو عقیدہ تو یہی ہے اور میں جانتا ہوں ان شاء اللہ تعالیٰ ایسا ہی رہے گا مگر اس عقیدہ کو عقائد ضروریہ میں سے نہیں سمجھتا نہ تعلیم ایسی باتوں کی کرتا ہوں، نہ منکروں سے دست و گریباں ہوتا ہوں۔ خود کسی سے کہتا نہیں پھرتا۔ کوئی پوچھتا ہے اور اندیشۂ فساد نہیں ہوتا تو اظہار میں دریغ بھی نہیں کرتا۔ آپ اس امر کو ملحوظ رکھیں تو بہتر ہے فقط

ناظرین ذرا غور فرمائیں

نیلوی کہتا ہے کہ حضرت قاسم العلوم والخیرات تو صاف اور واشگاف الفاظ میں فرما رہے ہیں کہ اکثر احادیث باب حیات ضعیف ہیں۔ اب ان لوگوں کے بارے کیا جائے جو ہر حدیث باب حیات کو اپنی چرب

زبانی کے ساتھ جدید قوی اور صحیح ہونے پر زور دیتے ہیں۔ کیا یہ لوگ یہ دعویٰ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ ہمارا مسلک وہی ہے جو مسلک بانی دارالعلوم دیوبند کا ہے بلحوث علامہ تحذیر من انوا مصحم

دوسرے یہ کہ آپ فرماتے ہیں کہ میں اس عقیدہ کو عقائد ضروریہ میں سے نہیں سمجھتا اب جو شخص کہ اس قدر غلو کرے کہ اس عقیدہ کو عقائد ضروریہ میں سے بتائے اور جو یہ عقیدہ نہ رکھے اسے معتزلی بدعتی اور گستاخ رسول کے لقب سے ملوث کرے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کہے تو وہ بانی دارالعلوم دیوبند کے مسلک پر ہے؟ کیا معتزلی بدعتی اور گستاخ رسول کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ اس کا عقیدہ عقائد ضروریہ میں سے تو نہیں ہے؛ جب یہ عقیدہ ضروریہ نہیں تو اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کیسے؟ اگر اس کے خلاف عقیدہ رکھنے سے آدمی معتزلی بدعتی بن جاتا ہے پھر بھی عقیدہ غیر ضروریہ ہوا؟ اور جس عقیدہ کے خلاف آدمی گستاخ رسول بن جاتا ہو پھر بھی عقیدہ غیر ضروری ہوا یہ بڑے تعجب کی بات ہے یا پھر یوں کہا جائے کہ مولانا نانوتوی نے غلط کہا ہے کہ یہ عقائد ضروریہ میں سے نہیں ہے درحقیقت یہ عقائد ضروریہ میں سے ہے۔ مگر پھر سوال ابھرے گا کہ مولانا نانوتوی جو عقائد ضروریہ میں سے نہیں سمجھتے تو ان کے خیال کے مطابق ان کے خلاف عقیدہ رکھنے والوں کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی نہ ہوگی اور نہ وہ معتزلی بدعتی ہوئے نہ گستاخ رسول اب اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ یہ لوگ مسلک بانی دارالعلوم کے مسلک پر نہیں ہیں۔ نرا دعوے ہی دعوے ہے اور بس۔

تیسرے یہ کہ آپ فرماتے ہیں کہ میں تعلیم نہیں کرتا اور نہ منکروں سے دست گریباں ہوتا ہوں خود کسی سے کہتا نہیں اب جو لوگ حیاتی مماتی کی تقسیم کر کے عوام کو متنفر کرتے پھرتے ہیں؛ رسالے پمفلٹ اشتہارات ملک کے کونے کونے میں لکھ لکھ شائع کرتے پھرتے ہیں عام جلسے کانفرنسیں اور اجلاس جگہ جگہ کرا کے اہل حق کو گالیاں دیتے ہیں اور ان کے خلاف نعرے مردہ باد کے لگاتے ہیں اور اہل حق کی مساجد پر ناحق قبضہ کرتے پھرتے ہیں اور اہل حق کو سلام کا جواب بھی نہیں دیتے اہل حق کے چندے بند کرواتے پھرتے ہیں طالب علموں کو اہل حق کے مدارس میں جانے سے روکتے ہیں اور جو اس خیال کا طالب العلم ان کے مدارس میں آ جائے تو اس کو گالیاں دیتے زد و کوب کرتے مدرسہ سے نکال دیتے ہیں "مردہ باد" کے نعرے لگاتے ہیں۔ کیا حضرت

قاسم العلوم والخیرات کا یہی رویہ تھا جو ان لوگوں نے اپنا رکھا ہے
اب ہم چاہتے ہیں کہ ان احادیث کو غور سے پڑھیں اور سوچیں کہ یہ لوگ سچے ہیں جو احادیث باب حیات کی جودت اور صحت پر ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہیں یا حضرت قاسم العلوم سچے ہیں جو فرماتے ہیں کہ اکثر احادیث باب حیات ضعیف ہیں۔ اور یہ سمجھیں کہ یہ لوگ زیادہ محقق ہیں یا حضرت نانوتوی؟

○ التحقیق الاعلیٰ فی حدیث ابی یعلیٰ ○

اب پہلی حدیث جو ابویعلیٰ کی طرف منسوب کی جاتی ہے اٹھا کر دیکھتے ہیں اور وہ وہ حدیث ہے جو ابویعلیٰ نے ابوالجہم الازرق بن علی سے روایت کی ہے انہوں نے یحییٰ بن ابی بکیر سے انہوں نے مستلم بن سعید سے انہوں نے حجاج سے انہوں نے ثابت بنانی سے انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی سے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الانبیاء احیاء فی قبورہم یصلون

پہلے یہ یاد رہے کہ یہ حدیث جس پر بزعم ان لوگوں کے عقیدہ ضروریہ کی مدار ہے صحاح ستہ کی کسی کتاب کو یہ شرف حاصل نہیں کہ اس حدیث کے زیور سے آراستہ ہوتی۔ اگر یہ شرف حاصل ہوا ہے تو چوتھی صدی کے صرف اور صرف ایک محدث کو جس کا نام احمد بن علی ابویعلیٰ موصلی ہے جس کی کتاب طبقہ ثالثہ میں شمار ہوتی ہے جس کے بارے خود صاحب تسکین بریلویوں کی تردید کرتے وقت لکھتے ہیں

اکثر طبقہ ثالثہ کی احادیث فقہاء کے ہاں معمول بہ نہ تھیں، بلکہ اجماع ان کے خلاف پر منعقد ہو چکا ہے (بحوالہ عجالہ نافعہ ص، وحجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۲۷۰) دیکھئے محترم کی تصنیف دل کا سرور صفحہ نمبر ۱۶۱ اسی طرح ان کی دیگر تصانیف کثیرہ میں یہ عبارت موجود ہے۔

دوسرے ابویعلیٰ کا استاذ ازرق بن علی ابوالجہم ہے تقریب التہذیب ص۳۱ میں ہے صدوق یغرب اور صفی الدین احمد بن عبداللہ الخزرجی نے خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ص ۲۵ میں اور حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۰۰ میں لکھا ہے قال ابن حبان ثقۃ یغرب ثقہ تو ہے مگر غریب احادیث لانے کا عادی ہے۔ اور محترم جناب مولانا صاحب نے احسن الکلام ج ۲

ص ۵۲ میں میزان الاعتدال ج ۳ ص ۳۲۲ کے حوالہ سے ابن حبان کے بارے لکھا ولاتفرح بذکر ابن حبان لہ فی الثقات فان قاعدتہ معروفۃ من الاحتجاج لمن لایعرف یعنی اس پر خوش نہ ہو کہ ابن حبانؒ نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے اس لئے کہ ان کا قاعدہ ہی یہ مشہور ہے کہ وہ مجہول راویوں سے بھی احتجاج کر لیتے ہیں

اور ص ۴۳ میں بحوالہ فتح الباری پارہ ۱۴ ص ۳۵ باب ما یحل من النساء وما یحرم لکھا "یحیٰی کندی مجہول ہے امام بخاری اور ابن ابی حاتم نے اس کا ذکر کیا ہے لیکن اس پر انہوں نے جرح ذکر نہیں کی اور ابن حبان نے اس کو ثقات میں لکھا ہے جیسا کہ ان کی عادت ہے کہ جن راویوں پر جرح نہیں ہوتی وہ ان کو ثقہ کہتے ہیں

علامہ ذہبی پر جرح صفدری

تسکین الصدور ص ۲۱۷ میں نیز ۲۱۸ میں فرمایا علامہ ذہبی کو وہم ہوا ہے۔

(۱) لیکن جب کسی اور کے قلم سے یہی بات نکلتی ہے تو اس کی خوب مٹی پلید کرتے ہیں جیسے احسن الکلام ج ۲ ص ۶۹ میں مبارک پوری کے رد میں فرماتے ہیں "وہم خطا اور نسیان تو انسان کے خمیر میں داخل ہے ان سے وہی محفوظ رہے گا جس کو خدا تعالیٰ بچائے گا لیکن بلا دلیل علامہ ذہبی جیسے ناقد فن رجال پر وہم کا الزام سنا کون ہے حافظ ابن حجر نے یہ کہا ہی تھا لیکن خود مبارک پوری صاحب بھی اس کے کہنے پر مجبور ہیں الذہبی ہو من اہل الاستقراء التام فی نقد الرجال (آگے حوالے ہیں) علامہ ذہبی وہ ہیں جن کو نقد اسماء الرجال میں کامل ملکہ حاصل ہے، جب علامہ ذہبی کو رواۃ اور رجال کے پرکھنے کی مکمل مہارت حاصل ہے اور ان کے بعد آنے والے جملہ محدثین کرام ان پر اس فن میں کلی اعتماد کرتے ہیں تو ان پر بلا وجہ یہ الزام کیوں عائد کیا جاتا ہے کہ یہ ان کا وہم ہے" انتہیٰ کلامہ

پھر اس کے بعد خود ذہبی کی توثیق کی تردید بھی فرما دیتے ہیں

(۲) دوسرے یہ کہ یہی روایت علامہ سبکیؒ شفاء السقام ص ۱۸۰ یہی حدیث لکھ کر فرماتے ہیں قلت ویحیی بن ابی بکیر ثقۃ ومسلم بن سعید ثقۃ والحجاج ان کان ابن ابی الزناد فثقۃ وان کان غیرہ فلم اعرفہ یعنی یحییٰ بن ابی بکیر اور مسلم بن سعید دونوں ثقہ ہیں مگر حجاج کون ہے؟ اگر یہ ابن ابی الزناد ہے تب تو ثقہ ہے اور اگر کوئی اور ہے تو میں اسے نہیں پہچانتا۔ پھر اس پر محشی نے لکھا ہے کہ فتح الباری میں واذکر فی الکتاب مریم کے باب میں احادیث الانبیاء میں سے کچھ ذکر کیا جسے بزار نے اخراج کیا لیکن اس میں الحجاج الصواف واقع ہے اور اس حجاج الصواف کا ذکر امام صفی الدین خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ص ۷۳ میں فرماتے ہیں حجاج بن ابی عثمان الکندی مولاہم ابو الصلت البصری الصواف الخیاط عن الحسن ومعاویۃ بن قرۃ و

ابی الزبیر وعنہ یحیی القطان وحماد ان وثقہ احمد وابن معین۔ شفاء السقام کے حاشیہ میں ہے کہ حجاج صواف کا لفظ وہم ہے اور صحیح یہی ہے حجاج اسود جیسے بیہقی کی روایت میں اس کی تصریح ہے اور بیہقی نے اسے صحیح کہا ہے

اس میں حضرت سبکی کو خود تردد ہے جنہوں نے اس مسئلہ کو شد و مد کے ساتھ ثابت کرنے کی سعی بلیغ فرمائی ہے اس لئے اس روایت کی تصحیح میں کوئی کمی اور کسر نہ چھوڑنے کے بعد بھی اپنی امانت دیانت کے ساتھ فرماتے ہیں کہ حجاج اگر وہی ابن ابی الزیادہی ہے تب تو ثقہ ہے ورنہ تو میں اسے نہیں پہچانتا

③ پھر یہ جو کہتے ہیں صححہ البیہقی یہ بھی خلاف واقع ہے یہ حیات الانبیاء محدث بیہقیؒ کی ہمارے پاس ہے اس میں کہیں لفظ تصحیح کا ہماری نظر سے نہیں گزرا حالانکہ اس رسالہ کے طبع کرنے والے وہی ہیں جو اس مسئلہ کو جزو ایمان سمجھتے ہیں اور سب میں اس مسئلہ کو اچھال رہے ہیں۔ دیکھئے حضرت محدث بیہقیؒ فرماتے ہیں

① اخبرنا ابو سعید احمد بن محمد بن الخلیل الصوفی رحمہ اللہ قال انبانا ابو احمد عبداللہ بن عدی الحافظ قال ثنا قسطنطین بن عبداللہ الرومی قال ثنا الحسین بن عرفۃ قال حدثنی الحسن بن قتیبۃ المدائنی ثنا المستلم بن سعید الثقفی عن الحجاج بن الاسود عن ثابت البنانی عن انسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانبیاء احیاء فی قبورہم یصلون ؟ ہذا حدیث یعد فی افراد الحسن بن قتیبۃ المدائنی وقد ② روی عن یحیی بن ابی بکیر عن المستلم بن سعید وہو فیما اخبرنا الثقۃ من اہل العلم قال انبانا ابو عمرو بن حمدان قال انبانا ابو یعلی الموصلی ثنا ابو الجہم الازرق بن علی ثنا یحیی بن ابی بکیر ثنا مستلم بن سعید عن الحجاج عن ثابت عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانبیاء احیاء فی قبورہم یصلون ③ وقد روی من وجہ آخر عن انس بن مالک مرفوعاً ، اخبرنا ابو عثمان الامام رحمہ اللہ انبانا زاہر بن احمد انبانا ابو جعفر محمد بن معاذ الماینی ثنا الحسین بن الحسن ثنا مومل ثنا عبیداللہ بن ابی حمید الہذلی عن ابی الملیح عن انس بن مالک الانبیاء فی قبورہم احیاء یصلون ؛

یہ دعویٰ کہ بیہقی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے غلط اور خلاف واقع ہے

آپ نے انس بن مالک سے مرفوعاً یہ حدیث تین طریقوں سے بیان کی ہوئی ملاحظہ فرمائی ہے اس میں کہیں بھی بیہقی نے ہذا الحدیث صحیح یا اسنادہ صحیح یا رواتہ ثقات وغیرہ نہیں فرمایا تو معلوم نہیں کہ "صححہ البیہقی" کس وجہ سے کہہ دیا ہے اور پھر جب ان کے رواۃ پر نظر ڈالی جاتی ہے تو ایک روایت میں حسن بن قتیبہ خزاعی مدائنی ہے جو مستلم بن

سعید وغیرہ کا شاگرد ہے جس کے متعلق میزان الاعتدال ج ۱ ص ۵۱۸، ۵۱۹ اور لسان المیزان ج ۲ ص ۲۴۶ میں مالک و ابی حاتم: متروک الحدیث لکھا ہے اور اس کو محترم جناب مولانا صاحب بھی قابل استدلال نہ سمجھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مسند بزار کی روایت میں حسن بن قتیبہ ہے۔ ابویعلیٰ کی سند میں نہیں۔ ہمارا استدلال ابویعلیٰ کی سند سے ہے۔ مگر بیہقیؒ نے ابویعلیٰ کی سند نقل کر کے اس کی نہ تصحیح کی ہے نہ تضعیف اگر اس کا سکوت تصحیح تصور کیا جائے تو حسن بن قتیبہ کی حدیث پر بھی بیہقی کا سکوت ہے پھر اس حسن بن قتیبہ کی حدیث کے بارے بھی کہنا چاہئے کہ صححہ البیہقی لیکن یہاں اگر بیہقی کا سکوت تصحیح نہیں ہے تو ابویعلیٰ کی بیان کردہ حدیث پر سکوت تصحیح کیسے بن گئی۔

اور تیسری سند میں عبید اللہ بن ابی حمید الہذلی ہے جس کو نسائی نے متروک اور امام بخاریؒ نے منکر الحدیث کہا ہے نیز کہا کہ یہ شخص ابی الملیح سے غرائب روایت کرنے کا عادی ہے اور جس کو امام بخاریؒ منکر الحدیث کہدے اسے صحیح کون کہہ سکتا ہے لہٰذا یہ حدیث بھی صحیح نہیں، حالانکہ امام بیہقیؒ نے اس حدیث پر بھی سکوت فرمایا ہے

② اس حدیث کے معارض دوسری حدیث

پھر ان روایات ثلثہ کے بعد حضرت انس بن مالک ہی سے ایک ایسی روایت بیان کی جو ان کے معارض ہے چنانچہ فرمایا

وروی کما اخبرنا ابو عبد اللہ الحافظ ثنا ابو حامد احمد بن علی الحسنوی املاء ثنا ابو عبد اللہ محمد بن العباس الحمصی ثنا ابو الربیع الزہرانی ثنا اسمعیل بن طلحۃ بن یزید عن محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ عن ثابت عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان الانبیاء لا یترکون فی قبورہم بعد اربعین لیلۃ ولکنہم یصلون بین یدی اللہ عز وجل حتی ینفخ فی الصور: یعنی انبیاء کو چالیس راتوں کے بعد انکی اپنی قبروں میں رہنے نہیں دیا جاتا، بلکہ وہ اللہ کے حضور میں نماز پڑھتے ہیں تا آنکہ صور پھونکا جائے گا۔

بظاہر یہ حدیث پہلی حدیث کے معارض معلوم ہوتی ہے اسی لئے امام بیہقی رہ کو اس حدیث کی صحت میں تردد ہے اور فرماتے ہیں فہذا ان صح بہذا اللفظ یعنی اولاً تو دل تسلیم نہیں کرتا کہ یہ حدیث صحیح ہو اور اگر ثابت ہو جائے کہ وہی حدیث کے یہی الفاظ ہیں تو اس کی توجیہ کرنی پڑے گی۔ پھر محدث صاحب نے اس کی دو توجیہیں بیان فرمائی ہیں۔

پہلی توجیہ: مراد یہ ہے کہ انبیاء چالیس دن تک تو قبروں میں نماز پڑھتے رہتے تھے مگر بعد میں وہ بارگاہ رب العزۃ میں نماز پڑھتے ہیں، جیسا کہ پہلی حدیث میں مروی ہے

دوسری توجیہ: ہوسکتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ ان کے جسموں کو مع روحوں کے اٹھا لیا جاتا ہے، چنانچہ سفیان ثوریؒ نے الجامع میں کہا ہے کہ ان کے ایک استاذ نے (نامعلوم شخصیت) سعید بن المسیب سے روایت کی ہے کہ کوئی نبی اپنی قبر میں چالیس راتوں سے زیادہ نہیں ٹھیرتا، تاآنکہ اسے اٹھا لیا جائے۔ اسی حدیث کی رو سے وہ باقی زندوں کی طرح ہو جاتے ہیں اور جہاں اللہ چاہتا ہے وہاں قیام کرتے ہیں جیسا کہ معراج والی اور دیگر حدیثوں میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں کھڑے نماز پڑھتے دیکھا پھر آسمانوں میں دیکھا۔ اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

⑤ یہ حدیث مضطرب ہے

نیز یہ روایت حدیث تخلیقین کی طرح مضطرب ہے کسی میں اربعین یوما ہے کسی میں ثلثۃ ایام ہے کسی میں نصف یوم ہے۔ اور کسی میں ہے دفن کے فوراً بعد زندہ کر دئے جاتے ہیں۔ اور کسی میں ہے کہ ان کی زندگی شہداء کی طرح ہے اور سب کا اتفاق ہے جس کا خصم بھی قائل ہے کہ شہداء کی زندگی برزخی ہے دنیوی نہیں ہے اور المہند کی عبارت بھی اسی طرف مشیر ہے اور اس صورت میں کہنا پڑے گا کہ انبیاءؑ کی زندگی بھی برزخی ہے دنیوی نہیں ہے اور یہ دعویٰ بالکل دعویٰ نانوتویؒ کے برعکس ہے کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ انبیاءؑ کی حیات دنیوی ہے برزخی نہیں اور سبکیؒ وغیرہ کا یہ دعویٰ ہے کہ حیات انبیاء حیات شہداء کی طرح ہے (آب حیات ص ۲۰) جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ حیات برزخی ہے نہ دنیوی اور یہی بعینہ ہمارا دعویٰ ہے جیسے حضرت استاذی رحمہ اللہ نے کفایۃ المفتی میں فرمایا ہے۔

اس حدیث پر بحث نمبر ۲

قبریں اور نماز؟

صحیح بخاری ج ۱ ص ۶۲ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ نماز اپنی اپنے گھروں میں ادا کیا کرو اور انہیں قبریں نہ بناؤ۔ اجعلوا فی بیوتکم من صلوتکم ولا تتخذوھا قبورا۔ علماء کرام نے اس حدیث کے کئی مطلب لئے ہیں اور سب صحیح ہیں ایک مطلب تو یہ ہے کہ قبرستان میں نماز

پڑھنا مکروہ تحریمہ ہے دوسرا یہ کہ گھروں میں نوافل پڑھنا مندوب اور مستحب ہے تو حضرتؒ کا مطلب یہ ہے کہ تم مُردوں کی طرح نہ ہو جو اپنے گھروں یعنی قبروں میں نماز نہیں پڑھتے۔ تیسرا مطلب یہ ہے کہ گھروں میں مُردوں کو دفن نہ کرو اور بغوی نے شرح السنہ میں اکثر اہل علم کا قول ابن منذر سے نقل فرمایا ہے کہ اس حدیث سے علماء کرام نے یہ مسئلہ نکالا کہ قبرستان نماز کی جگہ نہیں ہے کذا فی فتح الباری

صحیح بخاری ج۱ ص۵۸ میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جانب قبلہ میں کچھ تھوک دیکھا تو آپ کو ناگوار ہوا یہاں تک کہ غصے کا اثر آپؐ کے چہرہ میں ظاہر ہوا پھر آپؐ خود کھڑے ہو گئے اور اس کو اپنے ہاتھ سے صاف کر دیا پھر فرمایا کہ تم میں سے کوئی جب اپنی نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے پروردگار سے مناجات کرتا ہے..... لہٰذا اسے چاہئے کہ اپنے قبلہ کے سامنے نہ تھوکے الخ

اسی طرح ص۵۸ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے کہ آپؐ نے فرمایا...... نمازی جب تک اپنی مصلیٰ میں ہے اللہ سے مناجات کرتا ہے الخ ان حدیثوں میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کہ انسان خلوص کے ساتھ خدا کے حضور میں کھڑا ہو ماسوی اللہ کا تصور دل میں نہ ہو جیسے علامہ نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں یہی مطلب لیا ہے۔ اور جیسے آج کہا جاتا ہے کہ ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک الآیہ فی الحیاۃ و بعد الممات ہر دو کو شامل ہے ایسے ہی اس حدیث سے بھی فی الحیات و بعد الممات کا عموم ہے فی الحیاۃ کی تخصیص نہیں تو جب نماز میں آپؐ کی توجہ اللہ کی طرف ہے اور غیر اللہ کا خیال تک نہیں تو سلام کہنے والے کا سلام سننا اور اس کی طرف توجہ فرمانا، اس کو دیکھنا، اس کو پہچاننا، پھر اس کے سلام کا جواب تو توجہ الی اللہ کے منافی ہے جب کہ کوئی لمحہ سلام سے خالی نہیں نہ زائرین کا تانتا بند ہو گیا ہے۔ اور آپؐ کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں حالانکہ

صحیح بخاری ج۱ ص۵۴ میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس ایک پردہ تھا کہ اسے انہوں نے اپنے گھر کے ایک گوشے میں ڈالا تھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے پاس سے اپنا یہ پردہ ہٹا دو اس لئے کہ اس کی تصویریں برابر میرے سامنے آ رہی ہیں۔

امام بخاریؒ نے ایک اور حدیث بیان فرمائی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک فروج (جبہ) ہدیہ کیا گیا تو آپؐ نے اسے پہن لیا اور اس میں نماز

پڑھی پھر جب فارغ ہوئے تو اُسے زور سے کھینچ کر اتار ڈالا گویا آپؐ نے اسے بُرا جانا اور فرمایا کہ پرہیزگاروں کو یہ کپڑا زیبا نہیں نیز حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے خمیصہ (کمبل) میں نماز پڑھی جس میں نقش تھے تو آپ کی نظر اس کے نقوش کی طرف پڑی تو جب آپؐ فارغ ہوئے تو فرمایا کہ میری اس خمیصہ کو ابی جہم کے پاس لے جاؤ اور مجھے ابی جہم کی انبجانیہ لا دو کیونکہ اس خمیصہ نے ابھی میری نماز سے مجھے غافل کر دیا۔ بہ روایت دیگر۔ فرمایا کہ میں نماز میں اس کے نقش پر نظر کرتا رہا لہٰذا میں خوف کرتا ہوں کہ یہ مجھے فتنہ میں ڈالے گی کہ اس میں دل مشغول ہو جائے اور نماز سے جو مقصود اصلی ہے خشوع و خضوع و حضور قلبی اور توجہ الی اللہ وہ فوت ہو جائے۔

صحیح بخاری ج ۱ ص ۷۲، میں ہے باب استقبال الرجل الرجل وھو یصلی یعنی نماز پڑھنے کی حالت میں ایک شخص کا دوسرے شخص کی طرف منہ کرنا مکروہ ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس بات کو مکروہ جانا ہے کہ نماز کی حالت میں کسی شخص کا سامنا کیا جائے اور یہ کراہت اس وقت ہے کہ نماز پڑھنے والا اس کی طرف مشغول ہو جائے اور اگر نہ مشغول ہو تو کچھ کراہت نہیں الخ آگے حضرت عائشہؓ کی روایت لکھ کر اُن کا قول نقل فرمایا کہ واکرہ ان استقبلہ میں اس بات کو برا جانتی تھی کہ آپؐ کے سامنے رہوں اس لئے میں آہستہ سے نکل جاتی تھی

نیلوی کہتا ہے کہ جب زندگی میں آپؐ کی نماز کی حالت میں سامنے آنا یا سامنے رہنا ناپسندیدہ امر عند الصحابہؓ تھا تو لبعد از وفات جب یہ عقیدہ ہے کہ آپؐ قبر شریف میں نماز پڑھتے رہتے ہیں تو زائر کا آپؐ کے معصوم چہرہ کے سامنے آنا اور آپؐ کو سلام کہنا کیونکر پسندیدہ امر ہو سکتا ہے

ایک سوال اور اس کا جواب

اگر کہا جائے کہ صحیح بخاری ج ۱ ص ۶۲ میں ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عرضت علی النار وانا اصلی نماز کی حالت میں میرے سامنے دوزخ پیش کی گئی نیز ص ۱۰۸ باب من اجاب الفتیا الخ میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جو چیز اب تک مجھے نہ دکھائی گئی تھی اسے میں نے اس وقت اپنی اس جگہ میں کھڑے کھڑے دیکھ لیا یہاں تک کہ جنت اور دوزخ کو بھی اور ص ۱۰۳ میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ اس وقت جنت میرے قریب ہو گئی تھی حتیٰ کہ اگر میں اس پر جرأت کرتا

تو اس کے خوشوں میں سے کوئی خوشہ تمہارے پاس لے آتا اور دوزخ بھی میرے قریب ہو گئی تھی یہاں تک کہ میں کہنے لگا کہ اے میرے پروردگار کیا میں ان لوگوں کے ہمراہ رکھا جاؤں گا پس یکایک ایک عورت نظر پڑی ..... جسے ایک بلی پنجہ مار رہی تھی۔ میں نے کہا اس کا کیا حال ہے لوگوں نے کہا کہ اس نے بلی کو باندھ رکھا تھا یہاں تک کہ بھوک کے مارے مرگئی نہ اسے کھلاتی تھی اور نہ ہی اسے چھوڑتی تھی کہ وہ خود کھاتی زمین کے کیڑے مکوڑے چوہے وغیرہ) تو ان چیزوں نے آپ کی توجہ الی اللہ اور خشوع وخضوع وحضور قلب سے روکا نہیں تو زائر کی زیارت وسلام وکلام وغیرہ آپ کی نماز میں کس طرح حارج بن سکتے ہیں۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب امور آخرت میں سے ہیں اور حارج امور دنیا ہوتے ہیں نہ امور آخرت اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دار برزخ میں تو مشاہدۂ انوار ربی میں مستغرق رہتے ہیں جیسے دنیا میں وحی آنے کے وقت آپ کی حالت ہو جایا کرتی تھی۔ ہاں جب اللہ تعالیٰ چاہے تو اس حالت سے افاقہ فرمائے اور زائرین کے سلام وکلام کی آپ کو اطلاع فرمادے۔ یہ ہیں معنے ردّ روح کے جیسے لمعات میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے (ص ۸۶ صفحہ ۸۶ مشکوۃ مجتبائی)

حدیث پر بحث

کہتے ہیں کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار تھے۔ مگر تمام ذخیرۂ احادیث کو الٹ پلٹ کرنے کے باوجود یہ حدیث الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون جو کہ حیات النبی کے مرکزی عقیدہ کی دلیل ہے صرف ایک صحابیؓ سے مروی ہے جن کا نام نامی واسم گرامی حضرت انس بن مالکؓ ہے رضی اللہ عنہ ان کے بعد آپ کے سیکڑوں شاگرد تھے مگر یہ حدیث صرف ان کے ایک ہی شاگرد بتلاتے ہیں جن کا اسم گرامی ثابت بنانیؒ ہے پھر آگے ان کے بیسیوں شاگرد تھے مگر یہ حدیث صرف ایک ہی شاگرد بتاتے ہیں جن کا نام حجاج بن اسودؒ ہے پھر ان کے شاگردوں میں سے صرف مستلم بن سعیدؒ روایت کرتے ہیں اب مستلم بن سعیدؒ کے شاگرد دو ہو جاتے ہیں جن میں سے ایک کا نام تو ہے حسن بن قتیبہ خزاعی جس کے بارے صاحب تسکین کو خود اعتراف ہے کہ یہ صاحب ہالک متروک الحدیث، ضعیف، کثیر الوہم واہی الحدیث ہیں اب لے دے کر مستلم کا ایک ہی شاگرد رہ گیا۔ یحیی بن

ابی کبیر پھر اس کا ایک ہی شاگرد ہو ابوالجہم پھر ان کا شاگرد صاحب مسند ابو یعلیٰ الغرض ان تین صدیوں میں گنتی کے چھ بندے ہیں جنہیں یہ حدیث یکے بعد دیگرے بذریعہ استاذی شاگردی پہنچی اور حدیث بھی وہ جس پر عقیدہ کی بنیاد ہے پھر اس طبقہ کی کتب میں سے جسے خود صاحب تسکین کتاب ہذا لکھنے سے پہلے قابلِ اعتماد نہیں سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ اس طبقہ کی کتب قابل اعتبار نہیں۔ آپ ہی فرمائیں کہ عقیدہ کی بنیاد ایسی حدیث پر رکھی جا سکتی ہے پھر آپ سچے ہیں یا حضرت نانوتوی؟

○ اصولِ فقہ کی روشنی میں حدیث پر بحث ○

صاحب تسکین نے تو مندرجہ ذیل حوالجات سے اسکی تصحیح ثابت کی ہے۔

بیہقی ۔ ہیثمی ۔ ابن حجر ۔ عزیزی ۔ ملا علی قاری ۔ مناوی ۔ شوکانی ۔ شیخ عبدالحق ۔ سبکی ۔ سیوطی ۔ سمہودی ۔ محمد زکریا

جنمیں سے سب بیہقی سے ناقل ہیں اور ناقلین کا ایک منقول عنہ سے نقل کرنا اجماع نہیں کہلاتا۔ ہاں اس بات پر سب متاخرین کا اتفاق ہے کہ بیہقی نے اسکی تصحیح کی ہے۔ بیہقی کی تصحیح کا نام اجماع رکھ دو تو ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ حالانکہ بیہقی نے سرے سے تصحیح کی ہی نہیں خیر اصول فقہ کی رو سے یہ حدیث منقطع اور مردود ہے رواۃ میں سے بھی کوئی راوی مجتہد فقیہ نہیں اور غیر معروف فی الفقہ بھی

انقطاع روایت بایں طور کہ اصول میں امر محقق ہے کہ انقطاع دو قسم ہے انقطاع ظاہر اور انقطاع باطن۔ یہاں اگر انقطاع ظاہر نہیں تو انقطاع باطن ضرور ہے پھر انقطاع باطن کی ایک صورت تو یہ ہے کہ راوی میں کوئی شرط قبولیت کی نہ پائی جائے دوسری صورت یہ ہے کہ کتاب اللہ یا سنت مشہورہ یا حادثہ مشہورہ کے خلاف ہو یا صدر اوّل کے ائمہ نے اس سے اعراض کیا ہو۔ اور یہاں یہ چاروں چیزیں پائی گئی ہیں یعنی یہ حدیث کتاب اللہ کے مخالف ہے احادیث مشہورہ کے مخالف ہے۔ اور حادثہ مشہورہ کے خلاف ہے اور صدر اوّل کے ائمہ یعنی صحابہ کرامؓ کے اماموںؓ نے اس سے اعراض کیا ہے لہٰذا یہ حدیث منقطع اور مردود ہوئی۔ صاحب منار (عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی) لکھتے ہیں (واما الانقطاع الباطن فان کان لنقصان فی الناقل فھو علی ما ذکرنا من عدم قبول خبر الکافر والفاسق والصبی والمغفل) وان کان بالعرض بان خالف الکتاب او السنۃ المعروفۃ او الحادثۃ المشھورۃ او اعرض عنہ الائمۃ من الصدر الاول کان مردودًا منقطعًا (المنار —)

نور الانوار ص ۱۸۵

اس سے صاف معلوم ہوا کہ بیشک راوی سب ثقہ ہوں۔ محدثین کا جم غفیر جمہور بلکہ تمام محدثین اس کی تصحیح پر متفق ہو جائیں تو بھی اس کی صحت کی شروط مکمل نہیں ہوئیں۔ اور صرف ان دو شرطوں کو سامنے رکھ کر اس پر صحت کا فتویٰ نہیں لگایا جا سکتا۔ جب تک صحت کی تمام شروط مکمل میسر نہ ہوں وہ خبر باسنادِ صحیح مردود ہی ہوگی۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے تغریب کو سیاست پر حمل کیا اور قسم کھالی کہ اب میں کسی زانی کو جلاوطن نہیں کروں گا۔ اور اگر جلاوطن کرنا حدِ شرعی ہوتا تو کیا ترکِ حد پر قسم کھانا جائز تھا؟ اور حنفیہ بھی سیاست ہی پر حمل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خبر واحد معارض قرآن ہے لہٰذا مردود ہے یا مؤول۔ حالانکہ البکر بالبکر جلد مائۃ وتغریب عام امام مسلم کی روایت ہے جس کے سب کے سب رواۃ ثقہ ہیں اور تمام محدثین اس کو صحیح مانتے ہیں مگر اصول حنفیہ اس کو منقطع مانتے ہیں نہ صحیح

اسی طرح زیر بحث حدیث یعنی الانبیاء احیاء فی قبورہم یصلون کا حال ہے کہ بالفرض مان لیں کہ راوی سب ثقہ ہیں مگر قرآن وسنت کے خلاف ہیں اور حادثہ مشہورہ کے بھی خلاف ہیں اور ائمہؒ صدر اول نے بھی اس سے اعراض کیا قرآن وسنت کے خلاف یوں کہ شہداء کی حیات جو حیاتِ انبیاء سے کم درجہ کی ہو وہ تو صاف قرآن پاک میں موجود ہے اور اس کی تفسیر خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی باسانید صحیحہ ثابت ہے کہ وہ حیات اس جسدِ عنصری کے ساتھ متعلق ہے ہی نہیں وہ حیات ثانی دوسرے قسم کی ہے جو اس دنیوی حیات سے بالاتر ہے (دیکھو بیضاوی وغیرہ)

مگر انبیاء کرام کی حیات جو اہم ترین اور اعلیٰ ترین اور حیاتِ شہداء سے الگ اور مختلف بمراتب کثیرہ ہے اس سے قرآن مجید کا ساکت ہونا یہ دلیل ہے اس امر کی کہ یہ انبیاء کا زندہ قبر میں ہونا یہ کوئی مسئلہ قابلِ اعتبار نہیں "السکوت فی معرض البیان بیانٌ" بیان کے موقع پر بیان نہ کرنا یہ بھی بیان ہے اس کا کہ یہ نہیں ہے۔ اگر ہوتا تو اس کا بیان ہوتا۔ قرآن سے سکوت کرنا اور حادثہ مشہورہ کے خلاف اس لئے کہ حضرتؐ کی وفات کے بعد صحابہؓ میں بڑے بڑے اختلاف ہوئے باہمی لڑائیوں تک نوبت پہنچی کئی مسائل قابلِ استفسار رہ گئے تھے جو حضورؐ کی حیات میں حضورؐ سے پوچھنے رہ گئے تھے، عام مجلس میں تو کہتے رہتے تھے کہ یہ مسئلہ حضورؐ سے پوچھنا رہ گیا یہ مسئلہ حضورؐ سے پوچھنا رہ گیا افسوس ہی کرتے رہے مگر کسی نے یوں نہ کیا کہ جو حضرتؐ زندہ قبر میں تشریف فرما ہیں ان سے عقدہ حل کروالیں یا آپس میں لڑتے کیوں ہو حضورؐ سے صلح کروالو۔

ہمارا سلام تو حضرت سُن لیتے ہیں اور ہمارے سلام کا جواب دیتے ہیں ہمیں دیکھتے پہچانتے ہیں ہمارے حق میں شفیق ہیں
علی زعم الخصم
دُعا کرتے ہیں سفارش کرتے ہیں یہ سب امور جو غیر ضروری ہیں یہ تو کرتے ہیں مگر اُمت محمدیہ میں تشتت اور افتراق واقع
ہو رہا تھا اور حضرتؐ کے آگے اعمال پیش بھی ہوتے تھے حضرت عثمانؓ پہ بلوائیوں نے حملہ کیا ۴۰ روز تک محاصرہ کئے رکھا،
علی زعم الخصم
حضرت علی اور حسن حسینؓ نے بلوائیوں کا مقابلہ کیا۔ بلوائیوں کے اعتراض حضرت عثمانؓ خود جواب دیتے رہے حضرت معاویہؓ و
حضرت علیؓ کی باہمی لڑائی بھی ہوئی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ و علیؓ کی لڑائی ہوئی فدک کا معرکۃ الآراء مسئلہ اور اسیر
جھگڑے لڑائیاں ہوئیں اُمتہ محمدیہ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے خون ریزیاں ہوئیں۔ مدینہ طیبہ میں کئی فساد ہوئے مگر حضرتؐ
کو علم ہونے کے باوجود چُپ رہنے کا آرڈر تھا کہ مت بولو۔ کیا آپ کی زندگی محض سلام کے جواب اور عرض اعمال کیلئے مخصوص ہے
ایسی زندگی کا نتیجہ کیا رہا؟ یعنی ایسی زندگی کہ آپ عرفی قبر میں دنیا کی زندگی کی طرح بحیثیت و بوجہ اعتکاف مسجد بلکہ بیٹھے ہیں مگر نہ آپ نہ باجماعت نماز
سے مستفید ہو سکتے ہیں نہ اُمتِ محمدیہ کا اختلاف مٹا سکتے ہیں نہ بلوائیوں کے اعتراضوں کا جواب دے کر تسلی کرا سکتے ہیں نہ معاویہؓ
و علیؓ کی باہم صلح کرا سکتے ہیں اور نہ حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرتؐ سے اجازت لے کر جاتی ہیں اور نہ حضرت اُن سے پوچھتے ہیں
کہ کہاں جا رہی ہے؟ اور نہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ حق پر ہیں۔ تو اُس سے نزاع۔ جمع قرآن کے موقع پر جو کہ ایک اہم مسئلہ تھا صحابہؓ
ایک دوسرے سے مشورے لیتے تھے یوں کسی نے نہ کہا کہ حضورؐ جو ہم میں تشریف فرما ہیں اُن سے بھی مشورہ لے لیں۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے
بلکہ نزول صحابہ سے مشورہ لینے کا حضورؐ کو حکم ہوا اور حضورؐ نے صحابہ کا مشورہ لینا کس آیت سے منع کیا ہے؟
جمع احادیث نبویہ کے متعلق اپنے عہد کے علماء سے مشورہ لیا مگر کسی نے حضورؐ کو یاد ہی نہیں کیا۔ مجتہدین و من بعدہم علماء بڑے بڑے
فتن میں مبتلا ہوئے کوڑے کھائے شہید ہوئے مگر علماء نے حضورؐ کی طرف رجوع نہیں فرمایا۔ اور اعمال پیش ہونے کے باوجود دینؐ
کیا یہ تابعین و صحابہ ان روایتوں کا علم نہ تھے جن کو حضورؐ پیچیدہ مسائل حل کر دیتے تھے؟
کے شفیق ہونے کے باوجود آپ مصالحت نہ کرا سکے۔ فتنہ و فساد کو مٹانے کیلئے آپ نے کچھ قدم نہیں اٹھایا۔ فتنہ و فساد کو مٹانے کی
سعی کرنا اہم ہے؟ یا سلام کا جواب دینا اہم ہے؟۔ دینی مسائل کو حل کرنا کسی کی اُلجھن دور کرنا اہم ہے؟ یا سلام کا جواب؟ پتہ بھی ہے
کیا برزخ میں خیر اہم اہم ہو جاتا ہے اور اہم غیر اہم؟ کیوں؟
کہ لوگ دین میں کیا کیا خرابیاں کر رہے ہیں دین مٹانے کی فکر میں ہیں باوجود اس کے چُپکے بیٹھے ہیں بولتے تک نہیں جو بولتے ہیں تو
زائر کے سلام کا جواب یا زائر کے حق کے اندر دعا و استغفار اور سفارش باقی بس۔ اللہ اللہ خیر سلا
ائمہ صدر اول میں سے کسی کا حضرتؐ کے ساتھ زندوں کا سا برتاؤ نہ کرنا، آپ کو قبر شریف میں سے نہ نکالنا، خصومات کے فیصلے

ردبی جھکانا، حضورؐ سے ذکر دانا، برکت کیلئے استسقاء میں حضورؐ کے پاس نہ جانا نہ اُن سے دعا کروانا جہاد کو جانے کیلئے حضرت سے پوچھ کر نہ جانا، فتح ممالک کی خوشخبری حضرتؐ کو نہ دینا، سفر میں آپ بیتی حضرتؐ کو نہ سنانا، سوائے سلام کے حضرتؐ سے کچھ بھی لرنا، حضرت عائشہ صدیقہ کا حضرتؐ سے خروج کی اجازت نہ مانگنا یہ سب دلیل اس امر کی ہے کہ صحابہ کرامؓ کا حضرتؐ کی زندگی کی بت وہ عقیدہ نہ تھا جو عصرِ حاضر کے علما کا ہے وہ حضورؐ کو زندہ سمجھتے تھے مگر قبر عرفی میں نہیں بلکہ ملأ اعلیٰ میں جہاں ارواح انبیاء مستقر ہے جہاں حضورؐ نے آپ ہی فرمایا کہ خواب میں جب مجھے عالم برزخ کی سیر کرائی گئی تو جنت کی سیر بھی ہوئی مجھے میرا گھر بھی دکھایا میں نے اندر جانا چاہا فرشتوں نے کہا ابھی آپ کی دنیوی زندگی باقی ہے بس سیر ہو چکی واپس چلئے جب آپکی دنیوی زندگی پوری ہو جائیگی تب آپ اسی جگہ تشریف لائیں گے

اسی واسطے جب کوئی فوت ہونے لگتا تھا تو حاضرین میں سے کوئی کہہ دیتا تھا اب آپ اُس عالم برزخ میں جاتے ہیں میرا لام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچانا معلوم ہوا صحابہؓ و خیر القرونؒ اسی برزخی زندگی کے قائل تھے اور جب کوئی صحابہؓ میں سے مکہ معظمہ کو فہ یا شام یا کسی اور مقام سے مدینہ جانے کے لئے تیار ہوتا تو جیسے اور مدینہ کے باشندوں کو سلام کہلا بھیجتے تھے کسی ایک حابیؓ سے ثابت نہیں کہ مدینہ جانے والے کو کہے کہ نبی پاکؐ کی قبر پر جا کر میرا سلام کہنا اور نہ یہ صحابہؓ میں دستور رہا نہ خیر القرون میں، ہاں اب دستور بن گیا کہ جو حج کو جانے لگتا ہے اُسے کہتے ہیں میرا سلام حضورؐ کو کہنا معلوم ہوا کہ صحابہؓ و خیر القرونؒ اس عرفی قبر میں حضورؐ زندہ نہیں مانتے تھے۔ دیکھو ایک مدینہ کا باشندہ ابو الدرداءؓ کے پاس مسئلہ پوچھنے کیلئے دمشق پہنچا۔ جب واپس آنے لگا تو ابو الدرداءؓ نے حضورؐ کو سلام یں کہلوایا یہ ہے اجماعِ صحابہؓ تابعینؒ و تبع تابعینؒ خیر القرون اور ائمہ مجتہدینؒ کا کہ قبر عرفی میں حضورؐ کو زندہ نہیں مانتے تھے سوائے س کے کہ آپکا جسدِ اطہر اس عرفی قبر میں صحیح سالم اسی حالت میں رکھا ہے جس حالت میں آپؐ کو رکھا گیا تھا۔ اور حقیقی قبر یعنی ملأ اعلیٰ ں آپ بڑی اعلیٰ زندگی میں تشریف فرما ہیں جب کوئی آپؐ کو صلوٰۃ و سلام کہتا ہے اللہ تعالیٰ آپ کے حق میں یہ صلوٰۃ و سلام و دعا ل و منظور فرماتے اور آپ کو مطلع فرما دیتے ہیں یہ ہے سماع روحانی جو حضرت سید مولانا حسین احمد مدنیؒ نے بڑے تصریح سے ارقام کئے ہیں۔

نیز اس حدیث متنازع فیہ سے آپ کا مدعیٰ ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ حیاۃ سے مراد عنصری نہیں، برزخی ہے اگر عنصری ہی دعویٰ ہے تو خیر القرون میں سے کسی کا قول پیش کریں جس نے حیاۃ عنصریہ کے ساتھ تفسیر کی ہو۔ بہرحال حیاتِ عنصری عقل و نقل کے خلاف ہے

بعد صحۃ الحدیث

رُواۃِ حدیث پر بحث

صاحبِ تسکین نے فرمایا ہم نے جو سند بیان کی ہے اسمیں نہ حسن بن قتیبہ خزاعی ہے اور نہ کوئی اور مجروح راوی ہے۔

الجواب حسن بن قتیبہ کی بات نہیں۔ بات اس کے استاذ کی ہے مستلم بن سعید جو اکیلے روایت کرتا ہے حجاج ابن اسود سے اور مستلم کے متعلق ابن حجر فرماتے ہیں صدوق ربما وہم من التاسعۃ (تقریب ص ۳۵۱) ذکرہ ابن حبان فی الثقات وقال ربما خالف۔ (تہذیب التہذیب ص ۱۰۴)

محترم ایک لفظ کھا گئے

اتنی عبارت لکھ کر محترم نے تسکین الصدور طبع دوم میں تقریب ص ۴۸۸ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا "حافظ ابن حجر اس کو صدوق کہتے ہیں" اس کے آگے تقریب التہذیب میں یہ لفظ بھی ہیں "عابد ربما وہم من التاسعۃ" یہ لفظ محترم نے نہیں لکھے ان کا مطلب یہ ہے کہ مستلم عبادت گذار تھے اور ان کو بارہا وہم پڑتے رہتے تھے اور نویں طبقہ میں سے تھے۔ چونکہ ربما وہم کے الفاظ آپ کو مضر تھے اس لئے ہضم کر گئے عافاہ اللہ وایانا

اگر کہو کہ ربما وہم کی وجہ سے اسے صحت سے ہٹائیں تو حسن کا درجہ تو کہیں نہیں گیا

جیسے امام سیوطی رحمہ اللہ نے جامع صغیر ص ۱۲۳ میں اس حدیث کو حسن لکھا ہے بایں اشارہ (ع) عن انس (ح) ح کا حرف اشارہ حسن کی طرف ہے تو پھر ہم پوچھتے ہیں کہ خبر واحد صحیح کو تو آپ بابِ عقائد میں قابلِ اعتبار نہیں سمجھتے تو حسن قابلِ اعتبار کیسے ہو سکتی ہے جبکہ خود حسن کا مطلقاً قابلِ احتجاج ہونا ہی محدثین میں مجتہد فیہ ہے۔ احسن الکلام ص ۱۱۶ میں آپ نے لکھا ہے "امام بخاریؒ حدیثِ حسن سے احتجاج کے قائل نہیں ہیں۔ اسی لئے یہ حدیث امام بخاری رحہ کے نزدیک قابل اعتبار نہ تھی۔ بخاری میں اس کا نشان تک نہیں ہے۔ بلکہ حدیث کی کسی کتاب میں یہ حدیث نہیں صرف ابو یعلیٰ اور بزار اپنی اپنی مسندوں میں بیان کرتے ہیں۔ مسند ابی یعلیٰ کی سند تو آپ کے سامنے ہے اور مسند بزار میں حسن بن قتیبہ خزاعی ہے۔

نیز "صدوق" کا لفظ توثیق کا گھٹیا درجہ ہے جسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ قصداً جھوٹ نہیں بولتا اور ویسے روایات میں غلط سلط بیان کرجاتا ہے "صدوق" معناہ لا یتعمد الکذب بل قطع ذلک فی روایتہ من غلطہ (ص ۲۶۴ تذکرۃ الموضوعات لمحمد بن طاہر الفتنی)

اب محترم کا کہنا کہ فن روایت میں راوی کے لئے سب سے بڑھ کر جس صفت کی ضرورت ہے وہ اس کی صداقت ہوتی ہے مع دیگر شروط کے اور یہ صاحب اس صفت سے متصف تھے (تسکین ط ۲ ص ۲۱۱) ؛ بالکل بے سود ہے

(۱) علامہ ابن قیمؒ کے نزدیک یہ حدیث منکر ہے

ابن قیمؒ نے قصیدہ نونیہ میں اس حدیث کو منکر کہا ہے یہ نہیں کہ ابن قتیبہ کی طریق سے منکر ہے اور دوسرے طریق سے نہیں۔

وحدیث ذکر حیاتہم بقبورہم ؛ لما یصح وظاہر النکران بالکل صحیح نہیں۔ اس کا منکر ہونا ظاہر

فانظر الی الاسناد تعرف حالہ ؛ ان کنت ذا علم بہذا الشان

(۲) علامہ ذہبی کے نزدیک یہ حدیث منکر ہے

پھر علامہ ذہبیؒ نے بھی اس حدیث کو منکر کہا

(۳) ابن حجرؒ کے نزدیک یہ حدیث منکر ہے

ابن حجرؒ نے لسان المیزان ص ۱۷۵ ج ۲ میں فرمایا حجاج بن اسود عن ثابت البنانی نکرۃ ماروی عنہ فیما اعلم سوی مستلم بن سعید فاتی بخبر منکر عنہ عن انس فی ان الانبیاء احیاء فی قبورہم یصلون رواہ البیہقی

صاحب تسکین کی جہالت

گر صاحب تسکین اسے یہ سمجھ کر دو ذواتے میں کئی شاگردوں کی شاگردی سے استاذ مجہول نہیں رہتا لیکن یہ بات کلی

اور محقق نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کئی شاگردوں کی شاگردی سے شاذ کی ذات واقعی مجہول نہیں رہتی مگر جہالت وصف دور نہیں ہوتی۔ دارقطنی کے سوا سب محدثین یہی کہتے ہیں مثلاً دیکھئے برکۃ بن یعلی مجہول راوی ہے اس کے دو راویوں (وکیع اور ابو عقیل) کی شاگردی سے صرف جہالۃ عین رفع ہوئی قال ابن حجر فارتفعت جہالۃ عینہ (تعجیل المنفعۃ ص ۵۰) وقال ایضاً لکن تبقی معرفۃ حالہ (لسان المیزان ص ۹) تعجیل المنفعۃ میں بتا گئے کہ دو کی شاگردی سے جہالۃ عین رفع ہوگئی پھر لسان المیزان میں بتا دیا اس کی حالۃ عدالت وغیرہ کی پہچان کا مرحلہ ابھی باقی ہے۔ الجہالۃ عند المحدثین تزول بروایۃ اثنین فصاعداً الا ان یراد جہالۃ الحال (ج ۲ ص ۱۲ ابوداؤد)

ثقہ مجہول ہو سکتا ہے

رہا امام احمد اور ابن معین کا ثقہ کہنا مجہول کے معارض نہیں کیونکہ ثقہ کے تین معنے پہلے گذر چکے ہیں جن میں سے ایک یہ معنے بھی ہیں کہ جسکی جرح و تعدیل کسی نے نہ کی ہو سو یہاں یہی معنے بن سکتے ہیں

شاذ کو بھی منکر کہہ دیتے ہیں

اگر ثقہ بالمعنے الاول ہی مرادلیں پھر بھی علامہ ذہبی پر اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ اصول حدیث والے اپنی اصطلاح میں شاذ پر بھی منکر کا اطلاق کرتے رہتے ہیں جیسے نخبۃ الفکر میں ہے

ابو داؤد نے اپنے ثقہ راوی ہمام کی روایت کو بجائے شاذ کہنے کے منکر کہا۔ توجیہ النظر ص ۲۲۳ میں ہے ومن ذلک حدیث نزع الخاتم حیث قال ابو داؤد ھذا حدیث منکر مع انہ من روایۃ ھمام بن یحیی وھو ثقۃ احتج بہ اھل الحدیث انتہی وفی ھامش ابی داؤد ج ۱ ص ۳ احتج بہ الشیخان فی صحیحیھما وحدیثہ ھذا قال فیہ الترمذی ص ۲۳۱ صحیح

یہاں واقعی ثقہ نے اوثق کی مخالفت کی ہے

یہاں بھی یہی بات ہے کہ ثقہ نے اپنے سے اوثق کے خلاف روایت کی کہ بجائے اس کے کہ یوں کہا ہوتا قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مررت علی موسٰی لیلۃ اسری بی عند الکثیب الاحمر وھو قائم یصلی فی قبرہ جیسے حماد بن سلمہ جیسے حافظ ثقہ ضابط بیان کرتے ہیں حجاج نے اپنی فہم کو دخل دیکر یہ حدیث یوں بیان کردی الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون اس روایت بالمعنے کا نتیجہ آج

ہم سمجھتے ہیں ایک تو خاص کو عام کر دیا دوسرا قبور سے قبور عرفی لیکر مطلب میں خرابی آگئی حالانکہ مسلم کی حدیث میں معراج کا واقعہ بیان ہے جس میں برزخ کے واقعات بھی بیان ہوئے اسمیں موسیٰ کو بھی برزخ میں نماز پڑھتے دیکھا یہ برزخ کا حال موسیٰ آپ پر اس وقت منکشف ہوا جب آپ کثیب احمر کے پاس سے گذر رہے تھے۔ راوی نے عرفی معنے سمجھ کر ایسے انداز پر روایت کی جس سے لوگوں کو دھوکہ لگ گیا اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے اس حدیث کو سیرۃ المصطفےٰ اس میں "عالم مثال کی ہمشکل امثال" کے تحت لکھا

شاذ یہی تو ہوتا ہے کہ ثقہ راوی اسی روایت میں وہ الفاظ زائد کرتا ہے یا مخالف بیان کرتا ہے کہ جن الفاظ کو اس ثقہ سے اعلیٰ اور اونچے درجے کے ثقہ اور پختہ راوی بیان نہیں کرتے اور یہاں یہی بات ہے

دھی (زیادۃ ثقہ) زیادۃ لفظۃ فی حدیث لم یذکرھا سائر رواتہ (مقدمۃ فتح الملہم ۵۲) اور یہاں زیادۃ لفظ نہیں ہے

یہاں مخالفت کس طرح ہے

بلکہ تغییر الفاظ و تغییر مفہوم ہے کہ مفرد کی جگہ جمع رکھا، خاص کی جگہ عام رکھا اِدھر اُدھر برزخی وقائع کا ذکر اور معراج کا ذکر کلیۃً ترک کر دیا۔ جزو حدیث کی بجائے مستقل حدیث ذکر کر دی جس سے سامعین لازمی نتیجہ یہی سمجھیں گے کہ واقعی عرفی قبور میں انبیاءؑ عنصری اجساد کے ساتھ زندہ ہوتے ہیں اور انہی عنصری اجساد کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں

اب بتائیے یہ الفاظ کی زیادتی ہوئی یا تغییر الالفاظ والمفہوم ہوئی

جواب علیٰ سبیل التنزل

چلو علیٰ سبیل التنزل ہم اسے زیادۃِ ثقہ ہی تسلیم کر لیتے ہیں پھر زیادۃِ ثقہ کو مطلقاً قبول کرنے کا کونسا متفق علیہ مسئلہ ہے گو بعض علماء مطلقاً زیادۃِ ثقہ کو قبول کر لیتے ہیں مگر صحیح تفصیل ہے بعض مقامات میں اس کی صحت کا یقین ہوتا ہے اور بعض جگہ زیادۃ کی خطا یقینی ہوتی ہے اور کہیں زیادۃ کی صحت کا ظن غالب ہوتا ہے۔

مثال

علامہ زیلعیؒ جہر بالتسمیہ کی بابت نعیم مجمر کی زیادۃ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں فان قیل قد رواھا نعیم المجمر وھو ثقۃ والزیادۃ من الثقۃ مقبولۃ قلنا لیس ذلک مجمعاً علیہ بل فیہ خلاف مشہور فمن الناس من یقبل زیادۃ الثقۃ

ومنہم من لا یقبلہا والصحیح التفصیل . . . . فنی موضع یجزم بصحتہا . . . . وفی موضع یغلب علی الظن صحتہا . . . . وفی موضع یجزم بخطأ الزیادۃ . . . . . . ثم قال وان کان معمر ثقۃ وعبداللہ بن زیادۃ ضعیفا فان الثقۃ قد یغلط وفی موضع یغلب علی الظن خطأھا وفی موضع متوقف فی الزیادۃ الخ (نصب الرایہ ص۳۳۶ و ص۳۳۷)

نتیجہ

جب یہ بات محقق ٹھیری اور ثقہ بھی غلطی کھا سکتا ہے اور علماء نے مسائل فروعیہ میں بھی بعض جگہ ثقہ کی زیادۃ کو رد کر دیا جیسے جہر بالتسمیہ کی بابت علامہ زیلعیؒ کی تقریر آپ نے سُن لی تو یہ مسئلہ تو عقائد کا ہے تو مسائل عقائد میں ایسی حدیث کیسے حجت بن سکتی ہے؟

علامہ ذہبیؒ کی بات کو وہم کہنا وہم ہے

اب علامہ ذہبیؒ جیسی ہستی کو وہم کا شکار کہنا صاحب تسکین کا وہم ہے۔ قبل ازیں غیر مقلد نے یہی بات کہہ دی تھی تو احسن الکلام ص۳۰۲ میں جواب دیتے ہیں" وہم خطا اور نسیان تو انسان کے خمیر میں داخل ہے ان سے وہی محفوظ رہیگا جسکو خدا بچائیگا لیکن بلادلیل علامہ ذہبی جیسے ناقد رجال پر وہم کا الزام سننا کون ہے؟ حافظ ابن حجر نے تو یہی کہا تھا لیکن خود مبارکپوریؒ صاحب بھی اس کے کہنے پر مجبور ہو گئے الذھبی ھو من اھل الاستقراء التام فی نقد الرجال (تحقیق ص۹۵) علامہ ذہبیؒ وہ ہیں جنکو نقد اسماء الرجال میں کامل ملکہ حاصل ہے۔ جب علامہ ذہبیؒ کو رُوات اور رجال کے پرکھنے کی مکمل مہارت ہے تو ان پر بلاوجہ یہ الزام کیوں عائد کیا جاتا ہے کہ یہ اُن کا وہم ہے"

علامہ محب اللہ بہاریؒ نے بھی مسلم الثبوت ص۱۹۴ میں لکھا ہے الذہبیؒ وھو من اھل الاستقراء التام فی نقد الرجال

جناب من! اِس مقام پر بھی ہماری طرف سے یہی غیر مقلد کو اپنا دیا ہوا جواب قبول فرمائیے۔

ساری بحث کا ماحصل

یہ جو فتح الباری ج ۶ ص ۳۲۹ میں صححہ البیہقی لکھا ہے یہ ناسخ کی غلطی ہے پھر حضرت شاہ صاحب اور علامہ عثمانی نے فتح الباری کی عبارت پر اعتماد کر کے فرما دیا "وافقہ الحافظ" حالانکہ بیہقی نے اس حدیث کو صحیح نہیں کہا۔ ملا علی قاری مناوی عزیزی نے بھی فتح الباری ہی دیکھ کر "ہو حدیث صحیح" لکھ دیا شوکانی کا بھی یہی حال ہے۔ اور علامہ ہیثمی کا رجال ابی یعلیٰ ثقات کہنا کہ ابی یعلیٰ کے سند کے سب راوی ثقہ ہیں اور شیخ عبدالحق و سید سمہودی کا فرمانا ابو یعلیٰ بنقل ثقات از روایت انس بن مالک آوردہ اصول حدیث کی رو سے محترم کے لئے سود مند نہیں ہے اور مولانا محمد زکریا صاحب کی حیثیت ان اکابر و اساطین شریعت کے سامنے بہت نیچے ہے

اس تحقیق کے بعد بھی محترم کا یہی لکھتے رہنا کہ جمہور محدثین کرام اس کی تصحیح پر متفق ہیں اور کسی حدیث کے صحیح ہونے کے لئے اصول حدیث میں اس سے زیادہ قوی دلائل موجود نہیں ہیں کہ اس کے راوی سب ثقہ ہوں محترم کا تجاہل عارفانہ ہے؛ نیز یہ حدیث آپ کے فرمان کے مطابق سب سے وزنی ہے تو دوسری حدیثوں کا کیا حال ہو گا

اب جب تحقیق بالا سے معلوم ہو گیا کہ بیہقی نے اس کو صحیح نہیں کہا پھر ان ہستیوں کی عبارتوں کو جو کوئی ہمارے سامنے رکھتا جائے تو اصول مناظرہ کی رو سے انہیں تصحیح نقل لازم ہے۔ بیہقی کی کتاب میں دکھا دیں جس میں لکھا ہو "ہٰذا حدیث صحیح" ہاں یہ الگ بات ہے کہ میرے اس مطالبہ کے بعد آپ بیہقی کی کتاب حیاۃ الانبیاء میں یہ لفظ "ہٰذا حدیث صحیح" لکھ کر کسی پرانی پریس کا نام لکھ دیں، اور لوگوں سے کہہ دیں کہ یہ لو تیرھویں صدی کی مطبوعہ کتاب جس میں یہ لفظ موجود ہیں "ہٰذا حدیث صحیح" جیسے آج کل یہ روش عام ہو چکی ہے۔ لیکن اس کا فیصلہ عالم دنیا میں تو ہو نہیں سکتا۔ قیامت کے دن اللہ کے سامنے فیصلہ ہو جائے گا واللہ یقضی بالحق؛

اب اس بیان واقعہ کے بعد کیسے کہا جاتا ہے کہ "دار و مدار ابو یعلیٰ کی سند پر ہے اور وہ بالکل صحیح ہے" اور اعتقادیات میں یہ حدیث جس کے بارے میں خود لکھتے ہیں کہ "محدثین کرام اسی کی

تقسیم کرتے ہیں اور حیاتِ انبیاء کرام علیہم السلام کی بنیاد اس صحیح حدیث پر رکھتے ہیں" کس طرح بنیاد بن سکتی ہے جب کہ محترم کے اپنے اعتراف کے موافق خبرِ واحد صحیح بھی حجت نہیں بن سکتی تعجب آتا ہے کہ صاف صحیح بات سمجھ آنے کے بعد بھی عوام کو متنفر اور بدظن کرنے کے لئے یہ کیسے لکھتے ہیں کہ "معترضین حضرات بلا وجہ یہ جرح نقل کر کے اپنا قیمتی وقت ضائع کرتے اور عوام کے صاف اذہان کو الجھانے کی بے کار سعی کر رہے ہیں

رہی شوکانی کی بات سو اس کی تحقیق اپنی جگہ کر چکے ہیں۔ اصول حدیث کی رُ د سے ان کا قول اس جگہ صحیح کر کے دکھانا آپ پر لازم ہے صرف زبانی دعوٰی بلا دلیل کوئی نہیں سنتا ع ہر آنچہ گفتی دلیلش بیار

اوپر کی تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ علامہ بیہقی نے اپنی اس کتاب میں اس حدیث کو صحیح نہیں کہا۔ کسی نے سہواً "صححہ البیہقی" لکھ دیا سب نے اس کی تقلید میں "صححہ البیہقی" لکھ دیا بلکہ علامہ ابن قیمؒ و ذہبیؒ نے اس حدیث کو منکر کہا اور ابن حجرؒ کے دو قول ہو گئے لسان المیزان میں منکر کہا اور فتح الباری میں صححہ البیہقی لکھا ہے جو خلاف واقعہ ہے جو ابن حجرؒ جیسا محقق ایسی بات آنکھیں بند کر کے نہیں لکھ سکتا۔ پھر علامہ ذہبیؒ جیسے نقاد کی طرف وہم کی نسبت کرنا اور کہنا کہ ان کا یہ قول صحیح نہیں یہ خود صحیح نہیں ہے کیونکہ اصول حدیث کی رُو سے شاذ پر بھی منکر بولا جاتا ہے۔ علامہ ذہبی کا نکرۃ کہہ کر یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حجاج بن اسود ثقہ نہیں بلکہ نکرۃ کہہ کر ذہبی کا مطلب ہے کہ ثقہ ہو کر اپنے سے بڑے ثقہ کے خلاف روایت کرتا ہے لہٰذا یہ حدیث منکر یعنی شاذ ہے

اس حدیث پر بحث بر تقدیر تسلیم

اگر ہم اس حدیث کو تسلیم کریں کہ یہ حدیث صحیح ہے تو پھر بھی اس کا وہ مطلب نہیں جو آپ نے سمجھا کہ آپ کی قبروں کی حیات جسمانی عنصری حقیقی حسی دنیوی برزخی ہے بلکہ اس کے یہ معنے ہیں کہ آپ کے اجساد مطہرہ اپنی اپنی قبروں میں صحیح سلامت بلا تغیر و تبدل تر و تازہ باوجود مرور زمانہ کے تر و تازہ موجود ہے ان کے اجساد مطہرہ کو گلاب کے پھول سے تشبیہ دینا بھی اُن کی توہین ہے اور ان اللّٰہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء اس کی مؤید ہے

دلیل اس دعویٰ کی ہے

ہم نے حیوۃ الانبیاء احیاء فی قبورہم کے معنے یہ کئے ہیں کہ ان کے اجساد مبارکہ طیبہ تر و تازہ ہیں گلاب کے پھول سے بھی بڑھ کر۔ اس کا قرینہ ایک خود لفظ "قبورہم" ہے کیونکہ "قبر" زندہ انسان کی نہیں ہوتی۔ اگر آپ بجسدہ و روحہ اس طرح زندہ ہوتے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بجسدہ و روحہ آسمان پر تشریف فرما ہیں اور کھانے پینے سے بے نیاز وہ بھی ہیں اور ادراک و شعور و سمع و بصر سب کچھ ان کو وہاں حاصل ہے تو علماء کرام کو شہداء کے ساتھ تشبیہ دینے کی ضرورت نہ ہوتی سیدھا فرماتے کہ انبیاء کرام اسی طرح بارواحہم و اجسادہم زندہ ہیں جس طرح آسمان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بجسدہ و روحہ زندہ ہیں۔ یہ تشبیہ بہت صاف اور مطلب خیز تھی۔ شہداء کے ساتھ تشبیہ تو صحیح نہیں بنتی کیونکہ سلامت اجساد انبیاء کرام علیہم السلام تو منصوص ہے جو مشاہدہ سے بھی بڑھ کر ہے اور شہداء کے اجساد کی سلامتی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم زبان سے منصوص نہیں ہے تو اصولی طور پر غیر منصوص کو منصوص پر قیاس کیا جا سکتا ہے نہ کہ منصوص کو غیر منصوص پر قیاس کریں پس بنا یوں تھا الشہداء احیاء فی قبورہم کالانبیاء یعنی قبروں میں شہداء کے اجساد بھی اسی طرح تر و تازہ ہیں جس طرح انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد طیبہ مبارکہ قبروں میں تازہ ہیں۔ اور اگر کہو کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو شہداء کرام کے ساتھ اس لئے تشبیہ دی گئی ہے کہ شہداء کی حیات منصوص ہے بہ نص قرآنی۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات منصوص بہ نص قرآنی نہیں اس لئے تشبیہ غیر منصوص کی منصوص کے ساتھ ہوئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ مشبہ بہ کو مشبہ سے وجہ شبہ میں اقویٰ و اشہر ہونا چاہئے اس لئے قیاس اعلیٰ کا ادنیٰ پر بوجوہ بالکل غیر موزون ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات قیاس سے ثابت کریں تو ظنی طور پر حیات ثابت ہوگی کیونکہ قیاس سے جو حکم ثابت ہوتا ہے وہ قطعی نہیں ہوتا ہے بلکہ ظنی ہوتا ہے۔ یہ حیات انبیاء کرام علیہم السلام کا مسئلہ

دلالۃ النص کے ذریعے ثابت ہے اور جو حکم دلالت النص سے ثابت ہوتا ہے وہ قطعی ہوتا ہے جیسے عبارۃ النص سے ثابت شدہ حکم قطعی ہوتا ہے۔

دوسرے شہداء کی حیات کو مشبہ بہ اگر بنائیں تو اصولی طور پر یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ حیاتِ شہداء جسدِ عنصری میں نہیں ہوتی جیسے مفسر بیضاوی وغیرہ نے تصریح فرمائی ہے اور مدعا یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اجسادِ عنصریہ کے ساتھ زندہ ہوتے ہیں۔

قرینہ نمبر ۲

دوسرا قرینہ اس معنے کا جو ہم نے کیا ہے کہ جب محدثین انبیاء کرام کی حیات کا دعویٰ فرماتے ہیں تو دلیل میں یہ حدیث بیان فرماتے ہیں ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء جیسے تورپشتیؒ کی کتاب المعتمد فی المعتقد باب فصل کے حوالے سے خود محترم جناب مولانا صاحب نے تسکین الصدور طبع ۲ ص ۲۴۲ میں فرمایا کہ "ان خصوصیات (نبوی) میں سے ایک یہ بھی جاننی چاہیے کہ آپ کے جسم مبارک کو زمین نہیں کھاتی اور نہ وہ ریزہ ریزہ ہوگا اور قیامت کو جب زمین شق ہوگی تو آپ کا جسم مبارک اپنی حالت میں محفوظ ہوگا اور اسی وجود مبارک کے ساتھ آپؐ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کا حشر ہوگا اور صحیح حدیث میں آتا ہے ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے اجساد حرام کر دیئے ہیں۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ یہ سلامتِ اجسادِ انبیاء خاصۂ انبیاء ہے اس لئے خاصہ نہ مقیس بن سکتا ہے نہ مقیس علیہ۔

پھر حیات انبیاء کرام علیہم السلام کو حیاتِ شہداء کے ساتھ تشبیہ دینا کیونکر درست ہوگیا

قرینہ نمبر ۳

تیسرا قرینہ یہ ہے کہ فقہاء کرام رحمہم اللہ نے انبیاء کرام علیہم السلام کی قبور پر نماز جنازہ پڑھنے کے جواز وعدم جواز میں اختلاف کیا ہے بعض نے کہا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی قبور مطہرہ پر اب بھی نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے۔ اگر ان کے نزدیک انبیاء کرام علیہم السلام اپنی آرامگاہ میں بجسدہ ور وحہ زندہ ہیں تو نماز جنازہ کے جواز کا مطلب؟ نماز جنازہ تو اس پر پڑھی جاتی ہے جو وفات پائے زندہ شخص پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی جو تہہ خانہ میں عزلت نشینی میں اپنی زندگی بسر کر رہا ہو اور خود بھی نمازیں پڑھ رہا ہو اور لوگوں سے مخفی رہ کر حج بھی کر آتا ہو۔

الغرض لفظ "قبورہم" اور دلیل میں ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء کا پیش کرنا اور فقہاء کا انبیاء کی قبور پر نماز جنازہ کے جواز کا حکم لگانا یہ سب قرائن ہیں اس امر کے کہ انبیاء کرام علیہم السلام دنیا کے اعتبار سے اموات ہیں بوجہ حلول

ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے اعزاز و اکرام و احترام کی وجہ سے زمین پر ان پاکبازوں کے مقدس و مطہر و معطر اجسام کا کھانا حرام کر دیتا ہے اور ارواحِ طیبہ رفیقِ اعلیٰ ملأ اعلیٰ اعلیٰ علیین میں حمد و ثناء الٰہی میں مشغول ہیں اور برزخی روزی ان کو دی جاتی ہے اور ان کا ادراک شعور و سمع و بصر اور سمجھ وغیرہ تمام قویٰ اقویٰ و اتم ہیں

میرے اس قول کی دلیل کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات دلالۃ النص سے ثابت ہے وہ عبارت ہے جو محترم جناب مولانا صاحب نے تسکین الصدور طبع ۲ ص: ۲۳۰ میں بحوالہ الرسالۃ القشیریہ صفحہ ۱۰ طبع کراچی کی یہ بات نقل فرمائی کہ حضرت امام ابوالحسن اشعریؒ اور ان کے اصحاب سے جو حکایت نقل کی گئی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں نبی نہیں اور نہ وفات کے بعد رسول ہیں (معاذ اللہ) تو یہ بہتان عظیم ہے اور خالص جھوٹ ہے اور ان میں سے کسی ایک نے بھی یہ بات نہیں کہی اور نہ کسی مجلسِ مناظرہ میں ان سے سنی گئی ہے اور نہ ان کی کسی کتاب میں اس کا ثبوت ہے اور یہ بات ان سے بھلا کیسے ثابت ہو سکتی ہے جب کہ ان کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور ہرگز ان لوگوں کے بارے میں جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قتل کئے گئے یہ خیال نہ کرنا کہ وہ مُردہ ہیں بلکہ وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اس ارشاد میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ شہداء زندہ ہیں۔ جب شہداء زندہ ہیں تو حضرات انبیاء علیہم السلام بطریق اولیٰ زندہ ہیں کیونکہ شہادت کا رتبہ نبوت کے رتبہ سے قاصر ہے

دیکھا انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ثابت کرنے کے لئے شہداء کی حیات والی آیت پیش فرمائی اور پھر فرمایا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام بطریق اولیٰ زندہ ہیں۔ اسی طریق سے استدلال کرنے کو اہل اصول استدلال بدلالۃ النص کہتے ہیں

مگر یہ دلالت النص سے انبیاء کیلئے وہی حیات ثابت ہوگی جو شہداء کے لئے ثابت ہے نہ کہ اس کے مغائر اور ظاہر ہے کہ شہداء کے لئے تو حیات برزخی ہے نہ حیات دنیوی تو انبیاء کے لئے بھی وہی برزخی حیات ہوگی نہ دنیوی حیات ورنہ نہ تشبیہ صحیح ہوگی اور نہ دلالۃ النص کے ذریعے استدلال

او حدیث شریف میں صرف مطلق حیات ثابت ہے سو اس کا منکر اور ہی کوئی ہوگا اہل حق میں سے کوئی بھی منکر نہیں۔ مگر مطلق حیات سے آپ کا مدعیٰ خاص حیات دنیویہ حسیہ حقیقیہ کیسے ثابت ہو سکتا ہے جب کہ محترم جناب مولانا صاحب اپنی پہلی کتابوں میں بریلویوں کے اعتراضوں کے جواب میں خود فرماتے رہے ہیں کہ مدعیٰ خاص کے لئے دلیل عام درست نہیں ہے

ایک اور انداز سے

نیز الانبیاء میں اَلْ عہدی ہے یا جنسی یا استغراقی اگر استغراقی نہیں تو عیسےٰ م بھی نبی ہیں کیا نعوذ باللہ ان کو بھی حیٰ فی قبرہٖ کا عقیدہ رکھیں گے ؟ اور بعض علماء کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت خضر بھی ابھی فوت نہیں ہوئے اور بعض کی تحقیق کے مطابق وہ نبی ہیں اسی طرح حضرت الیاس نبی کے بارے بھی بعض کا خیال ہے کہ وہ زندہ ہیں تو ان علماء کے بارے کیا حکم ہے نیز خود آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے ارشاد گرامی ہے لَوْ کَانَ مُوْسٰی حَیًّا وَاَدْرَکَ نُبُوَّتِیْ لَاتَّبَعَنِیْ رواہ الدارمی (مشکوٰۃ ص ۳۰) یعنی اگر موسیٰ علیہ السلام اب زندہ ہوتے اور میری نبوت کا زمانہ پالیتے تو بے شک وہ میری اتباع کرتے ایک جگہ فرمایا لوکان موسیٰ حیا ما وسعہ الا اتباعی رواہ احمد والبیہقی (مشکوٰۃ ص ۳۲) اگر حضرت موسےٰ زندہ ہوتے تو میری پیروی کئے بغیر انہیں گنجائش نہ ہوتی اور قواعد نحو کے رو سے موسیٰ م کی حیات کی نفی پر یہ حدیث دال ہے اور مطلق حیات کا لفظ بول کر دنیوی حیات مراد ہوتی ہے پس اس حدیث سے دنیوی حیات کی نفی ثابت ہوئی کیونکہ یہی متبادر ہے نیز برزخی حیات کی نفی اس لئے بھی اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتی کہ احادیث صحیحہ متواترہ سے آپ کی برزخی حیات ثابت ہے۔ دیکھیں معراج کی رات آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چھٹے آسمان پر آپ ملے۔ مگر وہ ملاقات جسد عنصری کے ساتھ نہ تھی نیز لاتبعنی کا لفظ بتاتا ہے کہ دنیوی حیات کی نفی ہے کیونکہ اتباع کا وجوب مکلف ہونے کو مقتضی ہے جو صرف دنیوی زندگی میں ہوتا ہے۔

کلیہ ٹوٹتا ہے

اب اگر الانبیاء احیاء فی قبورہم کو کلیہ بنائیں تو حضرت عیسیٰ و موسیٰ م کے ساتھ اور عند البعض حضرت خضر و الیاس کے ساتھ نیز حضرت آدم م و ابراہیم و یحیٰی م و ہارون م کے ساتھ کلیہ ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی و رسول ہیں اور بنفس نفیس آسمان پر بجسدہ و جسمہٖ زندہ تشریف فرما ہیں اور قیامت سے پہلے زمین پر دوبارہ تشریف لائیں گے دجال کو قتل کریں گے شادی کریں گے ان کی اولاد ہوگی کچھ سال حکومت کر کے فوت ہوں گے مسلمان ان کا نماز جنازہ پڑھیں گے اور حضرت نبی اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقبرہ میں دفن ہوں گے۔

اسی طرح پہلے آسمان پر آدم م تیسرے پر یونس م چوتھے پر ادریس م پانچویں پر ہارون م چھٹے پر موسیٰ م ساتویں پر ابراہیم م سے ملاقات ہوئی۔ کیا ان کے اجساد عنصریہ وہاں تھے یا ارواح تھے۔ اگر اجساد عنصریہ وہاں تھے تو قونوی کا مذہب سچا ہوتا ہے جو کہتا ہے کہ انبیاء کو جب قبور میں دفن کیا جاتا ہے تو چالیس دن نہیں گزرنے پاتے کہ ان کے اجساد طیبہ کو قبور سے

نکال کر آسمان میں لے جایا جاتا ہے لیکن یہ مذہب تو صریح غلط ہے تو لازماً کہنا پڑے گا کہ اجساد طیبہ انبیاء کرام علیہم السلام کے حضرت عیسیٰ کو مستثنیٰ کر کے اپنی اسی زمین کی قبور میں مدفون ہیں اور ان کے ارواح طیبہ عالم بالا میں ہیں وھو المطلوب اور وہی حیات برزخیہ ہے اور دنیا کے اعتبار سے وہ سب اموات میں داخل ہیں اسی لئے آپ نے فرمایا لوکان موسیٰ حیا ماوسعہ الا اتباعی، لوکان موسیٰ حیاً وادرک نبوتی لاتبعنی

یہ حدیث صحاح ستہ میں کیوں نہیں؟ اور وفات والی کیوں ہیں؟

نیز الانبیاء احیاء فی قبورہم الحدیث کو صحاح ستہ کے مؤلفین نے اپنی کتب صحاح میں کہیں جگہ نہیں دی۔ اور بخلاف اس کے باب وفات النبی منعقد کر کے وفات النبی کی احادیث بے تحاشا لاتے ہیں ذرا جھجک محسوس نہیں کرتے اور ۵۰ سے زائد صحابہ کرام آپ کو "میت" کے لفظ سے تعبیر کرنے میں ڈر محسوس نہیں کرتے اور روایات بھی مضبوط اور اصول حدیث کی رو سے صحیح لذاتہا ہیں اور پہلی دوسری اور تیسری صدی کے محدثین مجتہدین میں مشہور و معروف رہیں

اور الانبیاء احیاء فی قبورہم نہ عہد صحابہؓ میں مشہور و معروف تھی نہ عہد تابعینؒ و تبع تابعینؒ میں اور یہی تینوں عہد مشہود لہا بالخیر علی لسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں صرف ابو یعلیٰؒ متوفی ۳۰۷ھ اس حدیث کو روایت کرتے ہیں۔ اور بیہقیؒ کی سند میں بھی یہی محدث ہیں پھر ان کے شیوخ کے بارے میں آپ جس قدر توثیق بیان کرنے میں سعی تام فرمائیں پھر بھی بعض علماء محدثین کی جرح سے انکار تو نہیں کیا جا سکتا اگرچہ جرح کرنے والے اہل استقراء تام یہ پندرھویں صدی کے علماء وہم کا وہم کریں عقیدہ کی بنیاد اس پر کیسے رکھی جا سکتی ہے خاص کر کے جب حیات کی تشریح بھی نہ ہو کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ قبورہم کے قرینہ سے حیات سے مراد برزخی ہے نہ دنیوی۔ کیونکہ دنیوی حیات خواہ کس قدر ضعف سے اضعف ہو جیسے سکتہ کا مریض قبر میں کوئی اسے دفن نہیں کرتا۔ قبریں زندوں کی نہیں ہوتیں سو اصل عبارت یوں ہوتی الانبیاء احیاء فی بیوتہم تب اسکا مفاد معنے بر کوئی سمجھ لیتا کہ حیاۃ دنیوی ہے۔ لیکن فی قبورہم کے لفظ سے تو کسی طرح حیاۃ دنیوی مفہوم نہیں ہوتی ہاں یہ بات سمجھ میں آ سکتی ہے کہ احیاء بمعنی صحیح سلامت اور تر و تازہ ہے اور اسے سب تسلیم کرتے ہیں

اس حدیث کو طبقہ ثالثہ کے مصنفین نے لیا ہے

نیز ابو یعلیٰ طبقہ ثالثہ کے محدثین میں سے ہے جس کے متعلق حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلویؒ نے عجالہ نافعہ میں جو کچھ

فرمایا ہے وہ محترم جناب مولنا صاحب سے مخفی نہیں۔ خود بریلویوں کے استدلال کا جواب کتب سابقہ میں بڑی تصریح کے ساتھ لکھ چکے ہیں۔ میری کیا مجال ہے آپ کے بارے کچھ کہوں لیکن اگر کوئی من چلا آپ کی سابقہ کتب میں بریلوی اعتراضات کے آپ کی طرف سے دئے گئے جوابات دیکھنے کے بعد آپ کی تسکین الصدور کا مطالعہ کرے گا تو اس کے دل میں یہی خیال گھومے گا کہ اب ایسا لگتا ہے کہ آپ بریلوی طرز اختیار کر چکے ہیں۔ اب ہم ان بریلویہ کے اعتراضات کا کیوں کر جواب دیں۔

ابن ماجہ جیسے نے بھی یہ حدیث نہیں لی

نیز ابن ماجہ ایسے محدث ہیں جنہوں نے لا مہدی الا عیسیٰؑ حدیث بیان کی جسے مرزائیوں نے خوب ہوا دی۔ اور اپنے تنبی مرزا کو اس کو اسی حدیث کی رو سے مہدی بھی مانتے ہیں اور عیسیٰ بھی کہ مہدی و عیسیٰ دو الگ الگ شخصیتیں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی ہستی ہے اسی کو مہدی اور اسی کو عیسیٰ کہتے ہیں حالانکہ یہ روایت موضوع ہے جیسے خاتم مجمع البحار ص ۵۱۹ میں محمد طاہر فتنی رحمہ اللہ نے لکھا (قال) الصغانی لا مہدی الا عیسیٰ بن مریم موضوع اسی طرح تذکرۃ الموضوعات ص میں لکھا الحاوی ج ۲ ص ۲۴۴ میں امام سیوطیؒ نے لکھا قال القرطبي في التذكرة اسناده ضعيف اسی طرح ص ۸۵، ۸۶ میں لکھا ابن خلدون نے اپنی تاریخ ص ۵۰۱ میں لکھا انہ ضعیف و مضطرب۔ الحافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری ج ۶ ص ۳۵۸ میں لکھا دیہ معارض للاحادیث الصحیحۃ (صحیح حدیثوں کے ساتھ ٹکراتی ہے) اقتباس الانوار ص ۵۲، ۷۲ میں ہے بنایت ضعیف ہے مصباح الزجاجہ حاشیہ ابن ماجہ میں ہے کہ ذہبیؒ نے کہا ہے یہ حدیث منکر ہے اس کا راوی یونس بن عبد الاعلیٰ متفرد ہے یعنی وہ اکیلا امام شافعیؒ سے روایت کرتا ہے اس کے سوا کوئی شاگرد امام شافعیؒ سے روایت نہیں کرتا اور یونس نے امام شافعی سے نہیں سنا۔ بغیر سننے کے روایت کر دی پھر اس سند میں ایک اور راوی ابان بن صالح ہے اگرچہ اسے صدوق کہتے ہیں مگر اس کا سماع حضرت حسن سے ثابت نہیں نیز اسی سند میں ایک اور راوی محمد بن خالد جندی ہے جو منکر الحدیث ہے اور حاکم نے اسے مجہول بتایا؛ نیز حضرت مہدی کے جو اوصاف احادیث میں آئے ہیں بالیقین ان سے مہدی اور عیسیٰؑ کا تغایر ثابت ہوتا ہے جیسے حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے فتاویٰ امدادیہ ج ۴ ص ۲۲۳، ۲۲۴ میں لکھا ہے

اور اسی طرح اس حدیث کو اپنی کتاب کی زینت بنایا ہے جس میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پالتو بکری چارپائی کے نیچے رکھے ہوئے قرآنی اجزاء میں سے کچھ حصہ کھا گئی حالانکہ اس میں مرکزی راوی عبد الاعلیٰ و محمد بن اسحاق جیسے

موجود ہیں اور اس حدیث کو اہلِ تشیع سٹیجوں پر اور مناظروں میں بڑے چیلنجوں کے ساتھ پیش کرتے رہتے ہیں۔ اور اسی طرح ابن ماجہ نے اور بھی کئی منکر موضوع شاذ وغیرہ ضعاف کو اپنی کتاب میں جگہ دی ہے

مگر باوجود اس کے الانبیاء احیاء فی قبورہم کو کہیں بھی جگہ نہ دی۔ جب کہ باب ذکر وفاتہ ودفنہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا اور اس حدیث میں ابو یعلیٰ کا شیخ الازرق بن علی ہے جس کے متعلق حضرت محترم نے فرمایا کہ "وہ سچے راوی ہیں اور غریب حدیث لاتے ہیں۔ فن روایت میں راوی کے لئے سب سے بڑھ کر جس صفت کی ضرورت ہے وہ اس کی صداقت ہوتی ہے اس کے دیگر فروع کے اور یہ صاحب اس صفت سے متصف تھے" (تسکین الصدور ص ۲۱۱)

صاحب تسکین کے شاگرد کے قول کی دلالت اس امر پر کہ یہ حدیث موضوع ہے

اول تو محترم نے صدوق والی صفت کو بہت اونچا کر کے دکھایا ہے حالانکہ راوی کی یہ توثیقی صفت چوتھے نمبر پر ہے گویا تھوڑے نمبر سے بھی نیچے ہے خاص کر جب اس کی عادت غریب حدیث لانے کی ہو تو اور درجہ نیچے ہو جائے گا

نیز صدوق کا قول ضروری نہیں ہے کہ دلیل میں پیش کیا جا سکے چنانچہ مثال کے طور پر ایک ہی بات دیکھیں کہ علامہ بیہقی رحمہ اللہ نے کتاب القراءۃ ص ۱۱۰ میں فرمایا "قال یحییٰ بن معین ابو خالد الاحمر صدوق ولیس بحجۃ" یعنی یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ ابو خالد الاحمر صدوق (سچے) تو ہیں مگر ان کا قول حجت نہیں بن سکتا۔

نور الصباح ص ۱۳۹ میں بحوالہ تقریب التہذیب ص ۱۰۱ طبع نولکشور حسان بن ابراہیم کے بارے لکھا صدوق یخطئ یعنی اگرچہ سچا ہے مگر خطا کرتا ہے

شاید یہی وجہ ہے کہ محترم نے بین القوسین "مع دیگر شروط کے" الفاظ بڑھا دیئے۔ اور انہیں علم ہے کہ الازرق بن علی میں "صدوق" ہونے کے ساتھ وہ شروط نہیں پائی جاتیں جن کے ہوتے ہوئے ان کی روایت معمول بہا ہے کیونکہ نور الصباح ص ۱۳۹ میں لکھا کہ سچا تو ہے مگر اپنی روایت میں منفرد ہوتا ہے" اور روایت کو رد کرنے کی ایک وجہ یہ بھی کہ اس کا راوی ازرق بن علی ہے۔ اب یہ کیا وجہ ہے کہ اس راوی کی وجہ سے معوذتین کے قرآن میں سے نہ ہونے کی وجہ سے تو موضوع ہو مگر الانبیاء احیاء فی قبورہم کی حدیث سولہ آنے صحیح ہو اگرچہ اس کا راوی ازرق بن علی ہو۔

ابن حجر کی تصحیح کا جواب

فرماتے ہیں کہ ابن حجرؒ نے اس کی تصحیح کی ہے۔ سو اس کا جواب نور الصباح ص ۱۴۰ میں یہ دیا کہ حافظ ابن حجرؒ پر تعجب آتا ہے کہ وہ ایسی غلط روایات کو صحیح کہتے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون

نیز اگر مان لیں کہ حدیث صحیح ہے تو یہ کوئی ضروری نہیں کہ ہر حدیث صحیح معمول بہ ہو بخاری مسلم کی صحیح احادیث میں کئی ہیں جن پر حنفیہ کا عمل نہیں بعض پر شافعیہ کا عمل نہیں بعض پر مالکیہ کا عمل نہیں اور بعض پر حنابلہ کا عمل نہیں اور بعض پر عام محدثین کا عمل نہیں

کالشہداء کا مطلب

نیز کالشہداء کا مطلب ظاہر ہے اور شہداء کی حیات بالاتفاق برزخی ہے نہ دنیوی جیسے حضرت نانوتویؒ نے فرمایا ہے اور شرح شفاء ج ۲ ص ۱۴۲ میں عند ربہم کی قید ہے اور کہا تحب القلب عرشیون وحجب القالب فرشیون (یعنی روح کے اعتبار سے عرشی ہیں اور جسم کے اعتبار سے فرشی ہیں) اور محترم نے تسکین الصدور ط ۲ ص ۲۲۳ میں نقل فرمایا اور شارح ہ نے اس مسئلہ کو بہت واضح فرمایا کہ انبیاء اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں (نہ اہل دنیا کے ہاں) اور ان کے ارواح کا عالم علوی اور سفلی دونوں سے تعلق ہوتا ہے جیسا کہ دنیا میں تھا الخ یہاں کما کانوا فی الحال الدنیوی کہہ کر سمجھا گئے کہ حال برزخی انبیاء کا مثل حال دنیوی کے ہے اور تعلق سے مراد توجہ کے ہیں یعنی آپ کی دنیوی زندگی میں بھی آپ کے دل کا لگاؤ عرش کے ساتھ تھا گو روح مع الجسد آپ روئے زمین پر تشریف فرما تھے اور اب برزخی حیات میں آپ کی روح مبارک عرش پر ہے اور آپ کے دل کا لگاؤ جسد عنصری کے ساتھ ہے

حضرت صوفی صافی مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ نے اپنی مثنوی کے دفتر چہارم ص ۳۸۶ میں فرمایا

قابل تغییر او صاف تن است　　　　روح باقی آفتاب روشن است

یہ تو اولیائے کرام کی بات بتائی۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام کے تن کے اوصاف بھی قابل تغیر نہیں

حدیث ابی یعلی کو صحیح مان کر اس کا مفہوم صحیح اصول فقہ کے رد سے

اصول فقہ والے مفسر کی مثال بیان کرتے ہیں تزوجت فلانۃ شہرًا بکذا میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا ایک مہینے تک بعوض اتنے مہر کے۔ بتاتے ہیں کہ تزوجت کا لفظ ظاہر ہے کہ اس سے مراد عام متعارف نکاح ہے لیکن متعہ کا احتمال ہو سکتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ متکلم نے تزوجت کے لفظ سے متعہ مراد لیا ہو پھر جب شہرًا (ایک مہینہ تک) کا لفظ بولتا ہے تو متکلم اپنی مراد کی تفسیر کر دیتا ہے جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ متکلم کی مراد تزوجت سے متعارف معنے تزوج کے (نکاح والے) مراد نہیں ہیں بلکہ متعہ مراد ہے۔

بالکل اسی طرح الانبیاء احیاء فی قبورہم ہے کہ احیاء کے لفظ سے بظاہر دنیوی متعارف زندگی معلوم ہوتی ہے لیکن احتمال ہے غیر دنیوی زندگی کا کہ شاید اس حیات سے کوئی اور قسم کی حیات ہو۔ پھر جب آپ نے فی قبورہم فرمایا تو اس نے آپ کی مراد کی تفسیر فرما دی کہ اس حیات سے حیات دنیوی عرفی عنصری مراد نہیں بلکہ اس سے مراد ہے حیات قبوری یعنی حیات برزخی؛ تو جیسے شہرًا تفسیر ہے تزوجت کی کہ نکاح مراد نہیں متعہ مراد ہے۔ اسی طرح فی قبورہم تفسیر ہے احیاء کی کہ دنیوی زندگی مراد نہیں عنصری مراد نہیں، برزخی اور قبوری زندگی مراد ہے۔

دنیا میں شہر میں رہتے ہیں اور بعض دیہات میں رہتے ہیں۔ شہر کے باشندوں کی شہری زندگی کہلاتی اور دیہات میں رہنے والوں کی دیہاتی زندگی کہلاتی ہے۔ شہری کو دیہاتی نہیں کہتے دیہاتی کو شہری نہیں کہتے اور بالکل اسی طرح دنیا میں رہنے والے کی دنیوی زندگی ہے اور برزخ میں رہنے والے کی برزخی زندگی ہے تو جس طرح شہری کو دیہاتی اور دیہاتی کو شہری نہیں کہہ سکتے اسی طرح دنیا میں رہنے والے کو برزخی حیاۃ والا نہیں کہہ سکتے اور برزخ میں رہنے والے کو دنیوی حیاۃ والا نہیں کہہ سکتے

یاد رہے کہ مفتی مہدی حسنؒ نے بجسدہٖ زندہ فرمایا۔ بجسدہٖ و روحہٖ نہیں فرمایا۔ آخر اس میں کیا نکتہ ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فیض القدیر الحی

فی رد خبر

من صلی علی عند قبری سمعتہ

قال شیخ الاسلام ابن تیمیة رح فی مجموع الفتاوی ۲۷/۲۴۱ واما حدیث
من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیا ابلغتہ فهو موضوع

ناشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ مبارکاً علیہ کما یحب ربنا ویرضاہ اللھم صل علی محمد النبی الامی وعلیٰ آلہ و ازواجہ وذریاتہ واھل بیتہ واصحابہ وعلینا معھم اجمعین آمین یارب العٰلمین

امابعد اب ہم اس خبر میں غور وفکر کرنا چاہتے ہیں جو باوجود موضوع ہونے کے عوام اور علماء اور محدثین وغیرہم کے نزدیک اس قدر شہرت پذیر ہوگئی ہے کہ اتنی شہرت دوسری صحیح احادیث کی بھی نہیں۔ جیسے لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الافلاک زبان زدِ ہر خاص وعام ہے حالانکہ یہ ترکیب فصحاء عرب کے نزدیک ساقط الاعتبار ہے اور پھر طرّہ یہ ہے کہ یہ حدیث قدسی بتائی جاتی ہے حقیقت یہ ہے کہ اس کو حدیث کہنا اور پھر افصح العرب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کو منسوب کرنا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہے کہ والعیاذ باللہ آپؐ کو فصیح عربی بولنا نہیں آتا تھا اور راقم الحروف نے اس کی تردید میں ایک مستقل رسالہ **تحقیق النجاۃ** کے نام سے لکھ کر شائع کر دیا ہے۔

اسی طرح یہ خبر بھی ہر خاص وعام کی زبان پر ازبر ہے۔ جس کو کلمہ طیبہ بھی صحیح پڑھنا نہیں آتا نہ اس کے معنے سمجھتا ہے اور نہ ایمان کی شرطوں سے واقف ہے نہ ایمان کی صفتوں کا اسے علم ہے وہ بھی نماز سے پہلے پوچھتا ہے کہ تمہارا کیا عقیدہ ہے قبر نبیؐ کے پاس درود پڑھا جائے تو حضورؐ سنتے ہیں یا نہ؟ اگر کہو کہ سنتے ہیں تب تو ہماری نماز تمہارے پیچھے ہوگی ورنہ نہ

اس واسطے ہمارا فرض ہے کہ حقیقتِ حال سے آگاہ کر دیں تاکہ منیب لوگوں کے ذہن قبول کریں۔ اور ضدی لوگوں کی تو عادت ہی یہی رہتی ہے کہ حق بات میں خواہ مخواہ توجیہات باطلہ کاسدہ داحضہ کرتے ہیں اور عوام کو اہلِ حق سے متنفر کرتے رہتے ہیں حجتھم داحضۃ عند ربھم وعلیھم غضب ولھم عذاب شدید

بحث نمبر ۱

فیض القدیر الحیؒ
فی رد خبر
من صلی علیؐ

محترم مولٰنا نے تسکین الصدور طبع ۲ ص ۳۱۸ میں حیات النبیؐ ثابت کرنے کے لئے چھٹی دلیل بیان فرمائی اور اس کا ایک ایک راوی لکھ کر حاشیہ میں اس کی توثیق بیان فرمائی

اور وہ حدیث ص ۳۱۹ میں لکھی من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیا اعلمتہ جس نے میری قبر کے پاس درود پڑھا تو میں اسے خود سنتا ہوں اور جس نے مجھ پر دور سے درود شریف پڑھا تو وہ مجھے بواسطہ فرشتوں کے بتلایا جاتا ہے

چنانچہ تسکین الصدور طبع ۲ ص ۳۱۸ میں عبدالرحمن بن احمد الاعرج کی توثیق بیان فرماتے ہوئے اور اس راوی کے مجہول ہونے کا جواب اس طرح ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ" ان کا مکمل نام عبدالرحمن بن احمد بن یزید الزہری ہے۔ کنیت ابو صالح اور لقب الاعرج ہے ۳۰۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ امام ابو نعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی المتوفی ۴۳۰ھ نے تاریخ اصبہان ج ۲ ص ۱۱۳ طبع لندن میں ان کا تذکرہ کیا ہے اس سے علاوہ امام ابوالشیخ اصبہانی کے القاضی ابو احمد محمد بن احمد بن ابراہیم بھی روایت کرتے ہیں (ملاحظہ ہو تاریخ اصبہان ج ۲ ص ۱۱۳)

یہ عبارت پڑھ کر قدرتی طور پر دل میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ حافظ ابوالشیخ اصبہانی رحمہ اللہ کا براہ راست استاذ

ہو کر اس قدر گمنام کیوں ہے جس کا تذکرہ اسماء الرجال کی کسی متداول کتاب میں نہیں ملتا اگر بڑی تلاش کے بعد ملا بھی تو صرف تاریخ اصبہان مؤلفہ ابونعیمؒ سے۔ وہاں سے بھی صرف یہ معلوم ہوا کہ اس کے شاگرد اس کی ساری زندگی میں کل دو ہوئے۔ تو ایسے مجہول راوی کی روایت کس طرح دلیل میں پیش کی جاسکتی ہے خصوصاً باب عقائد میں

تو اسی سوال کا جواب دیتے ہوئے محترم جناب مولنا صاحب یہ ارشاد فرماتے ہیں" اور مشہور محدث امام دارقطنیؒ المتوفی ۳۸۵ھ لکھتے ہیں کہ جب کسی کو دو سے زیادہ راوی کسی سے روایت کریں تو وہ جہالت کے دائرہ سے نکل جاتا ہے اور جب یہ صفت اس میں پائی جائے تو وہ مجہول نہیں رہتا بلکہ معروف ہو جاتا ہے (الدارقطنی ج۲ ص۳۶۱) پھر فرمایا امام دارقطنیؒ کے اس ضابطہ کے مطابق عبدالرحمٰن بن احمد بن الاعرج (؟) مجہول نہیں بلکہ معروف ہے

الجواب — صاحب تسکین خود اپنے آئینہ میں

نیلوی کہتا ہے کہ محترم جناب مولنا صاحب اس ابھرنے والے سوال کا جواب دینے میں اپنے مد مقابل عالم اہل حدیث مبارک پوری صاحب رحمہ اللہ کا طریقہ چلے ہیں۔

محترم جناب مولنا صاحب کے اس قول پر کہ "نافع بن محمود مجہول ہے" مبارک پوری صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ نافع سے مکحول اور حرام بن حکیم روایت کرتے ہیں لہٰذا یہ مستور (مجہول) نہ ہوں گے

اب اس کا جواب ہم اپنی طرف سے نہیں دینا چاہتے کیونکہ ممکن ہے آپ برا منائیں۔ ہم بعینہ وہی جواب نقل کرتے ہیں جو آپ نے مبارک پوری صاحبؒ کو دیا ہے چنانچہ احسن الکلام ص۹۱ ج۲ میں فرماتے ہیں

امام ابن حبانؒ اور دارقطنیؒ کا توثیق رجال کے بارے میں مسلک ہی جمہور محدثینؒ سے الگ ہے۔ جمہور تو یہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی راوی سے دو راویوں نے روایت کی ہو اور اس کی توثیق کسی سے ثابت نہ ہو (حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ منفرد یا غیبت کا اہل ہو اور اس کی توثیق کرے تو صحیح قول پر وہ ثقہ ثابت ہو جائے گا۔ شرح نخبۃ الفکر ص ۔ میں اسی قول کے رد میں لکھا ہے کہ الصحیح الذی علیہ اکثر العلماء من اہل الحدیث وغیرہم انہ لا تقبل مطلقاً کہ اکثر محدثین وغیرہم کے نزدیک مطلقاً یہ توثیق مطلقاً غیر مقبول ہے) تو وہ مجہول اور مستور ہی رہتا ہے چنانچہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ اگر کسی شخص سے دو یا دو سے زیادہ راوی روایت بیان کریں اور اس کی توثیق نہ کی گئی ہو تو وہ مجہول الحال ہے اور وہی مستور کہلاتا ہے۔ اور امام ابن الصلاحؒ (المتوفی ۶۴۳ھ)

نے پہلے دو راویوں کے عادل ہونے کی قید بھی لگائی ہے (شرح شرح نخبۃ الفکر ص۱۵۵ طبع مصر)۔ لیکن امام ابن حبانؒ اور دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے دو راویوں سے روایت کی ہو تو وہ مجہول نہیں رہتا اور اس کی عدالت ثابت ہو جاتی ہے چنانچہ امام دارقطنیؒ لکھتے ہیں کہ وارتفاع اسم الجہالۃ عنہ ان یروی عنہ رجلان فصاعدا فاذا کان ہذہ صفتہ ارتفع عنہ اسم الجہالۃ و صار حینئذ معروفا اھ (دارقطنی جلد ۲ ص۱۷۴) راوی سے جہالت کا اسم اس وقت اٹھتا ہے جب کہ اس سے دو یا دو سے زیادہ راوی روایت کریں جب ایسا ہو تو اس سے جہالت کا نام مرتفع ہو جاتا ہے اور وہ راوی معروف ہو جاتا ہے

اور علامہ سخاویؒ (المتوفی ۹۰۲ھ) نے ان کا مسلک یوں نقل کیا ہے من روی عنہ ثقتان فقد ارتفعت جہالتہ وثبتت عدالتہ جس شخص سے دو ثقہ راوی روایت کریں تو اس سے جہالت رفع ہو جاتی ہے اور اس کی عدالت ثابت ہو جاتی ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ جمہور کے نزدیک اس صورت میں راوی اگرچہ مجہول العین نہیں رہا مگر مجہول الوصف اور مجہول الحال بدستور رہیگا۔ لیکن امام دارقطنیؒ وغیرہ کے نزدیک باوجود مستور اور مجہول الحال ہونے کے وہ عادل ہو جاتا ہے اور اس کی حدیث حسن، صحیح اور جید ہو جاتی ہے۔ اور جمہور نہ تو اس کو ثقہ اور عادل تسلیم کرتے ہیں اور نہ اس کی روایت کو قبول کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ خطیب الشافعیؒ (المتوفی ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ ایسے مجہول راوی سے دو راویوں کی روایت کر لینے سے اس کی عدالت ثابت نہیں ہو سکتی اور ایک قوم نے (مثلاً ابن حبان اور دارقطنی وغیرہ) یہ خیال کیا ہے کہ اس طرح اس کی عدالت ثابت ہو جائے گی۔ مگر ہم ان شاء اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس قول کا فساد اور بطلان ذکر کریں گے۔

اور جو مسلک امام دارقطنیؒ کا ہے سو وہی نظریہ امام ابن حبانؒ کا ہے۔ چنانچہ اس کی تصریح موجود ہے کہ وتبعہ ابن حبان اذ العدل عندہ من لا یعرف فیہ الجرح (شرح شرح نخبۃ الفکر ص۱۵۵) ابن حبان بھی اسی نظریہ کے حامی ہیں کیونکہ ان کے نزدیک بھی ثقہ وہ ہے جس پر کوئی جرح معلوم نہ ہو۔ علامہ ذہبیؒ عمارۃ بن حدیدؒ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں انہ مجہول ولا تغتر بذکر ابن حبان لہ فی الثقات فان قاعدتہ معروفۃ من الاحتجاج بمن لا یعرف (میزان جلد ۲ ص۲۳۴) وہ مجہول ہے اور اس پر خوش مت ہو کہ ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے اس لئے کہ اس کا قاعدہ ہی یہ مشہور ہے کہ وہ مجہول راویوں سے بھی احتجاج کر لیتے ہیں۔ اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں ویحیی الکندی غیر معروف ذکرہ البخاری وابن ابی حاتم ولم یذکرا فیہ جرحا وذکرہ ابن حبان فی الثقات کعادتہ فیمن لم یجرح (فتح الباری ج۲۱ پ ص۵۵ باب ما یحل من النساء وما یحرم) یحیی الکندی مجہول ہے۔ امام بخاریؒ اور ابن ابی حاتمؒ نے اس کا ذکر کیا ہے لیکن اس پر انہوں نے جرح ذکر نہیں کی۔ اور ابن حبانؒ نے اس کو ثقات میں لکھا ہے جیسا کہ ان کی عادت

ہے کہ جن راویوں پر جرح نہیں ہوتی وہ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔

ان تمام ٹھوس حوالوں سے یہ امر ثابت ہو گیا کہ جس راوی کو امام دارقطنیؒ اور امام ابن حبانؒ ثقہ اور عادل کہتے ہیں وہ جمہور کے نزدیک بدستور مجہول الحال اور مستور رہتا ہے الخ (احسن الکلام ص۹۳ ج۲)

لیکن اب کیا ہو گیا

نیلوی کہتا ہے کہ یہ راوی جس کا تذکرہ ہم کر رہے ہیں یعنی عبدالرحمٰن بن احمد الاعرج جس کی وفات امام دارقطنیؒ سے پہلے ۳۰۳ھ میں ہو چکی ہے امام دارقطنیؒ نے اپنی تصانیف میں کہیں ان کا ذکر نہیں فرمایا محض ان کے بیان کردہ قاعدہ کو مدنظر رکھ کر ثقہ کا حکم لگایا مگر جمہور اس کی ثقاہت و عدالت نہیں مانتے جس کا اقرار خود محترم جناب مولٰنا صاحب نے احسن الکلام میں فرمایا اور آپ ان کا بیان ابھی ابھی پڑھ چکے ہو۔ اب معلوم نہیں کہ تسکین الصدور میں آپ کا نظریہ جمہور کے خلاف اور امام دارقطنی اور ابن حبان کے موافق کیوں ہو گیا

مولٰنا کی ایک اور چال

پھر فرماتے ہیں کہ حافظ ابن حجرؒ اور امام سخاویؒ وغیرہ محدثین اس حدیث کی سند کو جید کہتے ہیں

نیلوی کہتا ہے کہ جمہور کے قاعدہ کے پیش نظر یہ حدیث صحیح نہیں ہو سکتی کیونکہ ان کے قاعدہ کے مطابق یہ راوی مجہول ہے اور خود محترم جناب مولٰنا صاحب نے احسن الکلام ص۹۵ ج۲ میں فرمایا ہے حافظ ابن ہمامؒ لکھتے ہیں کہ صحیح مسلک یہ ہے کہ مستور کی روایت فاسق کی طرح مردود ہو گی جب تک اس کی عدالت ثابت نہ ہو اس کی حدیث حجت نہیں ہو سکتی۔ امام سراج الدین ہندیؒ حنفی لکھتے ہیں کہ مستور حدیث کے سلسلہ میں باتفاق علماء احناف فاسق کی طرح مردود ہے اس لئے کہ حدیث میں کافی سے زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ (کیا باب عقائد میں احتیاط کی کچھ ضرورت نہیں ہے؟ — نیلوی)

مولٰنا کا اپنا آئینہ

اس قاعدہ کو مدنظر رکھا جائے تو پھر اس حدیث کی سند کو جید کہنا بے قاعدگی نہیں تو اور کیا ہے کہ خود محترم جناب مولٰنا مولوی مبارک پوریؒ کے قول (علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں ورواتہ ثقاۃ (مجمع الزوائد ج۱ ص۱) اس لئے یہ روایت بالکل صحیح ہے) کے جواب میں فرماتے ہیں جواب اگر محض رجالہ ثقات کہنے سے روایت صحیح ہو سکتی ہے تو یہ صحیح ہوگی

ورنہ اس کی صحت پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے اور یہ روایت بھی ضعیف ہے (احسن الکلام صفحہ ۱۱)

عینیہ یہی جواب ہماری طرف سے سمجھ لیں۔ اسی طرح محمد بن اسحاق کے بارے بخاری، شعبہ، ابن مدینی، احمد بن حنبل، عینی و ابن ہمام وغیرہ علماء ائمہ نے جو کچھ فرمایا پھر آپ نے ان سب کا جو جواب دیا وہی یہاں سمجھ لیں

جب بلا دلیل ان کا سندہ جید کہنا صحتِ حدیث کی دلیل نہیں ہے تو ان کے بعد جن حضرات نے اس سند کو جید یا صحیح فرمایا اس میں انہوں نے انہیں پر اعتماد کر کے فرمایا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے مبارک پوری صاحب نے نافع بن محمود کو ذہبی، ابن حبان و دار قطنی کے حوالہ سے ثقہ فرمایا تھا تو آپ نے اس کا لمبا چوڑا جواب دینے کے بعد فرمایا "اور بعد کے جن حضرات نے اس سند کو صحیح یا حسن کہا ہے اس میں انہوں نے اعتماد دار قطنی وغیرہ پر کیا ہے (احسن الکلام صفحہ ۹۴)

خیلوی کہتا ہے کہ ممکن ہے کہ جنہوں نے دار قطنی وغیرہ پر اعتماد کر کے نافع کی حدیث کو صحیح یا حسن کہا ہے وہ قاعدہ میں بھی ان کے ہمنوا ہوں گے۔ لیکن یہاں علامہ ابن حجرؒ و سخاویؒ وغیرہ تو دار قطنی کے قاعدہ کو رد فرماتے ہیں پھر کس بنا پر سند کو جید کہہ سکتے ہیں۔ اگر ان کا جید کہنا تسلیم کر لیں تو پھر اس قاعدہ کا کیا جواب ہوگا۔

بہر حال اگر سند کو جید کہیں تو جمہور کا مسلمہ قاعدہ ٹوٹتا ہے اور اگر جمہور کا قاعدہ مانیں تو سند جید نہیں بن سکتی اور لوگ اس بارے میں یہی کہیں گے هٰذہٖ قضیۃ لا ابا حسن لہا

مولٰنا کی ایک اور چال

پھر صفحہ ۲۲ میں لکھا "ان اکابر محدثین کے (جن میں حافظ ابن حجرؒ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں جن کی تقریب اور تہذیب التہذیب پر آج رُواۃ کی توثیق اور تضعیف کا مدار ہے) بیان سے واضح ہو گیا کہ یہ روایت جید اور صحیح ہے"

شاید یہ جواب ہاس مجہول راوی کی مردود حدیث کو جید اور صحیح بنانے کے لئے صرف اور صرف اسی مقام کے لئے مخصوص ہو ورنہ یہی حافظ ابن حجرؒ ہیں جن کی کتب پر رُواۃ کی توثیق اور تضعیف کا مدار ہے ان کی درگت خود مولٰنا اور ان کے ہم نوا کیا بناتے ہیں۔ چند نمونے ملاحظہ ہوں

مولٰنا کا حافظ ابن حجرؒ کی گت بنانا

(۱) احسن الکلام صفحہ ۳۰ میں فرمایا۔ "حافظ ابن حجرؒ نے نہایت ضعیف اور رکیک تاویلیں کرنے کی بے جا سعی کی ہے تاکہ ابن اسحاق کو قابلِ حجت بنانے کی کوشش کامیاب ہو سکے...... مگر یہ سب کوشش بیکار اور کالعدم ہے"

(۲) زر الصباح ص۳۶ میں لکھا "حافظ ابن حجرؒ کی ایک عبارت میں تین بڑی غلطیاں ملاحظہ ہوں"

(۳) پھر ص۴۳ میں لکھا "حافظ ابن حجرؒ کی ایک عبارت میں ایک اور غلطی"

(۴) پھر ص۶۶ میں فرمایا "امام شافعیؒ کی مدح میں تو حافظ ابن حجرؒ موضوع حدیث بیان کرنے سے دریغ نہیں کرتے اور پھر سکوت کر جاتے ہیں بحوالہ مقدمہ نصب الرایہ ص۶۷ - پتہ نہیں وہ اس صحیح حدیث کو موضوع کیوں کہتے ہیں؛ شاید کہ ان کے امام کے مذہب کے خلاف ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص الحبیر ص ۱۸۱ و درایہ ص ۸۵ میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت بیان کی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری عمر تک رفع یدین کرتے رہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کو ذکر کرکے اس پر مہر سکوت لگائی ہے (کجا رفع یدین وآمین) حالانکہ یہ حدیث موضوع ہے.... معلوم نہیں کہ حافظ ابن حجرؒ کے پاس حدیث پرکھنے کا کونسا آلہ ہے شاید کہ یہی ہو کہ جو حدیث موضوع ان کے امام کی مدح میں ہو اور ان کے مذہب کی تائید کرتی ہو تو وہاں بیان کرنے کے بعد خاموشی اختیار کر لیتے ہیں اور جو حدیث ان کے مذہب کے خلاف ہو اس پر کوئی نہ کوئی جرح کر ڈالتے ہیں،

(۵) پھر ص۲۶۵ میں فرمایا: حافظ ابن حجرؒ پر بہت افسوس آتا ہے کہ وہ اس ضعیف حدیث کے بارے رجالہ ثقات فرماتے ہیں علامہ امیر یمانی غیر مقلد نے سبل السلام میں ص۳۶ حدیث ثامن متعلق مس ذکر و کلب میں حافظ ابن حجرؒ کی خوب خبر لی ہے کہ یہ حدیث منکر اور باطل ہے اس کے رجال ثقات کیسے ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ قصہ تلک غرانیق العلی کو بھی صحیح سمجھتے ہیں (دیکھو فتح الباری ص ۲۳۲ و ۲۳۳ ج ۸) حالانکہ قاضی عیاضؒ و امام نوویؒ اس کو موضوع و باطل قرار دے چکے ہیں اس لئے علامہ احمد محمد شاکرؒ غیر مقلد نے شرح ترمذی ج ۲ ص ۴۶۵ میں حافظ ابن حجرؒ کی خوب خبر لی ہے اور آخر میں فرماتے ہیں وقد اخطأ فی ذلک خطأ وزر لہ وکل عالم زلۃ۔

علامہ سید محمد انور شاہ کا نزاحسن ظن ہے جو ابن حجرؒ کی توثیق کر دی

پھر ص۴۳ میں فرمایا تنبیہ حافظ ابن حجرؒ کا اس روایۃ کے بارے وقوف کمزور ہے کیونکہ سعید بن ابی عروبہ کی روایۃ سے بھی زیادہ مضبوط روایۃ خود نسائی ص ۱۶۵ ج ۱ طبع مجتبائی میں شعبہؒ عن قتادہؒ کے طریق سے مروی ہے۔ البتہ علامہ سید محمد انور شاہؒ نیل الفرقدین ص ۳۲ میں لکھتے ہیں کہ شعبہ کا نسائی کے اندر موجود ہونا غلط ہے جیسا کہ فتح الباری کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے آپ کی اصل عبارت ملاحظہ ہو فی شعبۃ فی النسخۃ غلط. یعلم ذلک من الفتح وقال فیہ وہو اصح ما وقفت علیہ وفیہ الرفع بین السجدتین ایضا الخ مگر علامہ کشمیریؒ کا حافظ ابن حجرؒ کے بارے یہ حسن ظن صحیح نہیں ہے کیونکہ

جس طرح شعبہؒ نسائی میں موجود ہے اسی طرح صحیح ابوعوانہ میں بھی موجود ہے۔ معلوم ہوا کہ شعبہ کا ذکر نہ تو نسائی میں غلط ہے اور نہ صحیح ابوعوانہ میں بلکہ یہ حافظ ابن حجرؒ کا وہم ہے اور علامہ سید کشمیریؒ کا نرا حسن ظن ہے۔ انتہی کلامہٗ

بنلوی کہتا ہے کہ ابن حجرؒ کے بارے میں مندرجہ بالا عبارات جس کی نظر سے گزریں گی اس کے دل میں ابن حجرؒ کے حق میں کیا نظریہ قائم ہوگا؟۔

دوسرا یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ سید انور شاہ صاحبؒ ابن حجرؒ کی بات پر اعتماد بھی کر لیتے تھے۔ اس واسطے محترم جناب مولانا صاحب نے مؤلف ندائے حق کو ان الفاظ کے ساتھ جھاڑ پلائی ہے کہ "مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ اور مولانا عثمانیؒ دورِ حاضر کے محقق علماء میں تھے لکیر کے فقیر نہ تھے خود مؤلف مذکور ندائے حق ص۳۲ میں حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ کو رئیس المحدثین اور ابن حجر ثانی کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں مگر صد افسوس ہے کہ یہی رئیس المحدثین اور ابن حجر ثانی جب کوئی ایسا بیان کرتے ہیں جو مؤلف مذکور کے نظریہ کے خلاف ہوتا ہے جیسے یہاں تو وہ صرف سید محمد انور شاہ صاحبؒ رہ جاتے ہیں اس لئے ان پر کی گئی بے اعتمادی کا بھی اہل حق کے ہاں قطعاً کوئی اعتبار نہیں ہے (تسکین الصدور طبع دوم ص ۲۳۴) صفدر صاحب کے پاس ان اکابر پر نقد کرنے کا وہ کونسا مقیاس ہے

(۶) اور پھر احیاء العلوم وعمل الیوم واللیلہ ابن سنی دو کتابوں کے حوالہ سے اذان کی دعا میں والدرجۃ الرفیعۃ کا اضافہ ثابت کرتے ہوئے بڑے بڑے اساطین حدیث کی تغلیط فرمائی امام بخاریؒ، ابن حجرؒ، سخاویؒ، علامہ سید محمد انور شاہ صاحبؒ، ملا علی قاریؒ۔ اور فرمایا "علوم دینیہ کے بارے علم محیط کلی نہ تو امام بخاریؒ کا ہے نہ حافظ ابن حجرؒ کا نہ علامہ سید کشمیریؒ وغیرہ کا۔ اگر کسی مسئلہ کے متعلق ان حضرات کو علم نہ ہوسکے اور دوسرے دلائل سے وہ مسئلہ ثابت ہوجائے تو اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ (ص۱۳۲ نور الصباح)

کیا صفدر صاحب اور ان کے شاگرد کے پاس علوم دینیہ کے بارے علم محیط کلی ہے؟ جس کے بل بوتے پر آپ کی تنقید سے کوئی بڑے سے بڑا عالم دنقاد بچ نہیں سکا۔ چنانچہ امام بخاری و ابن تیمیہ و ابن قیم و ابن حجر و پر دل کھول کر خنجر قلم چلایا۔ جیسے استاد مودودی پر تنقید برداشت نہیں کی جاسکتی اگرچہ حضرات صحابہؓ بالخصوص امام عثمان و امام معاویہ رضی اللہ عنہما پر تنقید کے انبار لگادیے جائیں برداشت کر لیتے ہیں ایسے ہی صفدر صاحب پر تنقید برداشت نہیں ہوسکتی اگرچہ تمام اکابر کو نقد سے چھلنی کردیں

صاحب تسکین کا اہلِ حق پر دیدہ دانستہ دوبارہ الزام

ندائے حق ط ۱ ص ۲۱۵ میں عبدالرحمٰن بن احمد الاعرج پر ہم نے مختصر سی بحث ان الفاظ میں کی تھی جس کا عکس نیچے درج ہے

صاحب تسکین کا اہلِ حق پر الزام

عبدُ الرّحمٰن بن احمد الاعرج

صاحبِ تسکین فرماتے ہیں عبدالرحمٰن بن احمد الاعرج کو بزدر ابوعبدالرحمٰن محمد بن مروان سدی قرار دے کر ان پر کی گئی جرح کو اس پر چسپاں کرنا فنِ اسماء الرجال سے بے خبری کا نتیجہ یا نری سینہ زوری کا مظاہرہ ہے (تسکین ص۱۸۳) نامعلوم اتنا اجہل واحمق کون ہے جو آسمان زمین کے قلابے ملائے گا اور ان دو غیر معاصروں کو ایک قرار دیگا اگر کہو کہ توحید کی تبلیغ اور اشاعتِ سنّت کو جس جماعت نے رات دن کا مشغلہ اور فرض سمجھ رکھا ہے اُس میں سے کوئی ہے تو ہذا بہتانٌ عظیم

مگر نامعلوم اس عبارت کو دیکھنے کے باوجود محترم دوسرے ایڈیشن میں پھر کیوں لکھتے ہیں

"نیز عبدالرحمٰن بن احمد الاعرج کو بزور ابوعبدالرحمٰن محمد بن مروان السدی (المتوفی سنہ ۱۸۶ھ) قرار دے کر اس پر کی گئی جرح کو اس پر چسپاں کرنا فن اسماء الرجال سے بے خبری کا نتیجہ یا سینہ زوری کا مظاہرہ ہے الخ"

جب کہ ہم نے اپنی صفائی بیان کر دی ہے پھر دوبارہ بہتان دھرنا کہاں کا انصاف ہے

ناظرین اب خود سوچیں کہ سینہ زوری کون کر رہا ہے۔

مندرجہ بالا خبر کے تمام طرق واسانید مع بحث

تسکین الصدور طبع اول ص۲۷۳: پس من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیا ابلغتہ کے جملہ رواۃ ثقہ بتا کر اور کئی محدثین کی زبانی حدیث بسند ابی الشیخ کی تصحیح لکھ کر فرمایا کہ یہ سند علامہ عبد الہادیؒ کے پیش نظر نہیں ہے ورنہ اس کے راوی اور سند کی تضعیف کرتے ہیں

بیلوی کہتا ہے کہ الصارم المنکی ص۱۹۰ میں ابن عبد الہادیؒ نے شفاء السقام مصنف سبکیؒ کی عبارت جس میں حدیث مندرجہ بالا نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں "قلت ہذا الحدیث موضوع علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم یحدث بہ ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ ولا ابو صالح ولا الاعمش" یعنی میں (مستی ابن عبد الہادی) کہتا ہوں کہ حدیث من گھڑت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ نہ یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائی اور نہ ہی ان کے شاگرد ابو صالح نے اور نہ ہی ابو صالح کے شاگرد اعمشؒ نے۔ بیہ

اس عبارت کی کچھ سطروں کے بعد ابو الشیخ اصفہانی کی سند پر بحث کرتے ہیں اسی صفحہ ۱۹۰ میں سطر ۱۹ میں وقد روی بعضھم ہذا الحدیث من روایۃ ابی معاویۃ عن الاعمش وھو خطأ فاحش وانما ہو محمد بن مروان تفرد بہ وھو متروک الحدیث یعنی بعض نے یہی حدیث ابی معاویہ عن الاعمش کی طریق سے روایت کی ہے مگر یہ اس (بعض) کی فاحش غلطی ہے۔ اصل میں یہ روایت محمد بن مروان سے ہے جو اس حدیث کی روایت کرنے میں متفرد (اکیلا) ہے اور محمد بن مروان کے سوا کسی نے یہ حدیث بیان نہیں کی۔ نہ ابو معاویہ نے اور نہ ہی کسی اور راوی نے۔ اور محمد بن مروان کی اپنی حالت یہ ہے کہ وہ متروک الحدیث ہے

یاد رہے کہ یہ حدیث کئی طرق سے مروی ہے

(۱) طریق اول: طبرانی ـــــ عن العلاء بن عمرو الحنفی۔ عن محمد بن مروان (کذاب۔ متروک الحدیث) عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علی من قریب سمعتہ ومن صلی علی من بعید ابلغتہ؛

(۲) طریق ثانی: عقیلی۔ شیخ عقیلی۔ عن احمد بن ابراہیم بن معن۔ عن العلاء بن عمرو الحنفی۔ عن محمد بن مروان۔ عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی نائیا ابلغتہ

(۳) طریق ثالث: ابو الشیخ۔ عن عبد الرحمن بن احمد الاعرج (مجہول العدالۃ) عن الحسن بن الصباح عن ابی معاویۃ عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی من بعید ابلغتہ؛

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلّی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلّی علیّ نائیًا اُبلغتہ

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علیّ من قریب سمعتہ ومن صلی علیّ من بعید اُبلغتہ

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلّی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلّی علیّ من بعید اُعلمتہ

ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ	ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ	ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ
ابی صالح	ابی صالح	ابی صالح
الاعمش	الاعمش	الاعمش
محمد بن مروان	محمد بن مروان	ابی معاویہ
العلاء بن عمرو الحنفی	العلاء بن عمرو الحنفی	الحسن بن الصباح
احمد بن ابراہیم بن ملحان		عبد الرحمن بن احمد الاعرج
شیخ العقیلی		
العقیلی	الطبرانی	ابو الشیخ

یہ نقشہ جو ہم نے اس انداز پر لکھا ہے اس سے مقصد صرف یہ ہے کہ دیکھنے کے بعد بآسانی آجائے اور راوی ہر سہ طرق کے جلدی سے ازبر ہو جائیں

مگر محترم مولانا نے اس کی اہمیت گھٹانے کے لئے اس نقشہ کے بارے میں گھٹیا قسم کے گرے ہوئے الفاظ استعمال فرمائے ہیں کہ پٹواریوں کی طرح نقشہ تیار کر دیا۔

لیکن ہمیں اس نقشے سے یہ سمجھانا ہے کہ نیچے سے اوپر کو پڑھتے جائیے پہلے یعنی نیچے والا راوی کتاب کا مصنف ہے اس سے اوپر اس مصنف کے استاذ کا نام ہے علیٰ ہذا القیاس سب سے اوپر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی ہے

اب آپ اس کو جس طرح تعبیر فرمائیں آپ کی مرضی۔ ہم نے اسی طرح سہولت کے لئے تمام فنون کے نقشے تیار کر رکھے ہیں اور ہندوستان میں دوران تعلیم تیار کئے تھے اور چھاپ کر دیوبند سہارنپور دہلی میں شائع کر دئے تھے جسے علماء نے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا تھا اور لوگوں کو بھی لینے کی ترغیب دی تھی۔ نیلوی

نوٹ: مختلف سندوں کی متنیں بھی مختلف ہیں پس متن بھی مضطرب ہے۔

○ محمد ناصر الدین الالبانی کی تحقیق ○

سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ واثرہا السیئ فی الامۃ تخریج محمد ناصر الدین الالبانی ص ۳۳۹ تا ۳۴۲ میں ہے۔

موضوع بہذا التمام اخرجہ ابن شمعون فی الامالی (۲/۱۹۳/۲) والخطیب فی تاریخہ (۳/۲۹۱-۲۹۲) وابن عساکر (۱۶/۷۰/۲) من طریق محمد بن مروان عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی ہریرۃ مرفوعاً۔ واخرج طرفہ الاول ابوبکر بن الخلاد فی الجزء الثانی من حدیثہ ۲/۱۱۵ وابوہاشم السیلقی فی ما انتقاہ علی ابن بشرویہ ۱/۵۶ والعقیلی فی الضعفاء (۳۹۸) وقال لا اصل لہ من حدیث الاعمش ولیس بمحفوظ ولا یتابعہ الا من ہو دونہ (یعنی محمد بن مروان ہذا) ثم روی الخطیب باسنادہ عن عبد اللہ بن قتیبۃ قال سالت ابن نمیر عن ہذا الحدیث فقال دع ذا۔ محمد بن مروان لیس بشئ۔

قلت ومن طریقہ اوردہ ابن الجوزی فی الموضوعات من روایۃ العقیلی ثم قال لا یصح۔ محمد بن مروان ہو السدی الصغیر کذاب۔ قال العقیلی لا اصل لہذا الحدیث۔ وتعقبہ السیوطی فی اللآلی (۱/۲۸۳) بقولہ قلت اخرجہ البیہقی فی شعب الایمان من ہذا الطریق واخرج لہ شواہد۔

قلت ثم ساقہا السیوطی وبعضہا صحیح مثل قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی عن امتی السلام وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی..... الحدیث وتقدم ذکرہ قریباً ص ۵ وہی کلہا انما تشہد للحدیث فی الجملۃ۔ واما التفصیل الذی فیہ وانہ من صلی علی عند قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم فانہ یسمعہ فلیس فی شئ منہا شاہد علیہ۔

واما نصفہ الآخر فلم یذکر السیوطی ولا حدیثاً واحداً یشہد لہ۔ نعم قال السیوطی ثم وجدت لمحمد بن مروان متابعاً عن الاعمش اخرجہ ابوالشیخ فی "الثواب" حدثنا عبد الرحمن بن احمد الاعرج ثنا الحسن بن الصباح ثنا ابومعاویۃ عن الاعمش بہ؛

قلت ورجال ہذا السند کلہم ثقات معروفون غیر الاعرج ہذا۔ والظاہر انہ الذی اوردہ ابوالشیخ نفسہ فی طبقات الاصبہانیین ص ۳۱۳ فقال القاضی عبد الرحمن بن احمد الطبری۔ ثم روی عنہ حدیثین ولم یذکر فیہ جرحاً ولا تعدیلاً۔ فہو مجہول۔ فقول الحافظ فی الفتح ۶/۳۷۹ سندہ جید غیر مقبول۔ ولہذا قال ابن القیم فی ہذا السند انہ غریب کما نقلہ السخاوی عنہ فی القول البدیع فی الصلوٰۃ علی الحبیب الشفیع ص ۱۱۶۔ وقال ابن عبد الہادی فی الصارم المنکی فی الرد علی السبکی ص ۱۹۰

وقد روى بعضهم هذا الحديث من رواية ابي معاوية عن الاعمش وهو خطأ فاحش وانما هو محمد بن مروان تفرد به وهو متروك الحديث متهم بالكذب ... على ان هذه المتابعة ناقصة اذ ليس فيها ما في رواية محمد بن مروان " وكفي بها امر دنياه
كذلك اورده الحافظ ابن حجر والسخاوي من هذا الوجه خلافاً لما لفظه المذكور في رواية السدي كما لا يخفى على المشتغلين
بهذا العلم الشريف . وقال شيخ الاسلام ابن تيمية في الرد على الاخنائي ص ٢١٠ و ٢١١ وهذا الحديث وان كان معناه صحيحاً
ولعله يعني في الجملة) فاسناده لا يحتج به وانما يثبت معناه باحاديث اخر - فانه لا يعرف الا من حديث محمد بن مروان السدي الصغير
عن الاعمش وهو عند اهل المعرفة بالحديث موضوع على الاعمش .

وجملة القول ان الشطر الاول من الحديث ينجو من اطلاق القول بوضعه بهذه المتابعة التي خفيت على ابن تيمية واما الشطر
واما باقيه فموضوع لخلوه من الشاهد .

فائدة : قال الشيخ ابن تيمية عقب كلامه المتقدم على الحديث وهو لو كان صحيحاً فانما فيه انه يبلغه صلوة من صلى عليه
نائيا ليس فيه انه يسمع ذلك كما وجدته منقولاً عن هذا المعترض (يريد الاخنائي) فان هذا لم يقله احد من اهل العلم ولا يعرف في شئ
من الحديث . وانما يقوله بعض المتاخرين الجهال يقولون ان ليلة الجمعة ويوم الجمعة يسمع باذنيه صلوة من يصلي عليه . فالقول انه
يسمع ذلك من نفس المصلين عليه باطل . وانما في الاحاديث المعروفة انه يبلغ ذلك ويعرض عليه وكذلك السلام تبلغه
اياه الملائكة .

قلت ويؤيد بطلان قول اولئك الجهال قوله صلى الله عليه وسلم اكثروا علي من الصلوة يوم الجمعة فان صلوتكم تبلغني
...... الحديث وهو صحيح كما تقدم ص د . فانه صريح في ان هذه الصلوة يوم الجمعة تبلغه ولا يسمعها من المصلي عليه .

یہ حدیث متناً مضطرب ہونے کے ساتھ ساتھ دوسری حدیثوں کے معارض بھی ہے

سامنے کے دئیے ہوئے نقشہ کو دیکھ کر آپ کو یقین ہو جائے گا کہ واقعی پہلی حدیث اور اس حدیث کا باہم تعارض ہے۔ پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر کے پاس سلام پڑھا جائے تو حضور خود سنتے ہیں، اور دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر کے پاس سلام پڑھا جائے تو حضور خود نہیں سنتے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ مقرر کر رکھا ہے جو زائر کا سلام آپ تک پہنچا دیتا ہے اور اصولی قاعدہ ہے اذا تعارضا تساقطا یعنی جب دو حدیثیں ایسی ہوں کہ ان کا مطلب ایک دوسرے کے خلاف ہو تو دونوں ساقط ہیں عقیدہ و عمل میں

وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما من عبد يصلّي عليّ عند قبري الا وكّل الله بها ملكا يبلغني وكفي امر آخرته ودنياه وكنت له شهيدا او شفيعا يوم القيمة

- ابي هريرة رضي الله عنه
- ابي صالح
- الاعمش
- محمد بن مروان
- عبد الملك بن قريب
- محمد بن موسى البربري
- ابو عبد الله الصفار
- ابو عبد الله الحافظ
- البيهقي

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلى عليّ عند قبري وكّل الله به ملكا يبلغني وكفي امر دنياه وآخرته وكنت له يوم القيمة شهيدا او شفيعا

- ابي هريرة رضي الله عنه
- ابي صالح
- الاعمش
- محمد بن مروان
- عبد الملك ابن قريب
- محمد بن موسى البربري
- عثمان بن محمد بن يزيد
- ابو الحسين بن سمعون

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلى عليّ عند قبري رددت عليه ومن صلى عليّ في مكان آخر بلغونيه

- ابن عمر رضي الله عنه
- نافع
- عبد الله بن عمر
- ابي البختري كذاب خبيث يضع الحديث قال يحيى بن معين. كان يكذب قاله السعدي والفلاس وابو حاتم
- ابي بكر بن عياش
- احمد بن عبد الله بن يونس
- العباس بن الفضل بن العباس
- ابو محمد عبد الرحمن بن احمد بن عبد الرحمن بن المرزبان

اختلافِ احادیث کی وضاحت

○ بعض احادیث میں سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر کے پاس سے تو سُن لیتے ہیں مگر دُور سے نہیں سُنتے۔

○ اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ پاس یا دُور سے نہیں سنتے اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کا تعینات کر رکھا ہے جو حضورؐ کو پہنچاتا ہے

○ اور بعض سے تبادر معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ اپنی زندگی میں فرماتے ہیں کہ میرے پاس جو درود شریف پڑھتا ہے وہ میں سُن لیتا ہوں اور یہ نہ سمجھنا کہ دور سے درود پڑھنے سے حضورؐ کو کیا فائدہ پہنچتا ہوگا۔ غائبانہ بھی درود شریف پڑھا کرو اور میرے حق میں دعا کیا کرو۔ آپکا غائبانہ میرے حق میں دعا کرنا اور درود شریف پڑھنا بھی مجھے فائدہ پہنچاتا ہے اور میرے حق میں دعا کرنا کسی طرح بھی فائدہ سے خالی نہیں دور سے ہو یا نزدیک سے یکساں فائدہ بخش ہے

○ اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو میری قبر کے پاس آکر درود شریف پڑھے میں اُسکا جواب دیتا ہوں سُننے نہ سننے کا اسمیں تذکرہ ہی نہیں جس سے یہ دو طرح کے احتمال نکالے جاسکتے ہیں یاتو خود سُن کر کے جواب دیتے ہیں یا یہ کہ براہِ راست خود تو نہیں سُنتے۔ ہاں فرشتوں کے ذریعے یا بلاواسطہ فرشتوں کے اللہ تعالیٰ آپؐ کو خبر کر دیتے ہیں تو حضرتؐ فرماتے ہیں میں اس سلام کا جواب دیتا ہوں

تعارضِ احادیث کا نتیجہ

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ حدیثیں باہم متعارض ہیں تو اصولی قاعدہ ہے کہ اگر ان میں باہم تطبیق کی کوئی بھی صورت نہ نکل سکے تو دو تعارض والی حدیثیں اعتبار کے درجے سے گر جاتی ہیں نہ یہ دلیل رہی نہ وہ لہٰذا مسئلہ اپنے اصل پر رہا کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی بعد والی دلیل نہ ہو تو تقریر الاصول کا قاعدہ چلتا ہے

جیسے سؤر الحمار کی طہارت ونجاست میں دو متعارض حدیثیں ملتی ہیں بعض سے طہارت معلوم ہوتی ہے اور بعض سے نجاست تو دونوں حدیثوں کو ساقط سمجھ کر ہر ایک کو اپنے اصل پر رکھیں گے یعنی گدھے کے جھوٹا کرنے سے پہلے پانی پاک تھا لہٰذا اب جھوٹا ہو چکنے کے بعد بھی پاک ہی رہا اور اس سؤر الحمار کے استعمال سے پہلے بے وضو آدمی حکماً پلید تھا (محدث) اب جھوٹا استعمال کرنے کے بعد بھی وہ بے وضو ہی رہا۔ چونکہ پانی پاک موجود ہے اور اس کے سوا دوسرا پانی میسر نہیں لہٰذا اس پاک پانی کا استعمال بے وضو پر ضروری ہے لیکن پاک پانی استعمال کرنے کے بعد بھی حدث زائل نہیں ہوئی لہٰذا ازالۂ حدث اور اباحتِ صلوٰۃ وغیرہ کیلئے تیمم کرنا لازم ہوگا کما فی الاصل.

یہاں متنازع فیہ مسئلہ میں بھی تعارض کی صورت میں تقریر الاصول کا قاعدہ استعمال کریں گے بایں طور کہ اصل اور ضابطہ یہی ہے عدم سماع الاموات لہٰذا وہی عقیدہ محفوظ رکھیں (ان الضابطۃ انما هو عدم السماع فتح الملہم ۳۲۹) اور ادھر ضابطہ یہ ہے کہ زندگی میں اور مرنے بعد نزدیک سے دور سے جب بھی جہاں بھی کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتا ہے تو اسکا فائدہ ضرور ہوتا ہے حضور کے حق میں دعا ہوگئی اور درود پڑھنے والے کے درجے بڑھے گناہ جھڑے اور نیکیاں بڑھیں لہٰذا دور و نزدیک جہاں کہیں ہو حضور پر صلوٰۃ وسلام کی کثرت ورد رکھے اللھم صل علے محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم انک حمید مجید

جب قبر شریف کے پاس پہنچے وہاں کہے

السلام علیک یا رسول اللہ جیسے قبرستان میں جاکر کہتے ہیں السلام علیکم یا اہل القبور بطور دعا کے نہ بطور خطاب سامع کے

پیر طریقت حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کا بیان

تفسیر بے نظیر ص۵۵ میں حضرت پیر شیخ الطریقہ مولانا حسین علی رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً وافرۃً سابغۃً ارشاد فرماتے ہیں۔

"درود شریف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر حیات میں بھی پیش ہوتا تھا...... یعنی جس وقت اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوتا تھا پہنچا دیتا تھا۔ دوسری حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ وفات کے بعد بھی جس وقت اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہو پہنچا دیتا ہے۔ نسائی شریف ص۱۸۹ ج۱ میں ہے عن زاذان عن عبداللہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان للّٰہ ملائکۃ سیاحین فی الارض

یبلغونی من امتی السلام فی التقریب زاذان لین الحدیث فیہ شیعیۃ۔ اس حدیث کا بھی یہی معنے ہوگا جس وقت اللہ تعالیٰ چاہتا ہے پہنچا دیتا ہے۔ حیات میں بھی اور حیات کے بعد بھی۔ مشکوٰۃ شریف ص ۱۵۲ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیا ابلغتہ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔ قاعدہ جلیلہ ص ۹۵ میں ہے اس حدیث کا راوی محمد بن مروان السدی الصغیر عن الاعمش لیس بثقۃ یعنی ضعیف ہے۔ حدیث صحیح نہیں ہے۔

احادیث تبلیغ صلوٰۃ وسلام کی بخاری ومسلم نے روایت نہیں کی۔ بعضے کہتے ہیں کہ پہنچنے کا یہ معنے ہے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ چاہتا تھا حیات میں پہنچا دیتا تھا۔ اور بعد وفات کے جس وقت چاہے پہنچا دیتا ہے۔ تبلیغ الصلوٰۃ علیہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس مقیدا بالممات۔ کما ان یبلغ فی الحیات اذا شاء اللہ ان یبلغہ صلوٰۃ احد فکذلک بعد الممات۔ فاندفع شبہۃ ان النبی علیہ السلام ما کان یعرف کل من آمن فی حیاتہ بل کان لا یعلم نفاق بعض من ہم عندہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المدینۃ فان الصلوٰۃ تبلیغہ لیس الا بمشیتہ تعالیٰ اذا شاء ابلغہ ولیس التبلیغ کل حین حتی فی وقت الغشی علیہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مرضہ۔ حجۃ اللہ البالغۃ فی باب الاذکار۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام کنایہ ہے اس امر سے کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں دعا مقبول ہے۔ دعا کرنے والے کو ثواب اور فیض پہنچتا ہے۔ نسائی ص ۱۹۱ سطر ۲۰ قولوا السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین فانکم اذا قلتم ذلک اصابت کل عبد صالح فی السماء والارض۔ سلام پہنچنے کا یہ معنے ہے کہ سب کے حق میں دعا ہوگئی۔ یہ حدیث بخاری مسلم میں بھی ہے۔ باب تشہد میں

① شاہ ولی اللہ وغیرہ کا یہ خیال ہے کہ درود شریف پہنچنے کا یہ معنے ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں دعا ہوگئی وہ بحمد اللہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔ درود شریف پڑھنے والے کو ثواب اور فیض پہنچتا ہے۔

② بعضے راویوں نے "بلغنی" کا یہ معنے کیا میرے پاس خبر درود شریف پڑھنے کی پہنچائی جاتی ہے۔ راوی نے روایۃ بالمعنے کر کے کہا۔ فرشتے پہنچاتے ہیں۔ کسی نے کہا یعرض علی

③ اور بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ پہنچانے کا یہ معنے کہ فرشتے پہنچاتے ہیں حیات میں بھی اور بعد وفات کے بھی۔ لیکن مطلب یہ ہے کہ جس وقت اللہ تعالےٰ چاہے پہنچا دیتا ہے۔

جلال الدین سیوطیؒ نے اپنے رسالہ میں تیرہ اقوال لکھے ہیں یعنی تیرہ مذاہب لکھے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب؛

بہرحال من صلّٰی علی عند قبری والی حدیث ان سب اجلہ علماء کے نزدیک اس لئے غلط ہے کہ اس میں محمد بن مروان نامی راوی منفرد ہے اس کے ساتھ کوئی ایسا ساتھی نہیں جو یہ روایت بیان کرتا ہو نہ ابو معاویہ نہ کوئی اور

ندائے حق ۸۱ میں ایک فتویٰ پوچھا گیا تھا جو مندرجہ ذیل ہے

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں برادرانِ سواتی مسئلہ مندرجہ ذیل میں کہ

ایک شخص مسجد نبوی کے ایک کونے میں بیٹھ کر آہستہ آہستہ درود شریف پڑھتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سنتے ہیں۔ لیکن اگر مسجد نبوی جیسے وسیع ہوتی جارہی ہے وسیع ہوتے ہوتے دس میل لمبی ہو جائے اور یہ عاشق رسول دس میل سے مسجد نبوی کے ایک کونے میں درود شریف پڑھے تو وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سنتے ہیں یا نہیں اگر کہو کہ جب بھی سنتے ہیں تو پھر عِنْدَ قبری کے کیا معنے ہیں؟ اور اصولِ فقہ میں جو لکھتے ہیں "عِنْدَ الْحَضْرَةِ" کیا مراد ہے حضور حسّی مراد ہے یا حضور معنوی۔ ظاہر ہے کہ حضور معنوی تو مراد ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ اسکا مقابل "نائیاً" دلیل ہے اس امر کی کہ اس حضور سے حضور حسّی مراد ہے اور حضور حسّی بھی کیسے مراد لے سکتے ہیں جب کہ درود شریف پڑھنے والے کو تو نظر نہیں آرہا اور حضورؐ کے نظر میں درود پڑھنے والا ہے اور اس کی آواز سن رہے ہیں تو قرب اور بُعد کا وہ معیار کیا ہوا کہ جہاں سے قبر شریفہ کیطرف اور اس جانب کھڑا ہوا آدمی قریب کہلائے اور اس سے ایک بالشت پیچھے ہٹا ہوا آدمی بعید کہلائے اگر مسجد نبوی معیار ہے قرب و بعد کی کہ جو مسجد نبوی کے اندر قدم رکھے وہ قریب کہلائے اور جو مسجد سے باہر قدم رکھے تو بعید ہو جاتا ہے اب اگر قبر شریفہ کی جانب وسیع نہ کی جائے اور دوسری جانب (غربی) کو بیس میل وسیع کر دی جائے تو جو شخص مغرب کی طرف سے غربی کونے سے حضورؐ کو درود سنائے تو حضورؐ سن لیں گے اور اگر شرقی جانب کے رو دنہ اور مسجد سے ایک بالشت باہر کھڑے ہو کر درود پڑھتا ہے تو یہ درود حضور سنیں گے یا نہ اگر کہو کہ نہیں سنتے تو عند قبری کہاں گیا اگر کہو کہ یہاں سے بھی سن لیتے ہیں تو لازم آیا جمع بین الحقیقۃ والمجاز من لفظٍ واحدٍ فی حالٍ واحدٍ کیونکہ بیس میل سے درود پڑھنے والا اگر قریب کہلائیگا تو مجازاً ہی قریب کہلائیگا پھر اس مسجد کو معیار قرب و بعد کا بنانا خیر القرون میں سے کسی

منقول ہے یا کسی مجتہد یا اہلِ لسان سے منقول ہے یا آپ کا خانہ زاد معیار ہے؟ اگر کہو کہ عند قبری سے مراد فی حجرتی ہے پھر شرک کیا بلا ہے بریلویہ کہتے ہیں کہ تمام روئے زمین حضورؐ کے حاضر اور پاس ہے جیسے ہتھیلی کے اوپر رکھی ہوئی چیز لہٰذا ہر جگہ کی آواز سنتے ہیں۔ پھر یہ بھی کہ صرف درود و سلام ہی سنتے ہیں یا ہر کلام سنتے ہیں اگر کہو کہ ہر کلام سنتے ہیں تو پھر آپ صرف صلوٰۃ و سلام کی تخصیص کیوں کیا کرتے ہیں اگر کہو کہ باقی نہیں سنتے تو عاشقانِ امت محمدیہ پر حضورؐ کی شفقت کہاں ہے

اس کے جواب میں مولانا متردد نظر آتے ہیں کیونکہ

مولانا کو تردد ہے — اگر حدیث صحیح ہے تو تردد کیوں؟

تسکین الصدور ط ۱ ص ۹۱، میں لکھا حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ سے منقول ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حیات ہیں۔ لہٰذا پست آواز سے سلام کرنا چاہیئے۔ مسجد نبوی میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے اس کو حضرتؐ خود سنتے ہیں

تصویر کا دوسرا رُخ

تسکین الصدور ط ۲ ص ۳۲۵ میں ہے لیکن قبر مبارک سے دُور مسجد میں جو سلام پڑھا جاتا ہے، وہ آپ خود نہیں سنتے:

ایک معترض کا جواب

سوال یہ جو آپ کہتے ہو کہ محمد بن مروان کی بابت عقیلیؒ نے لا اصل لہذا الحدیث فرمایا ہے واقعی عقیلی نے یہ کہا ہے مگر علامہ سیوطیؒ نے عقیلی کا قول رد کر دیا ہے اور اللآلی المصنوعہ ۱ : ۲۸۵ میں کہا قلت ہذا الحدیث اخرجہ الطبرانی وابونعیم فی الحلیۃ ولہٗ شواہد یرتقی بہا الی درجۃ الحسن پس لا اصل لہٗ کہنا حدیث کو جڑ سے اکھاڑنا ہے۔

جواب: علامہ عقیلی بہت بڑے محدث ہیں محمد بن عمرو بن موسیٰ العقیلی المکی ابو جعفر احمد کہا الحافظ ثقۃ وکتاب الضعفاء مشہور شارک الطحاوی وفات ۳۲۲ھ بعد الطحاوی بسنۃ طحاویؒ کے ہم پلہ ہیں انہوں نے اس حدیث کے بارے لا اصل لہذا الحدیث فرمایا ایسے محدث کے بارے یہ کہنا کہ "اس حدیث کو ناقابل التفات پایا ہے اصل کہنا بس جڑ سے نہ دا‍:

ہے" یہ خود المعترض کالاعمیٰ کی جرأت رندانہ ہے

دوسرے واقعی کسی نے سچ کہا ہے المعترض کالاعمیٰ یہاں معترض کو یہ نظر نہیں آیا کہ محدث عقیلی رحمۃ اللہ نے کس حدیث کے بارے لا اصل لہ کہا اور علامہ سیوطی کس حدیث کے شواہد بتا کر اسے درجۂ حسن دے رہے ہیں۔ مختصر یہ کہ علامہ سیوطیؒ نے ابن حبان کی حدیث کو کہا ہے کہ اس کے شواہد میں جن کی وجہ سے حسن کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بخلاف حدیث عقیلی کے کہ وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نیز عقیلی کی حدیث محمد بن مروان سے مروی ہے جو سدی صغیر کذاب ہے (اللآلی ۱: ۲۸۳) اور ابن حبان کی حدیث ابن یحییٰ الخشنی سے مروی ہے جو منکر الحدیث ہے اور ثقہ راویوں کے ذمے بے اصل حدیث لگاتا ہے (اللآلی ۱: ۲۸۴) نیز عقیلی اور ابن حبان کی بیان کردہ حدیثوں میں باہم بڑا فرق ہے۔ عقیلی کی حدیث میں تو ہے کہ جو درود نزدیک سے پڑھے تو میں خود سنتا ہوں اور اگر دور سے پڑھے تو مجھ تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ اور ابن حبان کی حدیث میں یہ بات نہیں بلکہ اس میں یہ بات ہے کہ نبی وفات کے بعد چالیس روز تک قبر میں بغیر اعادہ روح کے اقامت نہیں کرتا ما من نبی یموت فیقیم فی قبرہ الا اربعین صباحا حتی ترد الیہ روحہ اور اس کے شواہد بھی یہ بیان کئے کہ انبیاء چالیس راتوں کے بعد اپنی قبروں میں نہیں رہتے۔ اب سوچو کہ یہ شواہد ہیں؟

سوال: اچھا تو ابن حجرؒ نے فتح الباری ۶: ۳۱۲ میں عقیلی کی حدیث کے شواہد میں سے ابوداؤد کی حدیث بیان کی جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے صلوا علیّ فان صلوتکم تبلغنی حیث کنتم اور اس کی سند صحیح ہے

جواب: عقیلی کی حدیث کے دو حصے ہیں پہلا حصہ جس میں نزاع ہے شواہد سے یکسر خالی ہے اور دوسرا حصہ شواہد رکھتا ہے مگر اس میں کسی کا نزاع نہیں وہ سب کو مسلم ہے یعنی مختصراً تو اس میں ہے کہ من صلی علی عند قبری سمعتہ صحیح ہے یا نہیں۔ اس کا شاہد کہیں نہیں ملتا۔ اور من صلی علی نائیا ابلغتہ اس میں نزاع نہیں خواہ شواہد ہوں خواہ نہ ہوں کیوں کہ ابلاغ (صلوٰۃ و سلام کا پہنچایا جانا) اور چیز ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بنفس نفیس آپ سلام سننا اور چیز ہے ابلاغ کو سماع لازم نہیں ہے ابلاغ اعم مطلق ہے اور سماع سلام اخص مطلق ہے

چیلنج

طبقۂ اولیٰ و طبقۂ ثانیہ کی کتب میں سے کسی ایک کی کتاب میں یہ حدیث من صلی علی عند قبری سمعتہ دکھا دیں اور

انعام منہ مانگا انعام حاصل کریں

یاد رہے کہ طبقہ ثالثہ کی اکثر احادیث فقہاء کے نزدیک معمول بہ نہیں بلکہ ان کے خلاف پر اجماع ہو چکا ہے اور مسند ابی یعلیٰ موصلی اور مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ دارقطنی مسند ابی داؤد طیالسی مستدرک حاکم کتب بیہقی تصانیف طبرانی طبقہ ثالثہ کی کتابیں ہیں

ہم تو اس قاعدہ پر بچتے ہیں اور قاعدہ ہذہ سے سرمو اغماض و اعتراض نہیں کرتے. مگر حضرت محترم اس کتاب سے پہلے خود بریلویوں کے رد میں بارہا اسی قاعدہ کو استعمال فرما چکے ہیں۔

چنانچہ "راہ سنت" ط ا کے ص ۱۷۳ میں قرآن خوانی کے لیے اجتماع کے حکم پر بحث کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں " تو ان (دقائع) سے ان (مولوی عبدالسمیع ذمفتی احمد یار خان صاحب وغیرہ) کا استدلال خام ہے۔ اولاً اس لیے کہ یہ روایتیں کتب حدیث کے اس طبقہ کی روایتیں ہیں، جن کو محدثین ہرگز قبول نہیں کرتے۔ نہ عقیدہ میں نہ عمل میں (دیکھیے عجالہ نافعہ ص۶ اور حجۃ اللہ ص۱۳۳)

اب جب یہ بات صحیح ہے تو پھر ہیں یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ یہ تسکین الصدور میں پیش کردہ حدیث کس وجہ سے مقبول عند المحدثین ہو سکتی ہے جب کہ یہ حدیث بھی اسی طبقہ کی ہے جس طبقہ کی وہ حدیث تھی جو مولوی عبدالسمیع و مفتی احمد یار خان صاحب وغیرہ نے اپنی بدعت کی ترویج کے لیے استدلال میں پیش کی تھی۔ وہ ہو نامقبول اور یہ مقبول ہو۔

بحث نمبر ۲

ابن قیم کا اس حدیث کو غریب جداً کہنا

محترم نے جلاء الافہام کے حوالہ سے اس حدیث کے متعلق لکھا غریب قطعاً (تسکین ط ۱ ص ۱۸۵، ۱۸۶) میری نظر سے جلاء الافہام کے دو نسخے گزرے ہیں۔ دونوں میں غریب قطعاً کی جگہ غریب جداً لکھا پایا جو انتہائی غرابت پر دال ہے۔

پھر محترم نے غریب پر طویل لاطائل تحتہ بحث فرمائی ہے۔ حالانکہ جب مطلق غریب بولا جاتا ہے تو اس سے غریب اسناداً ہی مراد ہوتا ہے نہ غریب الحدیث

خود جناب محترم نے تسکین ط ۱ ص ۱۸۹ میں لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبل رح نے جن غرائب کا ذکر کیا ہے وہ ایسی غریب حدیثیں ہیں جن کی سند میں کوئی راوی متفرد ہو۔ اور ایسی احادیث لکھنے سے انہوں نے منع کیا ہے۔

اب اس مقام پر محترم جناب ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں کہ حدیث مبحوث عنہ پر غریب اسناداً کی تعریف صادق آتی ہے یا نہ؟ جب کہ ابن کثیر، عبدالعزیز پرہاروی، جزری، ذہبی، بیہقی رح، سیوطی، ابن عبدالہادی، عقیلی رح، ابن جوزی رح، ابن تیمیہ، ابن قیم رح، ابن دحیہ، سخاوی، فتنی رح اور پیر مرشد مولنا حسین علی واں بھچراں رح (میانوالی) محمد ناصر الدین الالبانی، ابن شمعون، خطیب بغدادی، ابن عساکر، ابو ہاشم، السیلقی، صاحب غایۃ الامانی، ابو الفضل محمد بن طاہر قیسرانی شیبانی رح، ابن نمیر، ابو بکر بن خلاد وغیرہ اکابر محدثین نے کہا ہے تفرد به محمد بن مروان یعنی اس کو بیان کرنے والا اکیلا محمد بن مروان ہے اس کے علاوہ کوئی اور محدث ایسا نہیں جو یہ حدیث روایت؛ اور بیان کرے نہ ابو معاویہ نہ کوئی اور

اب جب اس سند میں محمد بن مروان متفرد اور اکیلا ہے تو غریب اسناداً ہی ہوا کہ اس کی تعریف یہاں صادق آتی ہے اور غریب فی الحدیث کے زمرہ میں اس کو شامل کرنا اہل انصاف علماء سے اَبعد ہے

اگر محترم جناب کی تحریر کو لیں کہ اعمش سے یہ حدیث من صلی علی عند قبری سمعتہ الخ دو راویوں نے سنی ہے

ایک محمد بن مروان جو ضعیف ہے اور دوسرا ابو معاویہ الضریر جو احد اعلام الثقات اور مرکزی راوی ہے تو ان تمام اجلۂ محدثین پر سے اعتماد اٹھ جائیگا. کیونکہ مذکورہ بالا محدثین صاف لفظوں میں کہتے ہیں کہ یہ روایت محمد بن مروان کے سوا کوئی ایک بھی بیان نہیں کرتا وہ اس حدیث کے بیان کرنے میں اکیلا فرد واحد ہے اور محترم کی تحریر بتاتی ہے کہ اس حدیث کے بیان کرنے میں محمد بن مروان اکیلا فرد واحد نہیں ہے بلکہ اس کا ساتھی ابو معاویہ بھی ہے ان دونوں جملوں کا باہم تعارض ہے اگر اجلہ محدثین کی مانیں تو صاحب تسکین کی تردید و تغلیط لازم آتی ہے اور اگر صاحب تسکین کی بات تسلیم کریں تو تمام اساطین امت اجلہ محدثین پر بے اعتمادی ہوتی ہے نیز صاحب تسکین کی تحقیق کو ان تمام بزرگ محدثین کی تحقیق پر فائق کہنا ہوگا حالانکہ ابو یعلیٰ ان کے پیش نظر تھی پھر بھی وہ محمد بن مروان کو متفرد کہتے ہیں اور صاحب تسکین نے ابو یعلیٰ کی تصنیف کا ایک ورق بھی نہیں دیکھا محض نقل از کتاب کر کے اس پر باوجود خبر آحاد ہونے کے عقیدہ میں اعتماد کلی کر لیا اور لوگوں کو اس پر عقیدہ رکھنے کا آرڈر دیتے ہیں اور جو لوگ اس حدیث کا ذکر کرتے ہیں جس کا راوی ابو معاویہ ہے وہ صرف ابو یعلیٰ کا حوالہ دیتے ہیں۔ ابو یعلیٰ کے سوا کسی محدث کا نام نہیں لیتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابن عبد الہادیؒ کی بات صحیح ہے جو کہتے ہیں وقد رواہ بعضہم ہذا الحدیث من روایۃ ابی معاویۃ عن الاعمش وہو خطأ فاحش وانما ہو محمد بن مروان تفرد بہ وہو متروک الحدیث (الصارم المنکی ص ۹۰) یعنی بعض نے یہی حدیث ابی معاویہ عن الاعمش کی سند سے روایت کی ہے مگر یہ اس کی فحش غلطی ہے، دراصل یہ روایت محمد بن مروان کے طریق سے مروی ہے جو اس حدیث کے بیان کرنے میں اکیلا ہے اس کے سوا اور کسی نے یہ حدیث بیان نہیں کی۔ نہ ابو معاویہ نے نہ کسی اور نے اور محمد بن مروان کی اپنی پوزیشن یہ ہے کہ وہ محدثین کی نظروں میں متروک الحدیث ہے واضع الحدیث ذاہب الحدیث ہے اور تسکین ط ا ص ۱۰۹ میں بھی مان لیا گیا ہے۔

نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ محترم مولانا کی یہ غلط بیانی ہے جو فرماتے ہیں کہ یہ سند علامہ عبد الہادی کے پیش نظر نہیں ہے اور نہ اس کے راوی اور سند کی تضعیف کرتے ہیں (تسکین ط ا ص ۱۴۲)

ابن عبد الہادیؒ اس سند سے خوب واقف ہیں
تحقیق کر کے اس حدیث کو من گھڑت کہا

ابن عبد الہادیؒ تو اس حدیث کو صریح طور پر موضوع اور من گھڑت بتاتے ہیں کہ یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لوگوں نے من گھڑت بیان کی ہے نہ اس حدیث کو ابو ہریرہ رضؓ نے بیان کیا نہ ان کے شاگرد ابو صالح نے اور نہ ابو صالح کے شاگرد اعمش نے (محمد بن مروان نے جھوٹ موٹ اعمش کے طریق سے یہ حدیث روایت کر دی)

قلت ہٰذا الحدیث موضوع علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم یحدث بہ ابو ہریرۃ رضؓ ولا ابو صالح ولا الاعمش

(الصارم المنکی ص ۹۰)

پھر جن اصحاب نے اس کذاب کی روایت کو صحیح یا جید یا بسند جید یا باسناد جید کہا تو کسی ناسخ کی غلطی ہے جو نقلا بعد نقل اعتماداً وتقلیداً چلا آیا جس کا منشا وہی نسخہ ہے تصنیف ابو الشیخ کا جس میں محمد بن مروان کی جگہ ابو معاویہ لکھا ہوا تھا

ہمارے اس قول کا قرینہ

قرینہ اس کا یہ ہے کہ علامہ سیوطی رحؒ کے پاس تصانیف ابو الشیخ موجود تھیں جن کے حوالے اپنی کتب میں دیتے رہے ہیں انہیں نے: اللآلی المصنوعہ ج اص ۲۸۳ میں لکھا ہے کہ لا یصح؛ محمد بن مروان ہو السدی الصغیر کذاب وقال العقیلی لا اصل لہٰذا الحدیث

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیوطی رحؒ کے پاس جو تصنیف ابی الشیخ کا نسخہ تھا اس میں ابو معاویہ کا لفظ نہیں تھا۔ اسی لئے یہ حدیث نقل فرما کر لا یصح کا فتویٰ لگایا کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔ اور اس حدیث کے صحیح نہ ہونے کی دلیل یہ دی کہ چونکہ اس حدیث کی سند میں محمد بن مروان سدی صغیر ہے جو کذاب ہے اس لئے یہ حدیث صحیح نہیں ہو سکتی

اگر اس حدیث کی سند میں ابو معاویہ ہوتا تو سیوطی جیسا متساہل محدث کبھی لا یصح کا حکم نہ لگا تا خاص کر کے جب کہ سیوطی رحؒ کے پاس ابن حجر اور تصانیف سخاوی بھی موجود تھیں جن میں سندہ جید اور سندہٗ

جید کما افادہ شیخنا صاف لکھا تھا انہیں دیکھ کر اصل نسخہ ابوالشیخ رح کی تصنیف کو دیکھ کر سمجھ گئے کہ سند میں محمد بن
مروان ہے تو ابن حجرؒ کا سندہ جید کہنا تسامح ہے اس لئے ابن حجرؒ کا قول ترک دیا اور اصل نسخہ ابوالشیخ رح کو دیکھ کر
عدم صحت کا حکم لگایا۔

ہو سکتا ہے کہ حافظ ابن حجر رح کے ہاتھ ابوالشیخ کا وہ غلط نسخہ آگیا ہو جس میں محمد بن مروان کی جگہ ابومعاویہ
لکھا تھا تو ظاہر سند اور نسخہ کو دیکھ کر سندہ جید کہہ دیا ہو اور یہی ابن حجر رح کی کتاب کو دیکھ کر ان کے شاگرد
علامہ سخاوی رح نے تردد کے باوجود استاد صاحب پر اعتماد کرکے سندہ جید لکھ دیا اور چونکہ خود علامہ سخاوی رح کو
اس حدیث کی صحت میں تردد تھا اس لئے ساتھ ان الفاظ کا اضافہ فرما دیا کما افادہ شیخنا

لیکن تحقیق کرتے کرتے (العلم یزاد دیوما فیوما کے مطابق) جب سخاوی صاحب آگے بڑھتے ہیں تو فرماتے
ہیں اوردہ ابن الجوزی من طریق الخطیب واتہم بہ محمد بن مروان السدی ونقل عن العقیلی انہ قال لا اصل
لہذا الحدیث من حدیث الاعمش ولیس بمحفوظ (القول البدیع ص ۱۵۴) یعنی ابن الجوزی نے خطیب کے طریق
سے اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور محمد بن مروان سدی اس روایت کو بیان کرنے والا ہے جو احادیث موضوع
بیان کرنے کے ساتھ متہم ہوا ہوا ہے نیز محدث عقیلی سے یہ بات منقول ہے کہ اعمش کی حدیث میں سے اس حدیث
کا کچھ اصل نہیں ملا اور یہ حدیث محفوظ نہیں ہے

علامہ سخاوی رح کی یہ کتاب القول البدیع بھی علامہ سیوطی رح کے پاس موجود تھی اسی لئے امام سیوطیؒ نے
جامع صغیر ص ۱۷۴ میں یہ حدیث نقل کرکے ضعیف کی رمز لکھ دی من صلی علی عند قبری سمعتہ و
من صلّی علیّ نائیاً اُبلغتہ (ھب) عن ابی ھریرۃ رض (ض) اے ضعیف

ابوالشیخ کے شاگرد بیہقی خود اسی حدیث کو معلول کہتے ہیں

دُور کیوں جاتے ہو خود ابوالشیخ رح کا شاگرد علامہ بیہقی رح جو شعب الایمان اور حیاۃ الانبیاء میں اس حدیث
کو نقل فرماتے ہیں وہ خود اسی حدیث کو محمد بن مروان کی وجہ سے معلول فرماتے ہیں اور علامہ ذہبی رح نے بھی
محمد بن مروان سدی کو متروک اور متہم بالکذب کا ریمارکس دے کر اس کی بیان کردہ حدیثوں میں سے اس حدیث

کو خصوصیت سے بیان فرمایا حالانکہ اس کی بیان کردہ حدیثوں میں موضوعات بکثرت موجود ہیں جن میں سے یہ
ایک حدیث بطور نمونہ کے بیان فرمادی پھر لسان المیزان میں ابن حجرؒ نے بھی اس کی تردید نہیں فرمائی معلوم ہوتا ہے
کہ اس وقت تک یا تو ابوالشیخ کی کتاب آپ کے ہاتھ نہیں لگی پھر بعد میں جب وہ تصنیف مل گئی اور اس میں ابو معاویہ
لکھا پایا تو پہلے خیال سے رجوع فرمایا ہو اور ذہبی کے ساتھ اس امر میں موافقت چھوڑ دی ہو یا ابوالشیخ کی کتاب
آپ کے پاس پہلے سے موجود ہو جس سے آپ نے نقل کر کے سندہ جید لکھ دیا پھر لسان المیزان میں یہ تحقیق
بدل گئی تو ذہبی کے ساتھ موافقت کی اور اس سے پہلے کی تصانیف (جن میں سندہ جید لکھا تھا) دوبارہ تصحیح کا موقع
نہیں مل سکا۔ اور مصنفین پر ایسے دور گزرتے رہتے ہیں۔

پھر حضرت ملا علی قاری رحمہ نے تصانیف میں بڑی عجلت سے کام لیا ہے اس لئے حافظ ابن حجرؒ و سخاوی کی
سابقہ تحریر پر اعتماد کر کے انہوں نے بھی سندہ جید لکھ دیا۔ اور ملا علیؒ کی عجلت کا محمد حسن سنبھلی نے بکثرت ذکر فرمایا
پھر نواب صدیق حسن خان اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رح تو محض ناقل ہیں انہوں نے ان کا
قول نقل فرما کر اسی کی تحقیق پر صاد کر دیا

حدیث من صلی علیّ میں محمد بن مروان کو متفرد کہنے والوں کی فہرست

اب ہم ان محدثین کی فہرست لکھتے ہیں جنہوں نے محمد بن مروان کی وجہ سے اس حدیث کو ضعیف یا موضوع کہا

(۱) ابن کثیر نے تفسیر ص ۵۱۷ ج ۳ میں فرمایا تفرد بہ محمد بن مروان السدی الصغیر

(۲) سیوطی نے اللآلی ص ۲۸۳ ج ۱ میں کہا تفرد بہ محمد بن مروان

(۳) عبدالعزیز پرہاروی نے کوثر النبی میں لکھا۔ ہے تفرد بہ محمد بن مروان الصغیر السدی وہو متروک (قلمی نسخہ کتب خانہ میں موجود ہے)

(۴) ابن تیمیہ نے الرد علی الاخنائی ص ۲۱۰ و ص ۲۱۱ میں فرمایا لا یعرف الا من حدیث محمد بن مروان السدی الصغیر عن الاعمش وہو عند
اہل المعرفۃ بالحدیث موضوع عن الاعمش (محمد بن مروان کے سوا کوئی اس کا راوی نہیں محدثین کے نزدیک اعمش کے نام سے گھڑی گئی ہے
اسی طرح قاعدہ جلیلہ ص ۸۳ میں فرمایا وہذا ہو السدی الصغیر ولیس بثقۃ ولیس ہذا من حدیث الاعمش

(۵) ۵۔ ابن دحیہؒ نے کہا یہ حدیث موضوع ہے اس کا راوی متفرد ہے اور وہ محمد بن مروان سدی کذاب ہے (اسنی المطالب ص۲۱۱)

(۶) ۶۔ ابن عبدالہادیؒ نے کہا انما هو ابو عبد الرحمن محمد بن مروان تفرد به وهو متهم بالکذب متروک الحدیث (الصارم المنکی ص۱۴۰)

(۷) ۷۔ مولانا حسین علی گجراتیؒ نے تفسیر بے نظیر ص۵۵ میں فرمایا تفرد به محمد بن مروان عن الاعمش لیس بثقة

(۸) ۸۔ عقیلی لا اصل لهذا الحدیث (الضعفاء للعقیلی ص۱۳۶)

(۹) ۹۔ ابن الجوزیؒ: یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ اس کا راوی محمد بن مروان سدی ہے کیونکہ یحییٰ نے تفتیش کی ابن نمیر نے کہا کذاب ہے (ابو موضوعات ص۳۰۳)

(۱۰) ۱۰۔ محمد طاہر فتنیؒ: اس حدیث کا راوی محمد بن مروان سدی کذاب ہے (تذکرۃ الموضوعات ص۹۰)

(۱۱) ۱۱۔ علامہ جزریؒ نے بھی کہا اس حدیث کا راوی محمد بن مروان سدی صغیر ہے اور وہ متفرد ہے (مفتاح الحصن بحوالہ کوثر النبی)

(۱۲) ۱۲۔ امام سخاویؒ نے بھی کہا اس حدیث کا راوی محمد بن مروان سدی ہے (القول البدیع ص۱۵۱)

(۱۳) ۱۳۔ ابن قیمؒ: یہ غریب جدا ہے (جلاء الافہام ص۲۲) غریب وہ ہے جس کا راوی ایک ہی ہو اور وہ یہی محمد بن مروان ہے

(۱۴) ۱۴۔ ذہبیؒ: اس کا راوی محمد بن مروان سدی متروک و متہم بالکذب ہے اور حدیث جھوٹی ہے (میزان الاعتدال ص۲۱۳ ج۳)

(۱۵) ۱۵۔ بیہقیؒ: یہ حدیث محمد بن مروان کی وجہ سے معلول ہے والمعلول غیر معمول (اسنی المطالب فی احادیث مختلف المراتب ص۲۱۱)

(۱۶) ۱۶۔ ابن نمیرؒ سے عبداللہ بن قتیبہ نے اس حدیث کے بارے پوچھا ابن نمیر نے کہا اسے چھوڑ۔ محمد بن مروان کوئی شے نہیں (البانی ص۲۳۹)

(۱۷) ۱۷۔ امالی ابن شمعونؒ نے اسی طریق سے حدیث ذکر کی جس میں محمد بن مروان سدی ہے (امالی ابن شمعون ص۱۹۳ ج۲)

(۱۸) ۱۸۔ خطیبؒ نے اپنی تاریخ میں اسی طریق سے حدیث ذکر کی جس میں محمد بن مروان سدی ہے (تاریخ خطیب بغدادی ص۲۹۱ ج۳، ۲۹۲)

(۱۹) ۱۹۔ ابن عساکرؒ نے اسی طریق سے حدیث ذکر کی جس میں محمد بن مروان سدی ہے (تاریخ ابن عساکر ۲/۷۰/۳۱)

(۲۰) ۲۰۔ ابو بکر بن خلادؒ نے بھی اسی طریق سے حدیث ذکر کی جس میں محمد بن مروان سدی ہے (ابن خلاد ص۱۱۵ ج۲)

(۲۱) ۲۱۔ ابو ہاشم سیلنیؒ نے بھی اسی طریق سے حدیث ذکر کی جس میں محمد بن مروان سدی ہے (انتخاب علی ابن بشرویہ ص۲۷ ج۱)

(۲۲) (۲۲) البانی نے یہی لکھا

(۲۳) (۲۳) غایۃ الامانی میں بھی یہی لکھا

نوٹ: اگر کوئی شخص اور زیادہ جستجو کرے اور ہمارے محترم کی طرح اس کے پاس کتابوں کا انبار ہو تو اور بھی زیادہ علماء کرام کے نام مل جائیں گے۔ مگر نظر انصاف میں چاہیے۔ اللہم اہدنا الصراط المستقیم!

ان تمام اجلہ علماء محدثین کے بیانات سے اظہر من الشمس ہو گیا کہ اس حدیث کا راوی سوائے محمد بن مروان کے کوئی نہیں وہ ایک ہی اکیلا ہے۔

جب یہ بات متحقق ہو گئی کہ اس حدیث کا راوی صرف محمد بن مروان ہے۔ تو اب دیکھنا چاہیئے کہ کیسا آدمی تھا؟

قائلین سماع کا امام محمد بن مروان کیسا تھا؟

محمد بن مروان کے متعلق ابن جوزی اور مقتنی اور ابن دحیہ اور سیوطی نے کہا ہے کہ کذاب ہے (تنزیہ الشریعۃ ص۸۵ ج۱ تذکرۃ الموضوعات ص۸۹ و اسنی المطالب ص۲۱۶ و اللآلی المصنوعۃ ص۱۴۶ ج۱) صالح بن جزرہ کہتا ہے یہ بن گھڑت حدیثیں بیان کرتا تھا (الصارم المنکی ص۱۴۰) ابن حبان نے کہا اثبات اور پختہ لوگوں سے موضوع حدیثیں روایت کرتا تھا (صارم ص۱۴۰) ازدی نے کہا اس کی روایت کسی حال میں نہ لکھی جائے جریر اور ابن نمیر نے کہا متروک الحدیث اور متہم بالکذب ہے نسائی، دولابی، جوزجانی نے کہا متروک الحدیث ہے۔ یحییٰ بن معین نے کہا ثقہ نہیں ہے سعدی نے کہا ذاہب الحدیث ہے حاکم نے کہا یہ اپنی اکثر روایات میں گرا ہوا ہے۔ ابن عدی نے کہا اس کی اکثر روایات غیر محفوظ ہیں اور اسکی روایات پر ضعف ظاہر باہر ہے (میزان ص۳۲ ج۴) ذہبی نے کہا متروک اور متہم بالکذب ہے (اسنی المطالب ص۲۱۶) ابن کثیر نے کہا کہ متروک ہے۔ مغنی ص۶۳۱ ج۲ میں ہے کہ متروک و متہم ہے۔

(۲۱) ابوالفضل محمد بن طاہر قیسرانی شیبانی (متوفی سنہ ۵۰۷) نے تذکرۃ الموضوعات ص ۲۹ میں لکھا ہے،
محمد بن مروان السدی وہو کذاب نیز ص ۱۰۷ میں لکھا محمد بن مروان یروی الموضوعات عن الثقات

(۲۲) صاحب غایۃ الامانی ص ۱۷۳ ج ۱ میں کہا فانہ لا یعرف الا من حدیث محمد بن مروان السدی الصغیر عن الاعمش کما ظنہ البیہقی وما ظنہ فی ہذا ہو متفق علیہ عند اہل المعرفۃ وہو عندہم موضوع علی الاعمش

عباس الدوری نے یحییٰ بن معین سے روایت کیا ہے محمد بن مروان لیس بثقۃ

امام بخاری نے کہا سکتوا عنہ لا یکتب حدیثہ البتۃ ؛ دار قطنی نے کہا ضعیف ہے۔

جوزجانی نے کہا ذاہب الحدیث ہے ؛ نسائی نے کہا متروک الحدیث ہے۔

ابو حاتم رازی اور رازی نے کہا متروک الحدیث ہے

ابن عدی نے کہا ہے عامۃ ما یرویہ غیر محفوظ . والضعف علی روایاتہ بین

عبدالعزیز پر ہاروی نے کوثر النبی حصہ دوم (قلمی موجودہ در خانقاہ سراجیہ نزد کندیاں) و مجموعہ متروک قاعدہ جلیلہ ص ۴۷ میں ابن تیمیہؒ نے فرمایا ولیس بثقہ

اسنی المطالب ص ۲۱۶ میں ہے ابن دحیہؒ نے کہا محمد بن مروان سدی کذاب ہے

ابن عبدالہادیؒ نے الصارم المنکی ص ۱۹۰ میں کہا ابوعبدالرحمٰن محمد بن مروان متہم بالکذب متروک الحدیث

محمد طاہر فتنیؒ نے تذکرۃ الموضوعات ص ۹۰ میں کہا محمد بن مروان سدی کذاب ہے

ذہبیؒ نے میزان الاعتدال ج ۳ ص ۲۱۳ میں کہا محمد بن مروان سدی متروک متہم بالکذب ہے

سید محمد بن سید درویشؒ نے اسنی المطالب فی احادیث مختلف المراتب ص ۲۱۶ میں اس روایت کو بیہقی کے حوالہ سے کہا کہ محمد بن مروان کی وجہ سے یہ حدیث معلول ہے

عراقی نے تنزیہ الشریعۃ ص ۸۵ میں کہا محمد بن مروان سدی صغیر کذاب ہے

مناظر اسلام علامہ محمد عبدالستار صاحب کا فرمان در بارہ محمد بن مروان

اس ثعلبی کی بعض روایات کا سلسلہ محمد بن مروان السدی الصغیر پر ختم ہوتا ہے جس کو سلسلۃ الکذب اور وضع کی ایک کڑی بتایا جاتا ہے اور جو کٹر رافضی تھا تو ایسی موضوع ضعیف و بے بنیاد روایت سے شیعوں کے عقائد کا اصولی مسئلہ کیسے ثابت ہوگا حالانکہ عقائد اور اصول کے ثبوت کے لئے خبر واحد جو کہ ضعیف بھی نہ ہو کافی نہیں ہو سکتی۔ بلکہ متواتر روایات کے بغیر عقائد و اصول ثابت نہیں ہو سکتے (مناظرہ باگڑ سرگانہ ص ۱۴۳ و ص ۱۴۴ مابین حضرت مولانا تونسوی مدظلہ و مابین مولوی محمد اسمٰعیل)

تنبیہ

یہ یاد رہے کہ ان اجلۂ علماء نے متفقہ طور پر یہ کہا ہے کہ محمد بن مروان اس روایت میں منفرد یعنی اکیلا ہے۔ اگر یہ کہیں کہ ابوالشیخ کے طریق سے اعمش کا دوسرا شاگرد ابو معاویہ بھی محمد بن مروان کی طرح روایت کرتا ہے اور ابو معاویہ ثقہ اور صحاح ستہ کا مرکزی راوی ہے لہٰذا یہ روایت غریب جداً نہ رہی تو اس صورت میں ان اجلۂ محققین علماء کا یہ قول غلط ہو جائے گا کہ اس روایت میں محمد بن مروان متفرد ہے اور وہ کذاب ہے اور روایت موضوع علی الاعمش ہے۔ اور ابوالشیخ کے سوا کوئی محدث ابو معاویہ کا نام نہیں لیتا معلوم ہوتا ہے کہ ابوالشیخ کو مغالطہ ہوا ہے یا پھر کسی کاتب کا قلم سہو کر گیا ہے۔ یہی وجہ ہے

کو ابن عبد الہادی نے الصارم المنکی ص۱۹۰ میں صاف لکھا ہے کہ بعض محدثین (یعنی ابو الشیخ) نے یہ حدیث ابو معاویہ کی روایۃ سے اعمش سے روایت کی ہے لیکن وہ خطأ فاحش یہ ایک بہت بڑی فاحش غلطی ہے۔ دراصل یہ راوی محمد بن مروان ہے جو اس روایت کے بیان کرنے میں متفرد ہے اور وہ متروک الحدیث ہے (وہ راوی ابو معاویہ نہیں ہے)

سلف صالحین رحمہم اللہ تین صدیاں اس روایت سے بالکل ناواقف ہیں

اور ابو معاویہ راوی اگر بالفرض تسلیم ہی کر لیں اور یہ کہیں کہ ان جیسوں علماء کی نظر وسیع نہ تھی اور ابو الشیخ کی نظر وسیع تھی اول تو یہ بات ہی ایسی ہے کہ جس کو عقلمند مان نہیں سکتا اور اگر یہ بات مان ہی لیں تو ابو معاویہ جیسے ثقہ اور مرکزی راوی کی یہ روایت دوسرے کبار محدثین نے کیوں روایت نہیں کیا اور نہیں تو بیہقی جس نے شعب الایمان میں محمد بن مروان کی روایت ذکر کی ہے تقویت کے لئے ابو معاویہ کی روایت بھی متصلاً بیان کر دیتا۔ لیکن بیہقی رحمہ اللہ محمد بن مروان کے طریق سے روایت بیان کر کے اتنا تو کہہ جاتے ہیں کہ محمد بن مروان کی وجہ سے یہ روایت معلول ہے (جیسے اسنی المطالب کے حوالہ سے لکھ آیا ہوں) مگر ابو معاویہ کے طریق سے یہ حدیث ذکر کر کے اس معلول روایت کو تقویت نہیں دے سکے معلوم ہوا کہ اس حدیث کو محمد بن مروان کے سوا کوئی روایت کرتا ہی نہیں۔ اسی لئے صحاح ستہ کے مؤلفین نے اس کذاب متروک الحدیث ذاہب الحدیث وضاع راوی کی یہ روایت نہیں لی اور نہ دارمی نے نہ دارقطنی نے نہ ابو داؤد طیالسی نے نہ حمیدی نے نہ ابو سعید نے اور نہ کسی اور محدث نے اور جن محدثین نے یہ روایت بیان کی ہے انہوں نے صرف محمد بن مروان کا نام لیا ہے اور پھر ساتھ ہی جرح بھی کر دی۔

قابل غور یہ بات ہے کہ امام احمد بن حنبل کے براہ راست استاذ ہیں ابو معاویہ، باوجود اس کے امام احمدؒ نے ابو معاویہ کی روایت کو ذکر نہیں کی اگر صحیح ہوتی تو اس کی حدیث ذکر کرتے۔

نیز ابو معاویہ پر خود امام احمد رحمہ اللہ نے جرح فرمائی۔ دیکھو کتاب العلل ومعرفۃ الرجال ص۱۹۳

مرکزی راوی
ابومعاویہ الضریر کیسا تھا ؟

ابومعاویہ ضریر جو امام احمد بن حنبل کا براہِ راست استاذ ہے امام احمدؒ کی نظر میں وہ کیسا راوی ہے اس کے متعلق ان کا اپنا نظریہ اس کے بارہ میں ان کی اپنی تصنیف کتاب العلل ومعرفۃ الرجال ج ۱ ص ۱۹۶ میں لکھا ہوا موجود ہے۔ آپ لکھتے ہیں ان ابا معاویۃ یخطئ فی احادیث من احادیث الاعمش [۲] اور ص ۳۸۸ میں لکھا ان ابا معاویۃ یخطئ علی الاعمش خطأً یعنی ابومعاویہ اعمش کی روایت کردہ حدیثوں میں بھی خطا کر جانے کا عادی ہے! [۳] اور ص ۴۰۱ میں ابومعاویہ ضریر کی اعمش سے روایت کر کے ابن مہدی کے حوالہ سے فرمایا ہٰذا من ضعیف حدیث الاعمش یعنی یہ حدیث من جملہ ان احادیث ضعیفہ کے ہے جو اعمش سے روایت کی گئی ہیں

امام احمد بن حنبل کے نزدیک جو پوزیشن ابومعاویہ کی ہے وہ آپ دیکھ چکے ہیں اب محترم مولانا صاحب کا تسکین الصدور ط ۲ ص ۳۱۹ میں ارشاد فرمانا " صد حیرت ہے کہ اب تو ایسے ثقہ اور ثبت راوی کو بھی مختلف فیہ بنایا جا رہا ہے فالی اللہ المشتکیٰ " کیسے درست ہو سکتا ہے۔

یہ بات تو دیکھ لی کہ " امام ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ (ابومعاویہ) امام اعمشؒ سے روایت کرنے میں اثبت ہیں (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۱۳۸) علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ ولیضطرب فی غیر حدیث الاعمش (تذکرہ ج ۱ ص ۲۷۱) اعمشؒ کے علاوہ دوسروں سے روایت کرنے میں گڑبڑی کر جاتے ہیں۔ اور یہ روایت اعمش کے طریق سے ہے اھ

مولانا کی حق سے چشم پوشی

مگر امام احمد بن حنبلؒ کی کتاب العلل ومعرفۃ الرجال نہ دیکھی؟ ضرور دیکھی مگر چونکہ امام احمد بن حنبل کا نظریہ ان کے حق میں نہ تھا اس لئے اس کو دیکھ کر چشم پوشی کر دی اور امام ابن معین کی بات چونکہ ان کے حق میں تھی اس لئے اس کو واضح الفاظ میں آشکارا کر کے لکھا۔ اور لوگوں کو یہ بات سمجھاتے ہیں کہ جب امام

انہوں نے ابو معاویہ عن اعمش کو اثبت فرمایا تو یہ متفق علیہ ثقہ اور ثبت راوی ہوا کوئی محدث ایسا نہیں جو ابو معاویہ کو ثقہ اور ثبت نہ کہے۔ چونکہ امام احمد بن حنبل بھی محدث ہیں امام بخاریؒ جیسوں کے استاذ ہیں وہ بھی تمام محدثین کے ہم نوا ہیں اور ابو معاویہ کو ثقہ اور ثبت سمجھتے ہیں

مگر واقعہ بالکل اس کے خلاف ہے کیونکہ اگر احمد بن حنبلؒ ابو معاویہ کو ثبت سمجھتے تو اُن کے حق میں مخطئ کا لفظ استعمال نہ فرماتے کہ وہ خطا کرنے کا عادی ہے

میں تو کچھ نہیں کہہ سکتا کہ مولنا میرے محترم ہیں مگر جو علماء ان کتابوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے تو یہی کہیں گے کہ محترم نے علمی خیانت سے کام لیا ہے بلکہ کتمانِ حق سے کام لیا ہے اور اس حدیث میں جس کا تعلق عقیدہ سے ہے ایک مختلف فیہ راوی کو ثقہ ثبت بالاجماع بتاتے ہیں اور متفق علیہ کہہ کر امام احمد بن حنبلؒ کو بھی اپنی طرف کھینچتے ہیں۔

جب یہ بات متحقق ہو گئی کہ ابو معاویہ اعمش کی روایت میں غلطیاں مارتا ہے اور خلط ملط کرتا ہے تو

امام ذہبی کی عبارت کا صحیح مفہوم

علامہ ذہبی کی عبارت کا جو تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۷۱ میں درج ہے مفہوم یہ ہوگا کہ ابو معاویہ جیسے اعمش کی روایت میں مختلط مخطی اور مضطرب ہے ایسے ہی غیر اعمش کی روایت میں بھی مضطرب ہے تو ایضاً کا لفظ یہاں مقدر مانا جائیگا جیسا اور بہت سے مقامات پر ایضاً کا لفظ مقدر کیا جاتا ہے۔ مدرسین و طلبہ پر مخفی نہیں

اور اگر یہ مطلب نہ لیں تو پھر مفہوم عبارت کا یوں ہوگا کہ اعمش کے سوا دوسروں کی روایت میں ابو معاویہؒ بالاتفاق مضطرب ہے رہی ابو معاویہ کی وہ حدیثیں جو اعمش سے مروی ہیں سو اُن میں محدثین کا باہم اختلاف ہے امام احمد بن حنبلؒ جیسے اعمش کی احادیث میں بھی ابو معاویہ کو مضطرب کہتے ہیں اور کئی خاموش ہیں یا غیر مضطرب کہتے ہیں لیکن اعمش کی احادیث میں ابو معاویہ مضطرب ہے یا نہ؟ یہ مسکوت عنہ کے درجے میں ہے۔ اگر مضطرب کسی جگہ ثابت ہو گیا تو مضطرب کہنے سے مفر بھی نہ ہوگا۔

لیکن امام احمد بن حنبلؒ جیسا محتاط محقق محدث جب اپنے شیخ ابو معاویہ پر جرح کرتے ہیں اور صاحب

البیت اور نی بمافیہ کے مثل احمد بن حنبلؒ کو جس قدر اپنے استاذ کے بارے علم ہو سکتا ہے دوسروں کو اس قدر علم نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ صدیوں بعد آنے والوں کو علم ہو۔ اور خود محترم کے فرمان کے مطابق امام احمد بن حنبلؒ اقدم واعلم ہیں اس لئے ان کا قول اولیٰ بالقبول ہے۔ نیز دوسروں نے اعمش کی احادیث میں (جو ان تک پہنچی ہیں) اضطراب نہ پایا ہوگا اس لئے انہوں نے اپنے علم کے مطابق فرمادیا یضطرب فی غیر الاعمش اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اعمش کی روایت کردہ بعض بعض وہ احادیث بھی پہنچی تھیں جن میں اعمش کا شاگرد ابو معاویہ الضریر مضطرب تھا۔ یہی تحقیق اس بات کا سبب بنی کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جیسے ابو معاویہ احادیث غیر اعمش میں مضطرب ہے ایسے ہی احادیث اعمش میں بھی مضطرب ہے اور ظاہر ہے کہ مثبت کو ساکت اور نافی پر ترجیح ہوتی ہے الّا یہ کہ نافی کی نفی مبنی بر دلیل ہو لوعہ استصحاب الحال کے طریق پر نہ ہو۔ اور اعمش کی احادیث میں ابو معاویہ کا مضطرب نہ ہونا مدلل اس وقت ہوگا جب کہ ان تمام احادیث کا تتبع اور استقراء کیا جائے جن میں ابو معاویہ اعمش سے روایت کرتا ہو پھر تمام طرق پر نظر کی جائے پھر کسی حدیث میں بالاتفاق اضطراب کا سراغ نہ ملے۔ ورنہ تو مثبت ہی کو ترجیح ہوگی۔

امام احمد بن حنبلؒ عقیدہ کی اہم حدیث اپنی مسند میں کیوں نہیں لائے؟

اگر ابو معاویہ کے متعلق یہ بات تسلیم کرلیں کہ وہ متفقہ طور پر ثقہ ثبت تھا امام احمدؒ بھی اسے ثقہ ثبت سمجھتے ہیں تو جیسے ابو معاویہ کی اعمش سے بیان کردہ اور احادیث کو اپنی کتاب کی زینت بنایا ہے اس حدیث کو بھی اپنی مسند میں جگہ دیتے بلکہ چونکہ بزعم شما یہ عقیدہ صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ کا متفق علیہا تھا اس کا ایراد اہم ترین امور میں سے تھا اس لئے اس مسئلہ کو ضرور لاتے خصوصاً اس دور میں جب کہ اہل اعتزال کا مقابلہ تھا اور بقول شما معتزلی لوگ حیاۃ الانبیاءؑ اور سماع عند قبر النبی ﷺ کے منکر تھے۔۔

لیکن باوجود ان تمام بواعث ومحرکات کے اس لازمی حدیث کو اپنی مسند میں نہ لانا یہ اشارہ اس طرف کر رہا ہے کہ حدیث میں کوئی ایسا سقم تو ضرور ہے جو ان محرکات کے باوجود مانع بن رہا ہے مسند میں درج کرنے سے۔ نیز اگر اس حدیث کا راوی ابو معاویہ ہوتا جو بزعم شما متفق علیہ ثقہ وثبت راوی ہے تو امام ابن تیمیہؒ

الرد علی الاخنائی ص ۲۱۰ و ۲۱۱ میں یوں نہ فرماتے لا یعرف الا من حدیث محمد بن مروان السدی الصغیر عن الاعمش وھو عند اہل المعرفۃ بالحدیث موضوع عن الاعمش یعنی محمد بن مروان کے سوا اس کا کوئی راوی نہیں ہے اور محدثین کے نزدیک یہ حدیث اعمش کے نام سے جھوٹ موٹ گھڑی گئی ہے۔ اعمش نے یہ حدیث کہیں بیان نہیں کی اور نہ قاعدہ جلیلہ ص ۵۷، میں فرماتے ولیس ہٰذا من حدیث الاعمش یعنی یہ حدیث اعمش کی بیان کردہ نہیں ہے۔

اور امام ابن قیمؒ بھی جلاء الافہام ص ۱۹ میں یہ حدیث نقل کر کے غریب جدًا نہ کہتے کیونکہ جب آپ کے زعم کے مطابق محمد بن مروان کا ساتھی اعمش سے یہ حدیث بیان کرنے والا ابو معاویہ بھی ہے جو ثقہ و ثبت بالاجماع ہے تو دو راویوں کے ہوتے ہوئے غریب جدًا کیونکر ہو گیا۔ کیا ثقہ ثبت راویوں کے ہونے پر بھی روایت غریب جدًا ہو سکتی ہے جب کہ راوی بھی دو ہوں؟

مولانا سے استفسار

میں محترم جناب سے استفسار کر سکتا ہوں کہ آپ کے نزدیک ان دو قسموں میں سے پہلی غریب کی کونسی قسم ہے فن غریب الحدیث یا کسی حدیث کا غریب ہونا

اول الذکر یعنی فن غریب الحدیث یہاں مراد نہ ہونے کے بارے محترم جناب نے ص ۳۲۳ میں تصریح فرمادی" اور من صلی علیّ عند قبری الحدیث اس معنے میں غریب نہیں ہے کیونکہ اس کے متن میں کوئی ایسا لفظ واقع نہیں جو بعید الفہم اور مشکل ہو

مؤخر الذکر یعنی کسی حدیث کا غریب ہونا (جس کی سند میں صحابی رضؓ سے نیچے نیچے کہیں نہ کہیں ایک ہونا) گفتگو اس میں ہے کہ یہ حدیث جو غریب جدًا ہے اسی ثانی معنے سے ہے۔ یعنی اس حدیث کا راوی صحابیؓ سے نیچے نیچے کہیں نہ کہیں ایک اکیلا ہو اور یہ بات اس حدیث میں علی الوجہ الاتم پائی جاتی ہے کیونکہ اس حدیث میں صرف ایک جگہ تفرد نہیں بلکہ تفرد کی زنجیر میں جکڑی ہوئی ہے جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے کہ حضرت امام فی الدین امام ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے سینکڑوں شاگرد ہیں جن میں سے کوئی ایک شاگرد بھی یہ حدیث بیان نہیں کرتا ان کے تمام شاگردوں میں سے ایک شاگرد ابو صالح ہی یہ حدیث بیان کرتے ہیں (ابو صالح بھی نا معلوم کونسا ہے اور ذکوان السمان کا دعویٰ بلا دلیل ہے جیسے ص ۳۲۰ میں بخاری کی سند

پیش کر کے زور سے منوایا گیا ہے، چلو تسلیم ہی کریں کہ یہ ابو صالح واقعی وہی ذکوان ہی ہے تو ہے تو اکیلا اس کا ساتھی ایک بھی ایسا نہیں جو یہ روایت بیان کرے ایسی حدیث کو غریب کہتے ہیں پھر ابو صالح کے بیسیوں شاگرد ہیں جن میں سے ایک بھی ایسا نہیں جو یہ روایت بیان کرے سوائے اعمش کے تو اعمش اس روایت میں منفرد اور اکیلا ہے تو ڈبل غریب بن گئی۔ پھر اعمش کے کئی شاگرد ہیں جن میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو اس حدیث کو روایت کرے سوائے محمد بن مروان کے وہ اس اہم حدیث کے بیان کرنے میں منفرد ہے تو یہ حدیث ترپل غریب بن گئی یہی وجہ ہے کہ امام ابن قیمؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے مگر محض غریب نہیں بلکہ غریب جداً یوں کہئے کہ یہ حدیث نہ تو سنگل غریب ہے نہ ڈبل غریب ہے بلکہ ترپل اور ہائل غریب ہے

محترم کا یہ کہنا درست ہے کہ تمام غریب حدیثیں ضعیف نہیں ہوتیں بعض غریب حدیثیں صحیح بھی ہوتی ہیں۔ لیکن ہم نے کب دعویٰ کیا ہے کہ اکثر غریب نہیں بلکہ تمام کی تمام غریب حدیثیں ضعیف ہوتی ہیں اور نہ میری کسی عبارت سے یہ بات مترشح ہوتی ہے

بعض حدیث غریب صحیح ہوتی ہیں بعض حسن بعض ضعیف بلکہ بعض موضوع۔ کیونکہ مدار راویوں پر ہے اور حدیث من صلی علی عند قبری میں چونکہ راوی محمد بن مروان سدی صغیر کذاب، متہم بالکذب ذاہب الحدیث وغیرہ ہے اور اپنی روایت میں اکیلا بھی ہے اس لئے اس غریب حدیث کو صحیح کہنا انصاف نہیں اور مثلاً صحیح بخاری کی پہلی حدیث انما الاعمال بالنیات آہ غریب ہے مگر چونکہ رواۃ سب ثقہ ثبت ہیں اس لئے یہ صحیح ہے

ایک اور سوال

اور یہ جو محترم نے ص ۳۲۵ میں فرمایا ہے جمہور اہل السنۃ والجماعت کا استدلال ابو الشیخ کی سند سے ہے" اس کے متعلق سوال یہ ہے کہ ابو الشیخ سے پہلے جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کا استدلال کونسی حدیث سے تھا یا پھر بغیر سند کے انہوں نے اپنا عقیدہ بنالیا۔ کیا اجماع کے لئے سند ضروری نہیں ؟

ایک اور سوال

نیز آپ کی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ جمہور اہل سنت وہ ہیں جو اس حدیث کی سند کو جید کہیں اور جو گ

اس حدیث کی سند کو جید نہ کہیں وہ جمہور اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج ہیں

پس یہ مندرجہ بالا علماء آپ کے خیال میں اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج ہیں؟ جو اس حدیث کا راوی صرف محمد بن مروان مانتے ہیں اور ابو معاویہ کا نام تک نہیں لیتے ؟

اور اگر یہ تسلیم کر لیں کہ اس حدیث کا راوی ابو معاویہ بھی ہے تو دو راوی ہو گئے ایک کذاب جو کالمعدوم ہے دوسرا ابومعاویہ تو ثقہ ثبت ہے (علیٰ زعمکم) تو ایک ہی ہوا پھر اس کے بیسیوں شاگردوں میں سے صرف ایک ہی شاگرد الحسن بن الصباح اس حدیث کو بیان کرتا ہے تو اس جگہ بھی حدیث غریب ہوئی پھر الحسن بن الصباح کے شاگردوں میں سے صرف ایک ہی شاگرد عبدالرحمٰن بن احمد الاعرج بیان کرتا ہے جو ایک مجہول راوی ہے پھر عبدالرحمٰن بن احمد الاعرج سے روایت کرنے والے صرف ابو الشیخ ہیں تو اس جگہ کو دیکھتے ہوئے بھی حدیث غریب ہوئی . . .

پھر اگر ان اجلہ محدثین کی بات کو لیں کہ "محمد بن مروان سدی صغیر کذاب متفرد ہے" تو کیا تعامل سے ایسا ضعف اٹھ سکتا ہے؟ کیا کہنے والا یہ نہیں کہہ سکتا کہ جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدہ کی اصل مدار ایک کذاب اور متہم بالکذب راوی پر ہے جسے دیکھ کر مطلق قرآن کو چھوڑ کر بیٹھ گئے

الغرض یہ روایت اصول حدیث کی رو سے بالکل ناقابل اعتبار اور جھوٹی ہے اور سوائے ابن حجرؒ کے کسی محدث نے متقدمین میں سے اس کو صحیح یا جید نہیں کہا اور سخاویؒ نے اپنے استاذ کی تقلید میں سندہ جید کہہ دیا اور باقی ملا علی قاریؒ، نواب صدیق حسن خانؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ناقل ہیں یہ تو کہ انہوں نے یہ لکھتے وقت ابن عبدالہادیؒ کی اس تخطیہ اور تغلیط کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اور شارحین کے ذمے ہوتا ہے ایسے ایسے شبہات کا جواب دینا۔ لیکن اس سے طی لسان القلم کرنا خود واضح دلیل ہے کہ انہوں نے ابن حجرؒ کی تقلید کی ہے؛ اور سوائے آپ کے ان اکابر محدثین میں سے کسی نے ان اجلہ محدثین کے قول "تفرد بہ محمد بن مروان" کا کوئی جواب نہیں دیا۔

اس حدیث کا راوی ابو معاویہ سمجھنے میں دینی نقصان عظیم ہے

نیز جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ جمہور کا استدلال اس حدیث سے ہے جس میں محمد بن مروان کی جگہ ابو معاویہ ہے تو ان کا مطلب یہ ہوا کہ جتنے اجلہ علماء نے تفرّد بہ محمد بن مروان کہا ہے وہ یا تو جھوٹے تھے یا وہ سارے کے سارے اپنی تحقیق میں ناکام رہے ہیں یا انہوں معتزلیوں کے خوف سے تقیہ یا کتمان حق کیا اور وہ سب کے سب ڈرپوک تھے والعیاذ باللہ یا معاذ اللہ یہ سب کے سب درپردہ معتزلہ کے ساتھ تھے معاذ اللہ

ایک اہم سوال

ہماری مندرجہ بالا تحقیق کے بعد قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اس حدیث کا یہ حال ہے تو اس کی کیا وجہ ہے کہ جو عالم اس حدیث پر جرح کرتا ہے خود اس کا اپنا عقیدہ یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر جاکر سلام کہا جائے تو آپؐ بہ نفس نفیس سلام سن لیتے ہیں

الجواب بعون الملک الوہاب

اصل بات یہ ہے کہ ہمارے حنفی علماء کی اکثریت سماع موتی کی قائل نہیں ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں مل سکتا جس نے انبیاء کرام علیہم السلام کو اس قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ فرمایا ہو کتب فقہ حنفیہ کا ذخیرہ علماء کے پاس کم نہیں۔ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔

البتہ بعض حنفیہ جو دوسرے ائمہ کے مقلدین کی کتب بینی کرکے ان کے مسلک کے ہمنوا ہو گئے ہیں اور دوسرے ائمہ کے مقلدین سماع عند قبر النبیؐ کے قائل ہیں۔ اس کی وجہ در اصل یہ ہے کہ ان کا اپنا مسلک یہ ہے کہ میت کوئی بھی ہو اس کی قبر پر جا کر السلام علیکم کہا جائے تو میت سنتا ہے خواہ اس سننے کی کیفیت کچھ بھی ہو۔ تو اس عموم کے تحت سب ہی اموات آجاتے ہیں خواہ عامی ہوں خواہ خواص، خواص میں سے خواہ صوفی ہو یا عالم فاضل ہو یا اولیاء اللہ اور صالح ہو شہید ہو یا صدیق ہو یا پیغمبر ہو کچھ فرق نہیں۔ جب قاعدہ کلیہ ہو گیا تو اس میں یہ سوال پیدا ہونے کا امکان ہی نہیں کہ شوافع، مالکیہ حنابلہ سماع عند قبر النبیؐ کے کس طرح قائل ہو گئے جب کہ خود ہی اس حدیث پر پُر زور جرح بھی کرتے

جاتے ہیں

حاصل جواب کا یہ ہوا کہ قبر نبیؐ کے سامنے کھڑے ہو کر سلام کہنے کے ساتھ جو آں حضرتؐ کے سماع کے قائل ہیں اس کی یہ وجہ نہیں کہ ان کے پاس کوئی ایسی صحیح حدیث موجود ہے جس کی بنا پر وہ سماع عند قبر النبی م کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ مطلقاً سماع موتیٰ کے قائل ہیں، تو اس کلیہ میں انبیاء کرام بھی آجاتے ہیں۔ یعنی جب دوسرے اموات سنتے ہیں ایسے ہی انبیاء کرام علیہم السلام بھی سنتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ابن تیمیہؒ ابن قیمؒ ابن عبد الہادیؒ ہوں یا ابن حجرؒ سیوطیؒ نودیؒ یا عیاضؒ ہوں یا شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ ملا علی قاریؒ وغیرہ ہوں سب سماع عند قبر النبی کے اس لئے قائل ہیں کہ وہ مطلقاً سماع موتیٰ مانتے ہیں اور جو سماع اموات کے منکر ہیں ان میں سے کسی نے انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع عند قبر النبیؐ کو مستثنیٰ نہیں فرمایا۔ سب کے سب بلا استثناء انبیاء کے سماع اموات کے منکر ہیں

اور حضرت شیخ شیخ الشیخ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحہ نے جو سماع کا قول فرمایا ہے تو وہ اس لئے کہ وہ طبعی موت (مفارقۃ الروح من البدن) کے قائل ہی نہیں وہ موت کے معنے ستر الحیاۃ کرگئے ہیں یعنی حیات دنیویہ بدستور قائم ہے حیاۃ نبوی دائمی ہے کیونکہ ارواحِ انبیاء کرام علیہم السلام کا اخراج نہیں ہوتا یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کی روح ان کے جسدِ اطہر سے نکالی نہیں جاتی بلکہ جسد اطہر کے اندر ہی اندر سمٹ جاتی ہے بظاہر بھی محسوس نہیں ہوتی مگر وہ بدستور زندہ ہیں۔ ممکن نہیں کہ ان کی حیات زائل ہو جائے (گویا آپ حی لایموت ہیں۔ بس آپؐ اپنی قبر اطہر (آرامگاہ اور معتکف) میں عزلت نشین ہیں۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام کے ماسوا دوسرے لوگوں کی ارواح کو خارج کر دیتے ہیں۔ اور جب حضرت نانوتویؒ کے نزدیک ارواحِ انبیاء اجسادِ مطہرہ سے خارج ہی نہیں ہوتے بلکہ اندر ہی اندر سمٹے رہتے ہیں اور حیات دنیوی علی الاتصال اب تک برابر مستمر ہے تو پھر جیسے ظاہری حیاتِ دنیوی میں آپ سنتے تھے ایسے ہی بدستور حیاتِ دنیوی میں آپ سنتے ہیں

لیکن دوسرے علماء موت کے ستر الحیاۃ نہیں کرتے اور نہ یہ کہتے ہیں کہ ارواحِ انبیاء کرام علیہم السلام کا اخراج نہیں ہوتا کیونکہ ان کا استدلال قُبِضَ رسول اللہ م قبض روح رسول اللہؐ مات رسول اللہ م

مُفضی الوسیلہ، توفّیِ رسول اللہ ؐ ہی سے نہیں گو ان میں بھی کچھ تاویل کی گنجائش نہیں ہے بلکہ حدیث کے ان صریح الفاظ سے بھی ان کا استدلال ہے کہ خَرَجَتْ نَفْسُہٗ صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے وہ کہتے ہیں کہ آپ ؐ پر طبعی موت وارد ہوئی ہے اور روح مبارک آپ ؐ کے جسدِ اطہر سے نکل کر "الرفیق الاعلیٰ" (کما فی مسند احمد) ملأ اعلیٰ، کی طرف پرواز کر گئی اور جہاں مستقر ارواحِ انبیاء ہے وہیں آپ ؐ کی روح مبارک بھی تشریف لے گئی۔ اور اپنے اس عالی شان منزل میں پہنچ گئی کہ جس میں داخل ہونے کی خواہش کا اظہار خواب میں آپ ؐ نے فرشتوں کے سامنے فرمایا تھا

پھر جو لوگ سماع کے قائل ہیں وہ توجیہ یہ کرتے ہیں کہ روح مبارک کا جسد عنصری کے ساتھ تعلق اشراقی ہے اور بعض یہ توجیہ کہتے ہیں کہ رُدّت الیہم ارواحہم بعد ما قبضوا و دفنوا یعنی آپ ؐ کی وفاتِ طبعی اور دفن ہونے کے بعد پھر اُن کے ارواح کو اُن کے اجسادِ طیبہ طاہرہ کی طرف واپس کر دیا گیا اس لئے وہ اب بلا توسط زائرین کے صلوٰۃ و سلام کو سنتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ کسی حدیث کی رو سے نہ پہلی توجیہ ثابت ہوتی ہے نہ دوسری توجیہ اور محض اقوالِ رجال حجت نہیں ہو سکتے

قائلین سماع عند قبر النبی ؐ

یہ نہیں مانتے کہ حجرہ شریفہ سے باہر سلام کی آواز آپ ؐ خود سُن لیتے ہیں

ہاں تو جو لوگ سماع عند قبر النبی ؐ کے قائل ہیں تو حجرہ شریفہ سے باہر کھڑا ہونے والے زائر کے بارے یہ کبھی نہیں کہتے کہ اس کا بھیجا صلوٰۃ و سلام آپ ؐ سنتے ہیں چہ جائے کہ پانچ پردوں سے باہر دور سے سُنیں

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے الرد علی الاخنائی ص ۲۵۱ میں فرمایا

"وہ احادیث صحیح ہیں جن میں مروی ہے کہ آپ ؐ پر صلوٰۃ و سلام پہنچانے کے لئے فرشتے مقرر ہیں، لیکن اس بات پر کوئی دلیل موجود نہیں کہ جو شخص حجرہ شریفہ سے باہر آپ ؐ پر سلام بھیجتا ہے آپ ؐ اس کے سلام کو سنتے ہیں۔ صحیح حدیث میں مروی ہے کہ مسجد میں داخل ہونے والا انسان اگر اپنی آواز کو اونچا کرے تو وہ گستاخ اور بے ادب ہے۔ پس مسجد میں اونچی آواز کے ساتھ سلام کہنا جب بے ادبی ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ سلام آہستہ آواز کے ساتھ کہا جائے تو کیا جب آواز پست کے ساتھ سلام کہا جائے گا تو سلام کہنے والے کی آواز آپ ؐ تک پہنچ سکے گی؟

اور ص ۲۵۰ میں لکھا کہ حضرت عمر بن عبد العزیز تابعی جلیل اور خلیفہ راشد رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کے حجرہ شریفہ کے دروازے کو بند کر دیا تھا جس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدفون ہیں اور اس کے گرد ایک اور دیوار بنا دی۔ اس کے بعد آپؐ پر سلام بھیجنے والے لوگ قبر اطہر سے بہ نسبت پہلے لوگوں کے زیادہ دُور ہو گئے اھ (اب موجودہ صورۃ حال یہ ہے کہ اس دیوار گرد گنبد خضراء ہے پھر اس کے گرد جالی ہے، پھر زائر اس جالی سے ہٹ کر صلوٰۃ وسلام کہتا ہے اب تو اور زیادہ بُعد ہو گیا اور عند قبر النبیؐ کا مصداق نہ رہا۔

بلکہ شیخ الاسلام تو سلام سننے کے سرے سے انکار کرتے ہیں اور اس حدیث کی تردید کرتے ہیں جس میں سمعتہ آتا ہے (تو گویا والعیاذ باللہ بدعۃ ضلالہ کے موجد شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ہوئے) محترم سمجھ گئے ہوں گے

چنانچہ الرد علی الاخنائی ص ۲۵۵ میں فرماتے ہیں:

علی بن حسینؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ قبر نبویؐ کے قریب ایک کھڑکی میں داخل ہوا تو انہوں نے اسے روکا اور فرمایا کہ میں تمہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بتاتا ہوں آپؐ نے فرمایا کہ تم میرے گھر کو میلہ نہ بنانا اور اپنے گھروں کو قبریں نہ بنانا تم جہاں بھی ہو تمہارا سلام مجھ تک پہنچتا رہتا ہے۔ اس مضمون کی معروف حدیثیں متعدد طرق سے مروی ہیں، ان سب کا ملخص یہی ہے کہ امت کا جو شخص بھی آپؐ پر صلوٰۃ وسلام بھیجتا ہے اس کا صلوٰۃ وسلام آپ پر پہنچتا ہے، لیکن کسی روایت میں مذکور نہیں کہ آپؐ درود وسلام کی آواز کو سنتے ہیں، البتہ وہ لوگ جو آپ کی قبر اطہر کے قریب (عند قبر النبیؐ) کھڑے ہو کر آپ پر سلام کہتے ہیں تو آپؐ جواباً ان کو سلام کہتے ہیں جس طرح کہ تمام مؤمن بھی جب ان پر سلام کہا جاتا ہے تو وہ سلام کا جواب دیتے ہیں۔ اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ خصوصیت نہیں ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور قبر اطہر کے قریب سلام کہنے اور آپؐ کا اسے جواب دینے کی حدیث پہلے گذر چکی ہے جس کی سند قابل حجت نہیں ہے اگرچہ بعض دوسری حدیثوں سے اس کا مفہوم ثابت ہے لیکن سند میں محمد بن مروان ثقہ نہیں۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث کو تحریر نہ کیا جائے۔ جوزجانیؒ نے اس کو ذاہب الحدیث کہا۔ نسائیؒ نے کہا کہ وہ متروک الحدیث ہے اور بھی جارحین نے اس کی جملہ روایات کو غیر محفوظ قرار دیا ہے۔ البتہ دیگر احادیث کو ملاتے ہوئے یہ کہا جائے گا کہ آپؐ پر صلوٰۃ وسلام پہنچانے کے لئے فرشتے مقرر ہیں ورنہ آپ کا سننا ثابت نہیں، اسی طرح بعض جاہل لوگوں کا یہ کہنا کہ آپؐ جمعہ کی رات اور دن کو خصوصیت کے

ساتھ سنتے ہیں بالکل باطل اور لغو ہے اور اسی طرح یہ نظریہ کہ آپؐ تمام مخلوق کی آوازوں کو سنتے ہیں بالکل لغو ہے یہ وصف تو رب العالمین کا ہے جو تمام کی آواز کو سنتا ہے

یہ کہنا کہ عنصری کانوں اور آنکھوں سے سنتے دیکھتے ہیں باطل ہے

رہا یہ قول کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ان عنصری کانوں سے سنتے ہیں اور اپنی ان عنصری آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو یہ بات آج تک کسی نے نہیں کی نہ کسی حدیث میں ہے اور عقل کے خلاف بھی ہے کیونکہ ایک زندہ آدمی جاگنے کی حالت میں باہر میدان میں بیٹھا ہوا ہو دن کا وقت ہو نظر بھی صحیح سالم ہو اور اس کو اپنے سامنے کی چیز یا دکھائی دیتی ہیں قرآن پاک یا کوئی کتاب سامنے رکھی ہو باریک سے باریک لکھے ہوئے حرف بھی پڑھ لیتا ہے لیکن جب آنکھیں بند کر لیتا ہے تو کچھ نظر نہیں آتا اور جب سو جاتا ہے آنکھیں بند ہوتی ہیں پاس بیٹھا ہوا بندہ سونے والے کو نظر نہیں آتا۔ کیا عقل اس امر کو تسلیم کر لیتی ہے کہ مرنے کے بعد جب کہ تمام حواس جواب دے جائیں اور عقل بھاگ جاتی ہے اور آنکھیں بند کر دی جائیں کفن کے کپڑے کی چار تہیں آنکھوں پر کر دی جائیں اور قبر میں دفن کر دیا جائے تو ان کانوں آنکھوں سے سنیگا یا دیکھیگا اور نہ یہ جسم عنصری کسی انسان کی مار تو محسوس کرتے ہوئے نہ ہلے نہ فریاد کرے نہ بولے نہ اس کی آنکھوں میں سے آنسو آئیں گر وہ باقاعدہ سب نہلانے والوں، کفنانے والوں، چارپائی اٹھانے والوں نماز جنازہ پڑھنے والوں دفنانے والوں کو دیکھ جان پہچان رہا ہے اور سب کی باتیں سن رہا ہے

اس کی وہی مثال ہوئی جیسے پڑھائی سے جی چرانے والا بچہ بہانہ کرتا ہے وہ یہ سمجھ کے کہ بخار کا بہانہ کروں تو جھوٹ ظاہر ہو جائے گا کہتا ہے کہ میرے سر میں درد ہے، اس بہانہ سے استاذ چھٹی دیدے گا استاذ کے پاس وہ تھرما میٹر ہے نہیں جس کے ذریعے سچ جھوٹ معلوم ہو سکے وہ بچہ کو سچا سمجھ کر چھٹی دیدے گا۔ لیکن جب حکیم کے پاس جائے گا تو وہ نبض دیکھ کر فوراً سمجھ لے گا کہ یہ شریر بچہ بہانہ باز ہے کوئی درد سر نہیں ہے

اسی طرح یہ لوگ بھی عوام کو وہ باتیں حدیثیں گھڑ گھڑ کر بتاتے ہیں جن کے سچ جھوٹ معلوم کرنے کا کوئی آلہ نہیں اور لوگوں کو اس شریر بچہ کی طرح اعتماد میں لیتے ہیں کہ یہ وہ باتیں ہیں جو ہیں تو سچ مگر آپ اس کا احساس نہیں کر سکتے۔ عوام بیچارے اعتماد نہ کریں تو کیا کریں مگر جب وہ حدیثیں کسی نقاد کے پیش ہوں تو صاف کہدیگا کہ یہ حدیثیں قابل اعتماد نہیں۔

الفاظِ حدیث کی اصولی تحقیق

اب اگر اس امر کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ حدیث جو عند قبر النبیؐ سلام کہنے سے آپ بنفسِ نفیس سلامِ زائر سنتے پہنچے تو اول تو یہ خبرِ واحد ہے اور خبرِ واحد عقائد کے باب میں صحیح بھی ہو تو حجت نہیں ہوتی جیسا کہ محترم جناب مولانا صاحب نے اپنی تصانیف میں خود اعتراف فرمایا ہے

دوسرے یہ کہ بنفسِ نفیس سلام سننا آپؐ کا علیٰ سبیلِ خرقِ عادۃ اور خلافِ قیاس ہے اور قاعدہ ممہدہ عند اہل الاصول یہ ہے کہ جو حکم خلافِ قیاس وارد ہو وہ اپنے مورد پر بند رہتا ہے تو اب آپ استماعِ سلام و صلوٰۃ پر استشفاع کو قیاس کر کے جواز کے قائل کیوں ہیں؟ جب کہ آپ کے ہم مسلک علماء اس امر کو صراحت سے بیان کرتے ہیں کہ ہم اس حدیث کی رو سے اس بات کے تو قائل ہیں کہ آپؐ زائر کا صلوٰۃ سنتے ہیں مگر اس کے علاوہ ہم نہیں مانتے کہ وہ اور باتیں بھی سنتے ہیں

الفاظِ حدیث کی لغوی اور فقہی تحقیق

استعمالِ لفظِ عِندَ

تیسرے یہ کہ اب موجودہ صورت جو ایسی بنی ہوئی ہے کہ آپؐ کی قبر مبارک حجرۂ عائشہ صدیقہؓ میں ہے اور اس کا دروازہ حضرت عمر بن عبد العزیز رح کے عہد سے بالکل بند ہے اور اس حجرہ شریفہ کے ارد گرد خود عمر بن عبد العزیز رح نے دیوار بھی کھینچ دی تھی اس کے بعد چھٹی صدی میں نور الدین زنگی رح کے حکم سے کئی دعائیں جمع کر کے اس دیوار کے ارد گرد گول گنبد بنایا گیا جس میں کوئی سوراخ نہیں اندر کی طرف ہوا بھی نہیں جا سکتی۔ پھر گنبد کے گرد شبکہ (جالی) بنائی گئی ہے۔ کہتے ہیں کہ جالی اور قبر النبیؐ کے درمیان ۱۸ ہاتھ کا فاصلہ ہے۔ کیا جو شبکہ سے چار پانچ ہاتھ ہٹ کر آپؐ کو الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ پڑھتا ہے اس پر عند قبر النبی کا لفظ صادق آ سکتا ہے؟

مثلاً ایک شخص قسم کھاتا ہے کہ "میں زید کے پاس نہ بیٹھوں گا" اب جب کہ زید مکان کے اندر بیٹھا ہے

اور یہ شخص قسم کھانے والا اس مکان کے اندر داخل نہیں ہوتا جس مکان کے اندر زید بیٹھا ہے بلکہ وہ قسم کھانے والا اس مکان سے باہر دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ جاتا ہے اور اس مکان کا دروازہ بھی بند ہو تو اس صورت میں قسم کھانے والے کی قسم قائم ہے یا اس کی قسم ٹوٹ گئی؟

ظاہر ہے کہ اس قسم کھانے والے کی قسم قائم ہے۔ ٹوٹی نہیں۔ حانث نہیں ہوا کیونکہ جو شخص کہ بند کمرے سے باہر بیٹھا ہے عرف میں کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ شخص بند کمرے کے اندر بیٹھنے والے آدمی کے پاس بیٹھا ہے تو اب جو ہستی قبر اطہر میں ہے اور قبر اطہر حجرہ شریفہ کے اندر بند ہے اور حجرہ شریفہ پنج کونی دیوار کے اندر ہے اور پنج کونی دیوار گنبد خضراء کے اندر چھپ گئی ہے اور گنبد خضراء کے ارد گرد جالی بنی ہوئی ہے تو ان پانچ پردوں سے باہر کھڑا ہونے والا شخص قبر نبیؐ کے پاس کھڑا ہونے والا سمجھا نہیں جاتا بلکہ یہی کہیں گے کہ یہ شخص قبر نبیؐ سے دور پانچ پردوں سے باہر ہٹ کر کھڑا ہے تو اس حالت میں یہ شخص من صلی علیّ عند قبری کا مصداق نہیں ہے بلکہ من صلی علیّ نائیاً کا مصداق ہے یعنی یہ شخص دور سے آپؐ پر صلوٰۃ و سلام پڑھ رہا ہے اور جو شخص دور سے آپؐ پر صلوٰۃ و سلام پڑھتا ہے اس میں سب کا اتفاق ہے کہ آپؐ اس شخص کا صلوٰۃ و سلام نہیں سنتے (الا الفرقۃ البرطویہ)

ابن فارس اللغویؒ نے مقاییس اللغۃ ج ۴ ص ۱۵۴ میں عِنْدَ کے مفہوم میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ گویا تمام لوگوں سے اس قدر ہٹ کر اس کے پاس آیا حتّٰی کہ اس کے ساتھ چمٹ گیا۔ فاما قولہم زید عند عمرو فلیس ببعید ان یکون من ہذا القیاس کانہ قد مال عن الناس کلہم الیہ حتی قرب منہ و لزق بہ

تاج العروس شرح القاموس ج ۲ ص ۴۳۴ میں امام اللغوی محب الدین ابو الفیض السید محمد مرتضی الحسینی واسطی زبیدی حنفی رحمہ اللہ نے لکھا ہے ومعناہا حضور الشئ و دنوہ و ہی ظرف فی المکان والزمان بحسب ما تضاف الیہ فان اضیفت الی المکان کانت ظرف مکان کعند البیت و عند الدار ونحوہ و ان اضیفت الی الزمان فکذلک نحو عند الصبح و عند الفجر و عند الغروب ونحو ذلک یعنی عِنْدَ الشئ کے معنے ہیں اس چیز کے سامنے حاضر موجود ہونا اور اس چیز کے قریب اور پاس لگنا۔ اور عِنْدَ کا مضاف الیہ مکان ہو تو ظرف مکان ہوگا جیسے عند البیت (بیت کے پاس) عند الدار (حویلی کے پاس) وغیرہ اور اگر عِنْدَ کا مضاف الیہ زمان

ہو تو ظرفِ زمان ہوگا جیسے عند الصبح و عند الفجر و عند الغروب وغیرہ

اور آگے تہذیب اللغۃ از ہریؒ کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں وہی۔ ۔ ۔ ۔ اقصٰی نہایات القرب و لذٰلک لم یصغر (تاج العروس ج ۲ ص ۴۳۵) یعنی عِنْدَ کا استعمال قریب بالکل آخری اور انتہائی درجہ پر ہوتا ہے جس سے آگے اور درجہ قرب کا نہو اسی لئے عِند کی تصغیر (عُنَید) نہیں آتی

تو جو لوگ نبی اکرمؐ پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے سے عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ کے سننے کے قائل ہیں تو ان کی دلیل نہ تو محمد بن مروان جیسے کذاب، متروک، متہم بالکذب، وضاع، اور ذاہب الحدیث کی یہ روایت ہے اور نہ ہی ابو معاویہ کی بیان کردہ حدیث ہے۔ بلکہ جیسے وہ عام اموات کے سماع عند القبور کے قائل ہیں بلا تفاوت ویسے ہی آپؐ کے سماع عند القبر کے قائل ہیں۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اتنے بڑے بڑے اجلہ محدثین و متکلمین ایک مسلمہ اور طے شدہ قاعدہ (موضوع حدیث پر عمل کرنا حرام ہے اور موضوع ہونے کا علم ہوتے ہوئے اس موضوع حدیث پر عمل کرنے کی لوگوں کو دعوت دینا شیطان کی ایجنبی کرنا ہے) کے ہوتے ہوئے ایک موضوع اور من گھڑت حدیث کو اپنا بھی معمول بہ بنائیں اور لوگوں کو بھی اس پر عمل کرنے کی دعوت دیں اور اس جھوٹی حدیث کے معمول بہ ہونے پر امت محمدیہ کا فتہ اجماع ہو جائے اور جو اس جھوٹی حدیث کو جھوٹا کہے وہ مورد طعن، بدعت ضلالہ کا موجد اور امت محمدیہ سے خارج شمار کیا جائے۔

جھوٹی حدیث پر عمل اور اس کی اشاعت حرام اور شیطانی کام ہے

تو دوسرے انداز میں یوں کہا جائے کہ جھوٹی حدیث پر عمل کرنا حرام اور شیطانی کام ہے اور ضلالت اور گمراہی ہے لیکن جب اس حرام، شیطانی کام ضلالت اور گمراہی پر امت محمدیہ کا اجماع ہو جائے تو وہ حجت قطعیہ بن جائیگا اور اب جو اس شیطانی کام پر عمل نہ کرے گا وہ گمراہ، مبتدع، فاسق، فاجر بلکہ کافر، مرتد اور جہنمی ہے۔ کیوں جی! امت محمدیہ ضلالت اور گمراہی پر اتفاق کر سکتی ہے؟ آپ کا یہ عقیدہ ہوگا آپ ہی اس

کو پتے باندھ رکھو۔ مگر ہم تو قطعاً اس عقیدہ کو نہ مانیں گے اس لئے کہ ہمارے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود فرما گئے ہیں لاتجتمع امتی علی ضلالۃ (میری امت ضلالت اور گمراہی کے کام پر اجماع اور اتفاق کر ہی نہیں سکتی)
پس حدیث پاک کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم کبھی نہیں مان سکتے کہ اس موضوع اور من گھڑت حدیث کو دیکھ کر تمام امت محمدیہ اس پر متفق ہوگئی ہو کہ گو محمد بن مروان کذاب اور جھوٹا ہے اور اس روایت کے بیان کرنے میں متفرد اور اکیلا ہے اور خیر القرون اور سلف صالحین میں سے کسی نے یہ حدیث بیان بھی نہیں کی پانچویں صدی کے دو تین متعصب قسم کے محدثین نے ذکر کر دیا اور غالی شافعیوں نے اس کی خوب تشہیر کی حتی کہ بعض حنفیہ بھی اس سے متاثر ہو کر قائل ہوگئے اور بعد کے آنے والے ان کی علمی شہرت سے متاثر ہوگئے ہوں گر یہ سب کچھ ہوتے ہوئے ہمارا یہی ایمان ہے اور جو اس حدیث کو نہ مانے وہ بد عقیدہ ضالہ کا موجد ہے
لہٰذا جو لوگ فتاوی رشیدیہ دکھا کر اہل حق کو مرعوب کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اتنا متدین عالم بھی یہی کہتا ہے کہ واقعی جھوٹی حدیث پر امت محمدیہ اجماع کر سکتی ہے لیکن حق تو یہی کہیگا کہ یہ کسی سحر کا اثر تھا

شیخ الاسلامؒ کی اس بات پر مہر کہ آپؐ کی قبر اطہر تک پہنچنا ناممکن ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ الرد علی الاخنائی ص ۱۸۹ میں لکھتے ہیں آپؐ کی قبر اطہر تک پہنچنا تو ممکن نہیں اس لئے کہ آپؐ کی قبر اطہر کے گرد چار دیواری قائم ہے۔

ص ۲۵ : آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کی زیارت کرنا شرعاً اور حساً ممنوع ہے، حساً اس لئے کہ آپؐ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی کے حجرۂ شریفہ میں مدفون ہیں اور حجرہ کی چار دیواری کی وجہ سے لوگ آپؐ کی قبر اطہر تک نہیں پہنچ سکتے یہی حکمت تھی کہ آپؐ کو حجرہ شریفہ میں دفن کیا گیا

ص ۲۰۶ : عام قبروں کی زیارت احادیث صحیحہ کی روشنی میں مشروع ہے اور آپؐ کی قبر اطہر کی زیارت نص اور اجماع کی روشنی میں غیر مشروع ہے۔ نیز حساً بھی آپؐ کی قبر اطہر کی زیارت ممکن نہیں

ص ۲۶۰ : یاد رکھئے کہ جس طرح عام قبروں کی زیارت ممکن ہے اس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر

اطہر تک پہنچنا ہی بڑا مشکل ہے، جبکہ دوسری عام قبروں تک پہنچنا مشکل نہیں اس لئے کہ مسلمان عموماً کھلی فضا میں دفن کئے جاتے ہیں اور آپ حجرہ میں دفن کئے گئے۔"

ص ۳۰۷: آپ کی قبر تک جب کوئی شخص پہنچ ہی نہیں سکتا تو اس کے بت بننے کا شائبہ بھی ختم ہو گیا

ام المومنین رضؓ اور فقیہ مدینہ طیبہ قاسمؒ بن محمدؓ بن ابی بکرؓ الصدیقؓ کا عقیدہ

مشکوٰۃ ص ۱۴۹ و ابوداؤد ج ۲ ص ۱۰۳ میں ہے عن القاسم دخلت علیٰ عائشۃ فقلت یا امہ اکشفی لی عن قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصاحبیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فکشفت لی عن ثلثۃ قبور یعنی حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہما و رحمۃ اللہ تعالیٰ (جو مدینہ طیبہ کے فقہاء سبعہ میں سے ہیں) سے روایت ہے کہ آپ نے اپنی پھوپھی صاحبہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بعد ادب و احترام عرض کی کہ اماں جان! ذرا آپ میری خاطر آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صاحبین کی قبروں سے پردہ ہٹائیں (کہ میں ذرا دیکھ تو لوں تو آپؓ نے میری خاطر تینوں قبروں سے پردہ ہٹا دیا۔

استنباطِ مسائل

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا

قبر اطہر کی تعمیر بن جانے کے بعد تا حینِ حیات حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسی حجرۂ مقدسہ میں تشریف فرما رہیں۔ یہ ایک اجماعی مسئلہ ہے کسی کتابِ حدیث یا شرح یا تاریخ یا سِیَر یا رجال وغیرہ کی کتاب میں یہ بات نہیں کہ قبر اطہر بن جانے کے بعد آپؓ اپنے والد شفیقؓ کے گھر چلی گئی ہوں یا کسی انصاریؓ یا مہاجرؓ نے بکمال مسرت اپنا مکان ام المؤمنین کو رہائش کے لئے دیا ہو یا پھر خلیفۂ وقتؓ نے فلاں مکان قیمۃً خرید کر یا فلاں جگہ خرید کر صدیقہؓ کی رہائش کے لئے مکان تعمیر کروایا ہو۔

نیز یہ کہ ام المؤمنین کی ہیبت و عظمت اور جلال و رعب اس قدر تھا کہ عوام تو کیا خواص کو بھی یہ ہمت و جرأت نہ ہوتی تھی کہ وہ ام المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاں بغرضِ زیارت آمد و رفت جاری رکھ سکیں

چنانچہ اس کا نمونہ آپ کے سامنے ہے کہ حضرت قاسمؒ بن محمدؓ بن ابی بکر الصدیقؓ جو ام المؤمنینؓ کے چھوٹے

بھائی حضرت محمد رضی اللہ عنہ کا جگر گوشہ ام المؤمنینؓ کا حقیقی بھتیجا ہے اور آپؓ کا بڑا ذی شان شاگرد فقہاء مدینہ کا ممتاز رکن، چوٹی کا مجتہد فقیہ، اور بے نظیر محدث ہے اور رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں اسے ام المؤمنین کے پاس جانے میں قطعاً جھجک اور رکاوٹ نہیں ہے۔ مگر باوجود اس قدر بے تکلفی اور آمد و رفت کے ام المؤمنین صدیقہؓ کی پوری زندگی میں صرف ایک ہی مرتبہ قبور مطہرہ کی زیارت کی خواہش کر سکے

پس جب کہ انتہائی لاڈلے شاگرد اور بھتیجے کو از خود زیارت قبور مطہرہ مقدسہ کی جرأت نہیں تو دوسرے صحابہؓ یا تابعینؒ کو کیسے جرأت ہو سکتی ہے کہ عام طور پر یا خاص کر زیارت قبور مطہرہ مقدسہ کے لئے حجرہ شریفہ منیفہ میں رسائی حاصل کر سکیں۔

نیز یہ بھی ثابت ہو گیا کہ حضرت قاسم بن محمدؒ بھی حیات دنیویہ اور سلام عند قبر النبیؐ اور سماع النبیؐ من القبر اور رؤیۃ النبیؐ من القبر کے قائل نہ تھے ورنہ پردہ ہٹا لیتے ہی آپ کہتے الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہؐ نیز ام المؤمنینؓ کا یہ عقیدہ نہ تھا، ورنہ اپنے بھتیجے کو حکم دیتیں کہ آپؐ پر صلوٰۃ و سلام بھیج۔ آپؐ جواب دیں گے۔

نیز یہ بات بھی یاد رہے کہ حضرت فقیہ اعظم قاسم بن محمدؒ رحمہ اللہ کی یہ درخواست حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے عہد خلافت میں ہوئی ہے جو حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ کی زندگی کا آخری دور تھا جیسے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری شرح بخاری میں اس کی تصریح فرمائی ہے

نیز اس حدیث پاک سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ حضرت ام المؤمنین صدیقہؓ کے حجرہ مقدسہ میں سکونت پذیر ہونے کی وجہ سے اہل کتاب کی قبر پرستی کے خطرہ سے حفاظت کی غرض سے بالقاء الٰہی مزید اہتمام یہ کیا کہ اپنی اقامت گاہ اور قبر اطہر کو مستقل طور پر دو حصوں میں تقسیم کرنے یا دو الگ تھلگ کمروں کی صورت میں بنانے کی غرض سے دروازہ مسجد کی قبلہ رخ والی دہلیز سے مغربی دیوار کی سیدھ میں کپڑے کا طویل و عریض پردہ حد فاصل کے لئے لٹکا دیا۔ گویا کہ قبر اطہر کے حصہ کو الگ کر دیا اور اپنی سکونت کے حصہ کو الگ کر دیا۔ اور دروازہ مسجد میں پردہ کی آڑ سے تشنگان علوم نبوی کو سیراب کرنے کی غرض سے درس کا افتتاح کر دیا

ام المومنینؓ آخردم تک حجرہ شریفہ میں ہی قیام پذیر رہیں کیوں؟

حجرۂ مقدسہ اگرچہ پہلے ہی مختصر سا تھا پھر قبر اطہر کی تعمیر سے مزید تنگ ہوگیا۔ مگر بوجوہ خاص حضرت ام المومنینؓ کو حجرہ منیفہ کا چھوڑنا کسی حال میں گوارا نہ ہوا

(١) اولاً تو یہ آپؓ کے شرفِ زوجیت والی خاص قیامگاہ اور ذاتی ملکیت تھی،

(٢) دوسری امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے حجرات اور قیام گاہوں سے محفوظ اور گھری ہوئی تھی

(٣) تیسری مذکورہ ظاہری حالات کے علاوہ انوارِ نبوت اور وحی الٰہی کی تجلیات اور اللہ تعالیٰ کی مخصوص ترین رحمت و برکات سے مستنیر و مالامال تھی

(٤) چوتھی ایک اہم خوبی و کمال اس حجرہ شریفہ منیفہ کو یہ بھی حاصل تھا کہ اس کا ایک دروازہ مسجد کی جانب اس مخصوص حصہ میں کھلتا ہے جو "ریاض الجنۃ" کی فضیلت سے سرفراز ہے۔

(٥) پانچویں اس دروازہ کی وجہ سے نماز باجماعت اور ذکرِ الٰہی کے نور و سرور کا دائمی حظ و لطف حاصل تھا

(٦) چھٹی یہ مقدس حجرہ وہ لاثانی اور بے نظیر درسہ تھا کہ دروازہ پر پردہ حائل (لٹکا ہوا) تھا اور ام المومنینؓ حجرہ شریفہ ہی میں تشریف رکھتے ہوئے ریاض الجنۃ میں بیٹھے ہوئے تشنگانِ علوم نبوی کو سیراب کرتی تھیں، اور سائلین کو فتوے دیا کرتی تھیں۔

(٧) ساتویں اس لئے بھی آپ کا اس حجرۂ مقدسہ سے علیحدہ ہونا ناگوار تھا کہ یہود و نصاریٰ کی قبر پرستی کا ہلاکت آفرین منظر آپ اپنے محفوظ آنکھوں سے ملاحظہ فرما چکی تھیں

(٨) آٹھویں مرض الموت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری انتباہی اعلان لعن اللہ الیہود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیائہم مساجد ہیبت ناک اور گمراہ کن صورت میں آپؓ کے سامنے تھا

(٩) نویں اسی آخری وصیت کا راز و فلسفہ خود ہی بیان فرماتی ہیں ولولا ذلک لابرز قبرہ (یعنی اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ جہلاء امت قبر شریف کو کہیں سجدہ گاہ بنالیں گے تو پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر بجائے محفوظ حجرہ کے کسی کھلی جگہ بنائی جاتی

اب باوجود اس قدر محفوظ ہونے کے ام المومنینؓ کو پھر بھی خطرہ لاحق ہے اور فرماتی ہیں غیر اَنِّی اَخشٰی اَن یُتَّخَذَ مَسجِدًا مجھے تو اب بھی خطرہ ہی خطرہ ہے کہ یہود کی نقل میں یہود کے جانشین قبر اطہر کو کہیں سجدہ گاہ نہ بنالیں؛ اس حدیث سے مسئلہ عدم سماع النبی عند التسلیم علی قبرہ الاطہر بھی معلوم ہو گیا کیونکہ اس وقت نہ حضرت عاشمؓ کے سلام کا ذکر ہے اور نہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا ہو بھتیجے! چلئے ان تینوں کو السلام علیکم کہو کیوں کہ وہ تمہارا سلام سن کر آپ کے سلام کا جواب دیں گے اور یہ کام زیارت قبر النبیؐ کے آداب میں سے ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے وجوہات ہیں جن کی بنا پر حضرت ام المومنین رضؓ نے تا عینِ حیات اپنی سکونت در ہائش کپڑے کے پردہ کی آڑ سے حجرہ شریفہ میں قبلہ کے الٹے رخ رکھی تا کہ بغیر اجازت کے کوئی غیر محرم تو کیا خاص محرم و عزیز بھی بلا اجازت قبر اطہر تک رسائی نہ کر سکے۔

حضرت ام المومنین رضؓ کا مقصد بھی یہی تھا کہ قبر اطہر عام زیارت گاہ نہ بن سکنے اور ہوتے ہوتے کہیں انبیاء بنی اسرائیل کی طرح عبادت گاہ نہ بن جائے

امام مالکؒ بھی قبر النبیؐ کی زیارت نہ کر سکے

قبر اطہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک رسائی کوئی آسان امر نہیں۔ چنانچہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ باوجود انصاری ہونے اور مسجد نبوی کے خطیب، مدرس محدث و مفسر ہونے کے اپنی پوری زندگی میں مشرف بزیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہو سکے اور آپ سے دس سال عمر میں بڑے حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ بھی مشرف بزیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہو سکے بلکہ ان کے استاذ حضرت حمادؒ بلکہ استاذ الاستاذ تابعی کبیر حضرت ابراہیم نخعی رحؒ کو زیارت نصیب نہیں ہوئی یہی وجہ ہے کہ کتاب الآثار میں امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں

اخبرنا ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراہیم قال اخبرنی من رأی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقبر ابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما مُسَنَّمَۃً

حجرہ شریفہ سے باہر قریب سے سلام کہنے کا کیا حکم ہے

الرد علی الاخنائی ص ۱۹۶ میں ہے آپؐ کی قبر اطہر کے پاس سلام کہنا کہ سلام کہنے والا حجرہ شریفہ میں داخل ہو اس کو اس وقت تو مشروع کہا جاسکتا ہے جب کہ حجرہ مبارکہ میں داخل ہونا ممکن تھا (محض امکان ہی امکان تھا مگر اس کا وقوع نہیں ہوا۔) لیکن حضرت عائشہؓ کی وفات کے بعد جب کہ حجرہ میں داخل ہونا ممکن نہ رہا تو اب حجرہ سے باہر حجرہ کے قریب جگہ سے سلام کہنے میں علماء کے تین گروہ ہیں

(۱) گروہ اول: زائر مسجد نبوی میں داخل ہوتے وقت آپؐ پر صلوٰۃ وسلام بھیجے نماز سے فراغت کے بعد حجرہ کے قریب جائے اور آپ پر صلوٰۃ وسلام ارسال کرے " یہ قول امام مالک، شافعیؒ اور احمد کے اصحاب سے منقول ہے (آپ ائمہ ثلثہ کا اپنا قول ہے؟ اسکا کچھ ذکر نہیں۔ نیز صرف سلام کہنے کا ذکر ہے سننے سنانے کی کیا صورت ہے؟ اس سے بھی کلام ساکت ہے۔ اور اس قول کا ماخذ کیا ہے؟ اس سے بھی کلام ساکت ہے۔) دہلوی

(۲) دوسرا گروہ: زائر حجرہ شریفہ کے پاس جاکر سلام کا ہدیہ ارسال کرے (صلوٰۃ کا ذکر نہیں۔ باقی امور سے بھی سکوت اختیار کیا گیا ہے۔)

(۳) تیسرا گروہ: مسجد نبوی میں داخل ہوتے وقت آپؐ پر صلوٰۃ وسلام بھیجنا کافی ہے جیسا کہ عام مساجد میں داخل ہوتے وقت (موافق نبوی فرمان) بسم اللہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ کہنا چاہئے۔ اہل مدینہ اور دیگر باہر سے آنے والوں کے لئے ایک ہی حکم ہے

(۴) چوتھا قول ابن حبیب کا: اہل مدینہ کے علاوہ دوسرے لوگ مسجد نبوی میں داخل ہوتے وقت یہ کلمات پڑھیں بسم اللہ والسلام علی رسول اللہ علینا من ربنا وصلی اللہ وملئکتہ علی محمد اللھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک وجنتک وحفظنی من الشیطان الرجیم (اللہ کے نام کے ساتھ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ہو۔ ہم پر ہمارے رب کی جانب سے سلام ہو اور اللہ اور اس کے فرشتے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت بھیجتے ہیں اے اللہ میرے گناہ معاف فرما اور میرے لئے اپنی رحمت اور جنت کے دروازے کھول دے اور مجھے شیطان مردود سے محفوظ رکھ) پھر روضۂ رسول کی طرف رخ کرے اور قبر اطہر پر وقوف کرنے سے پہلے قبر اور منبر کے درمیان

دو رکعت نماز ادا کرے جس میں اللہ پاک کی حمد و ثنا کے ساتھ ساتھ اس سے معاونت اور اتمام کی دعا کرے۔ اگر اس مقام کے علاوہ مسجد میں کہیں دو رکعت ادا کرے پھر بھی کافی ہے جب کہ قبر اطہر اور منبر کے درمیان ادا کرنا افضل ہے جس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری قبر اور منبر کے درمیان والا ٹکڑا جنت کا باغیچہ ہے اور میرا منبر جنت کی نہروں میں سے ایک نہر پر رکھا جائے گا۔ اس کے بعد قبر پر تواضع کے ساتھ کھڑا ہو جائے اور آپ پر صلوٰۃ وسلام کا ہدیہ ارسال کرے اور آپ کی تعریف میں مدحیہ الفاظ کہے۔ بعد ازاں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر سلام کہے اور ان کے لیے دعا کرے۔ مسجد نبوی میں رات دن کثرت کے ساتھ دُرود پڑھتا ہے نیز مسجد قبا اور شہداء احد کی قبروں کی زیارت بھی کرے

(۵) پانچویں بات: ص ۲۲۳ میں مناسک مروزی سے نقل کیا ہے کہ زائرین مسجد نبوی میں داخل ہونے کے بعد قبر اطہر اور منبر کے درمیان نوافل ادا کریں اور حسب خواہش مسنون دعائیں کریں پھر قبر اطہر کے نزدیک پہنچ کر السلام علیکم یارسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علیک یا محمد بن عبد اللہ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ واشہد انک رسول اللہ کے کلمات پڑھ کر بس نہ کرے بلکہ یہ بھی کہے اشہد انک بلغت رسالۃ ربک ونصحت لامتک وجاہدت فی سبیل اللہ بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وعبدت اللہ حتی اتاک الیقین فجزاک اللہ افضل ما جزیٰ نبیا عن امتہ ورفع درجتک العلیا وتقبل شفاعتک الکبریٰ واعطاک سؤلک فی الآخرۃ والاولیٰ کما تقبل من ابراہیم اللھم احشرنا فی زمرتہ وتوفنا علی سنتہ واوردنا حوضہ واسقنا بکاسہ شربا لا نظما بعدہ ابدا۔ (میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ نے اپنے پروردگار کے پیغامات کو بلا کم و کاست پہنچا دیا اور اپنی امت کے ساتھ خیر خواہی کی۔ راہ خدا میں حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ جہاد فرمایا۔ اللہ کی عبودیت میں محو رہے یہاں تک کہ تجھے اس سے بہت بہتر بدلہ عطا فرمائے جو کسی نبی کو اس کی امت کی طرف سے ملتا ہے۔ اللہ پاک تیرے بلند درجات کو مزید اونچا کرے اور تجھے شفاعت عظمیٰ کی قبولیت سے نوازے دنیا و آخرت میں تیری مرادوں کو بر لائے جس طرح حضرت ابراہیم کی شرف قبولیت سے نوازا۔ اے اللہ! ہمیں آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمرہ سے اٹھانا اور اس کی سنت پر فوت کرنا۔ حوض کوثر پر آپ کے ہاتھوں چھلکتے ہوئے جاموں سے ہمیں اتنا سیراب فرمانا کہ پھر کبھی بھی ہم پیاس سے دوچار نہ ہوں

آخری نظریوں کی تردید

پھر فرمایا (ص ۲۲۴) کہ کتب حدیث میں ان ثنائیہ کلمات کا تذکرہ نہیں ملتا۔ پھر غیر مشروع کلمات کا آپ

کی قبر اطہر کے پاس مذاکرہ کرنا مشہور حدیث کے مفہوم کے مخالف ہے جو علی بن الحسینؒ، علیؓ بن ابی طالب، ابوہریرہؓ، ابو سعید مولیٰ مہری، اور حسنؓ بن علیؓ سے مروی ہے (ص ۱۹۸ میں لکھا ہے کہ

مسند ابی یعلیٰ نے اپنی سند سے بیان کیا کہ علی بن الحسین (زین العابدینؒ) نے ایک آدمی کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس ایک کھڑکی کے قریب بار بار آتے دیکھا تو منع کرتے ہوئے فرمایا کہ میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سناتا ہوں جو میں نے اپنے والد ماجد سے اور انہوں نے میرے دادا جان (حضرت علی کرم اللہ وجہہ) سے سنی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اس گھر کو میلہ نہ بنانا اور نہ اپنے گھروں میں قبریں بنانا۔ تمہارا سلام ہر جگہ سے مجھ تک پہنچتا رہے گا (اس حدیث کو حافظ مقدسی نے صحیحین پر زائد جید حدیثوں کی فہرست میں شمار کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ حدیث امام حاکم کی صحیح حدیثوں سے زیادہ مقام والی ہے قریب امام ترمذی اور امام ابو حاتم بُستی کی تصحیح کہنے کے مرادف ہے بلکہ امام حاکم کی احادیث کثیرہ جھوٹی اور موضوع ہیں اور اُن کا درجہ صحیح احادیث سے فروتر ہے۔ لیکن یہ حدیث صحیح احادیث کے ذخیرہ میں شمار ہوتی ہے ....

ابوداؤدؒ نے ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ اپنے گھروں کو نہ تو قبریں بنانا اور نہ ہی میری قبر کو میلہ گاہ بنانا اور مجھ پر درود بھیجتے رہنا بے شک تمہارا درود ہر مقام سے مجھ پر پہنچتا رہے گا۔ یہ حدیث حسن ہے اس کے راوی سب ثقہ ہیں اور عبداللہ بن نافع صائغؒ کو یحییٰ بن معین نے ثقہ کہا ابوزرعہ نے لا باس بہ کہا ہے۔

سنن سعید بن منصور میں باسند ذکر ہے کہ ابو سعید مولیٰ مہری بیان کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ میرے گھر کو میلہ گاہ اور اپنے گھروں کو قبرستان کی حیثیت نہ دینا اور مجھ پر درود بھیجتے رہنا۔ تمہارا درود مجھ تک پہنچتا رہیگا

دوسری روایت ہے کہ سہیل بن ابی سہیل بیان کرتے ہیں کہ مجھے حسنؓ بن حسنؓ بن علیؓ بن ابی طالب نے حضورؐ کی قبر اطہر کے پاس دیکھا تو اس نے مجھے آواز دی کہ آؤ میرے ساتھ شام کے کھانے میں شریک ہو جاؤ میں نے جواب دیا کہ مجھے کھانے کی طلب نہیں ہے۔ پھر اس نے کہا کہ قبر اطہر کے پاس تجھے کیا کام ہے میں نے کہا کہ آں حضرت صلعم پر سلام کہنے کی نیت سے آیا ہوں۔ اس نے کہا مسجد نبوی میں داخل ہوتے وقت آپؐ پر صلوٰۃ وسلام کہا جائے اس لئے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ تم میرے حجرہ کو میلہ گاہ اور اپنے گھروں کو قبرستان نہ بنانا۔ یہود پر اللہ کی لعنت ہو جنہوں نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبروں پر مسجدیں تعمیر کر دیں۔ مجھ پر جہاں کہیں سے بھی درود بھیجو گے پہنچ جائیگا

پس اس میں تم اور اندلس میں رہنے والے لوگ سب برابر ہیں۔

اس حدیث کو قاضی اسمعیل بن اسحاق (فضل الصلوٰۃ علی النبیؐ) میں لائے ہیں لیکن ما انتم ومن بالاندلس منہ الا سواء کا فقرہ ذکر نہیں کیا غالباً اس لئے کہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ سفر کے لئے روانہ ہونے والے اور سفر سے واپس لوٹنے والے انسانوں کے لئے روضۂ اطہر پر حاضر ہو کر سلام کہنا افضل ہے لہٰذا انہیں اندلس میں رہنے والے انسانوں پر فضیلت حاصل ہے لیکن حسن بن حسن اہل مدینہ اور باہر سے آنے والے لوگوں کے درمیان کچھ فرق نہیں کرتے چنانچہ سلف صالحین میں حسن بن حسن کے علاوہ علی بن حسین (زین العابدین رح) بھی اسی نظریہ کے حامل تھے کہ مسجد نبوی میں داخل ہوتے وقت صلوٰۃ وسلام کا ہدیہ بھیجنا کافی ہے

حضرت حسن بن علیؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جہاں کہیں سے مجھ پر درود بھیجو گے مجھ پر پہنچتا رہیگا۔

حضرت حسن فرماتے ہیں کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کہو اس لئے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میرے گھر کو میلہ گاہ اور اپنے گھروں کو قبرستان نہ بنانا اور مجھ پر درود بھیجتے رہنا جہاں کہیں سے تم مجھ پر درود بھیجو گے تمہارا درود مجھ تک پہنچتا رہے گا۔

اور مسجد میں داخل ہو کر آپؐ پر صلوٰۃ وسلام بھیجنا اکثر صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ سے منقول ہے چنانچہ ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ میں فاطمہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ جب آپؐ مسجد نبوی میں داخل ہوتے تو اپنے آپؐ پر صلوٰۃ وسلام بھیجتے اور رب اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک پڑھتے اور جب مسجد سے نکلتے تو بھی اسی طرح صلوٰۃ وسلام اور دعا فرماتے۔ بعض طرق میں یہ بھی ہے کہ آپ نے لوگوں کو اس کے کرنے کا حکم دیا۔ جیسے سنن ابی داؤد میں ابواسید یا ابوحمید سے روایت ہے،

قاضی عیاضؒ جہاں سلام کے مقامات کا شمار کرتے ہیں وہاں مسجد میں داخل ہوتے وقت سلام کا ذکر بھی کرتے ہیں ابو اسحاق بن شعبان بھی کہتے ہیں کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت آپؐ پر صلوٰۃ وسلام بھیجا جائے۔۔۔ امام نخعی کہتے ہیں کہ اگر مسجد میں کوئی انسان نہیں تو داخل ہونے والا السلام علی رسول اللہ کہے۔۔۔ محمد بن سیرین سے منقول ہے کہ لوگ مسجد میں جاتے وقت اور مسجد سے نکلتے وقت یہ کلمات پڑھا کرتے تھے صلی اللہ وملئکتہ علی محمد السلام علیک

ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ بسم اللہم دخلنا اور نکلتے کہتے بسم اللہ خرجنا وعلی اللہ توکلنا۔ مگر قبر النبی پر صلوۃ وسلام پڑھنا یہ معمول نہ تھا نہ صحابہؓ میں نہ تابعینؒ میں نہ تبع تابعینؒ میں۔

عروۃ بن زبیرؒ کا فرمان

حضرت عروۃ بن زبیر رضی اللہ عنہ ورحمۃ اللہ تعالیٰ تابعی ہیں ابوبکر بن ابی شیبہ کے استاذ خالد بن حارث فرماتے ہیں کہ حضرت ہشام بن عروہ (تابعی) رحمۃ اللہ سے سوال ہوا کہ حضرت عروۃ بن الزبیر رحمۃ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر آکر آپ پر سلام بھیجتے تھے؟ تو حضرت ہشام بن عروہ نے فرمایا نہ! عبارت اس طرح ہے حدثنا خالد بن الحارث قال سئل ہشام اکان عروۃ یاتی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیسلم علیہ قال لا۔ ہشام ام المومنینؓ کے بھانجے کے صاحبزادے ہیں

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا عمل

اور اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت "من کان یاتی قبر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فیسلم" کے عنوان کے تحت جو آئی ہے انہ کان اذا اراد ان یخرج دخل المسجد فصلی ثم اتی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال السلام علیکم یا رسول اللہ السلام علیک یا ابابکر السلام علیک یا ابتاہ ثم یاخذ وجہہ وکان اذا قدم من سفر یفعل ذلک قبل ان یدخل منزلہ (یعنی جب آپ (عبداللہ بن عمرؓ) کہیں باہر جانے کا ارادہ کرتے تو مسجد نبوی میں آکر پہلے نماز پڑھتے پھر قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر السلام علیکم یا رسول اللہ السلام علیک یا ابابکر السلام علیک یا ابتاہ کہتے پھر چلے جاتے اور جب سفر سے واپس آتے تو گھر جانے سے پہلے وہی کرتے۔)

اس کا جواب

مگر ان کے علاوہ کسی صحابی سے یہ فعل مروی نہیں ہے اس میں حضرت ابن عمرؓ متفرد ہیں جس طرح امام بخاریؒ نے صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۴۶ میں فرمایا وکان ابن عمرؓ یسجد علی غیر وضوء (حضرت ابن عمرؓ بے وضو ہونے کی حالت میں سجدۂ تلاوت کر لیا کرتے تھے۔ لیکن لم یوافقہ احد علی جواز السجود بغیر وضوء الا الشعبی یعنی بے وضو ہونے کی حالت میں سجدہ تلاوت کرنے میں شعبی کے سوا کوئی بھی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ہم خیال نہیں ہے۔ ابن ابی شیبہ کی روایت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ سواری سے اتر کر قضائے حاجت کرتے پھر سوار ہو کر قرآن پڑھتے سجدہ کی آیت آجاتی تو پڑھ کر ہی سجدہ کر لیتے اور اس کے لئے وضو نہ کرتے۔

نیز حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اگر ثابت ہے کہ سفر کو جاتے وقت یا سفر سے آتے وقت قبر النبیؐ کے پاس صلوٰۃ و

سلام کہتے تھے تو یہ ہرگز ثابت نہیں کہ آپؐ حضورؐ سے دعا کرواتے تھے یا شفاعت کے طالب ہوتے
شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے الرد علی الاخنائی ص ۲۱۱ میں لکھا ہے :- آپ کی قبر اطہر پر جاکر آپؐ سے دعا کی درخواست کرنا، قبر کو میلہ گاہ بنانا، بت خانہ کی طرح اپنی تمناؤں اور دعاؤں کی قبولیت کا مرکز سمجھنا، مدد مانگنا، یا مانگنا، سجدہ کرنا، طواف کرنا، اور رجوع کرنا یہ سب افعال مشرکانہ ہیں۔ ان سب امور کا تعلق خداوند کریم سے ہے۔ ان میں کسی مخلوق کو شریک کرنا توحید فی الالوہیت کے منافی ہے۔
اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انہی مشرکانہ کاموں سے باز رکھنے کے لئے آپؐ کو حجرہ مبارکہ میں دفن کیا گیا تاکہ لوگ آپؐ کی قبر اطہر کا مشاہدہ نہ کر سکیں اور نہ ہی اعتکاف اور نہ زیارت کے لئے کسی بے تابی کا اظہار کر سکیں۔

قبر اطہر پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا صحابہ کرامؓ کا معمول تھا

ص ۱۰۹ میں ہے امام مالک اور دیگر جلیل القدر ائمہ اہل مدینہ کے لئے قبر نبوی پر وقوف اور سلام کو مکروہ جانتے تھے، صحابہ کرامؓ کا طرز عمل خلافت راشدہ کے دور میں یہ تھا کہ وہ مسجد نبوی میں نماز ادا کر کے اپنے اپنے گھروں کی طرف لوٹ جاتے تھے، اسی طرح ابوبکرؓ و عمرؓ رضی اللہ عنہما وفات تک نماز کی ادائیگی کے لئے حاضر ہوتے رہے اور عثمان رضی اللہ عنہ محصور ہونے تک مسجد نبوی میں حاضر ہوتے رہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ جب تک مدینۃ الرسول میں مقیم رہے مسجد نبوی میں نماز کی ادائیگی کے لئے آتے رہے ان کے علاوہ دیگر صحابہ کرامؓ تابعین عظامؒ بھی مسجد نبوی میں نمازیں ادا کرتے رہے لیکن ان میں سے کوئی انسان بھی نماز کی ادائیگی کے علاوہ قبر نبوی پر نہ حاضر ہوتے اور نہ ہی وہاں کھڑے ہو کر دعا کرتے

پھر ص ۲۲۷ میں لکھا قبر اطہر پر کھڑے ہو کر سلام کہنے کے بارے میں صحابہؓ اور تابعینؒ جو مدینۃ الرسولؐ میں قیام پذیر تھے ان کا معمول یہ نہ تھا کہ جب بھی وہ مسجد نبوی میں داخل ہوں یا مسجد نبوی سے باہر نکلیں تو آپؐ کی قبر اطہر پر جاکر سلام کہیں الخ:

ص ۲۲۲ قبر اطہر پر کھڑے ہو کر آپؐ کے لئے دعا کرنے کو بعض علماء نے ناجائز قرار دیا ہے، بلکہ آپؐ پر سلام بھیجنے کے لئے وقوف کو بھی ممنوع قرار دیتے ہیں، لیکن وفات کے بعد آپؐ سے دعا کروانا اور آپ سے مغفرت اور شفاعت

کی درخواست کرنا ائمہ اربعہ کے علاوہ بھی کسی امام سے اس کا جواز منقول نہیں۔ مسنون دعائیں بھی اس سے خالی ہیں اور نہ ہی قبر اطہر پر کھڑے ہو کر ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لہم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما آیت کی تلاوت کرے۔

ص ۲۲۵ میں لکھا: سلف صالحین متفق ہیں کہ آپ کی قبر اطہر کی زیارت کرنے والا انسان نہ آپ سے کسی قسم کا سوال کر سکتا ہے اور نہ ہی قیامت کے روز شفاعت کرنے اور استغفار کا سوال کر سکتا ہے

خلفاء راشدینؓ کے عہد میں صحابہ کرامؓ مسجد نبوی میں داخل ہوتے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام کہتے، نماز ادا کرتے اور واپس گھروں میں چلے جاتے۔ معلوم نہیں ہو سکا کہ نماز کی ادائیگی سے پہلے یا بعد حجرۂ نبویؐ پر صلوٰۃ وسلام کہنے کے لئے کھڑے ہوتے ہوں۔ خیال ہے کہ خلفائے راشدینؓ اور عہد صحابہؓ میں حجرۂ نبویؐ مسجد کے حدود میں داخل نہ تھا۔ ولیدؒ بن عبدالملکؒ کے دور خلافت میں جب کہ مدینہ منورہ میں بسنے والے اکثر صحابہ کرامؓ فوت ہو چکے تھے ان میں سب سے آخر میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ولیدؒ کی خلافت سے قبل ۷۸ھ میں فوت ہوئے جب کہ ولید ۸۶ھ میں خلافت کے منصب پر جلوہ افروز ہوئے اور ۹۶ھ میں فوت ہوئے حجرۂ نبوی کو مسجد میں داخل کیا گیا۔ (الرد علی الاخنائی ص ۲۴۲)

ص ۲۲۷: قبر اطہر پر کھڑے ہو کر سلام کہنے کے بارے میں صحابہ اور تابعین جو مدینۃ الرسول میں قیام پذیر تھے، ان کا معمول یہ نہ تھا کہ جب بھی وہ مسجد نبوی میں داخل ہوں یا مسجد نبوی سے باہر نکلیں تو آپ کی قبر اطہر پر جا کر سلام کہیں۔ اور اگر اس سلام کا حکم اس سلام کی طرح ہوتا جس کو آپ کی زندگی میں صحابہ کرام آپ پر کہتے تھے تو یقیناً صحابہ کرامؓ مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت ضرور وہاں پہنچ کر سلام کہتے جیسا کہ جب آپ بقید حیات (دنیویہ) تھے اور مسجد میں تشریف فرما ہوتے، تو صحابہ کرامؓ کو حکم تھا کہ وہ آپ پر سلام کہیں، بلکہ جو شخص مسجد میں داخل ہو اور مسجد میں کچھ لوگ موجود ہوں تو اس کے لئے ان پر سلام کہنا مسنون ہے، اسی طرح مسجد سے نکلتے وقت سلام کہنا بھی مسنون ہے، بلکہ ایک حدیث میں صراحت موجود ہے کہ پہلا سلام دوسرے سلام سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ اور اس قسم کے سلام کو قبر اطہر کے پاس مشروع قرار دینا اجماع امت کے خلاف ہے۔ نیز صحابہ کرام کی عادت معروفہ کے بھی مخالف ہے۔ اگر حجرۂ عائشہؓ کے باہر سلام کہنا مستحب ہوتا، تو

اُس کا استحباب عام ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر اسلاف اس مسئلہ میں عمومیت کے قائل ہیں۔ اہلِ مدینہ اور دیگر لوگوں کے درمیان فرق کے قائل نہیں ہیں اور نہ ہی حالتِ سفر اور غیر سفر میں کچھ فرق کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اہلِ مدینہ کے لئے مکروہیت کا حکم اور غیر کے لئے استحباب کا حکم دلیلِ شرعی کا محتاج ہے جب کہ اس فرق کے لئے کوئی دلیل شرعی موجود نہیں ہے۔ کوئی محقق ثابت نہیں کر سکتا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مدینہ کے لئے مشروع قرار دیا ہو کہ مدینہ سے الوداع ہوتے وقت قبر اطہر پہ حاضری دیا کریں۔ یا سفر سے واپسی پر قبر اطہر کی حاضری کو ضروری قرار دیا ہو۔ اور نہ ہی مدینۃ الرسول سے باہر رہنے والوں کو حکم ہے کہ جب بھی مسجد میں داخل ہوں یا مسجد سے نکلیں تو ان کے لئے قبر اطہر پہ حاضری دینا مستحب ہے۔

البتہ عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق منقول ہے کہ جب وہ سفر سے آتے، تو قبر اطہر پر جا کر سلام کہتے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جذبۂ اتباعِ رسولؐ کے پیشِ نظر بعض دیگر تفردات بھی منقول ہیں جو جمہور صحابہ کرامؓ کے تعامل کے خلاف ہیں؛

ص ۴۰۴: خلفائے راشدینؓ کے عہدِ خلافت میں صحابۂ کرامؓ جو مدینہ منورہ میں رہتے تھے، مسجد میں نماز، اعتکاف، تعلیم و تعلّم، ذکرِ الٰہی، دعا کے لئے جب داخل ہوتے، تو اُن کا معمول یہ نہیں تھا کہ وہ قبر اطہر کی طرف زیارت کے لئے جاتے ہوں، یا حجرۂ ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کے اندر داخل ہوتے ہوں، یا اس کے باہر ہی وقوف کرتے ہوں۔ مقصد یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں رہنے والے صحابۂ کرامؓ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کی زیارت نہ حجرہ سے باہر مسجد کی حدود میں اور نہ ہی حجرہ کے اندر پہنچ کر کرتے تھے اور نہ ہی اپنے گھروں سے صرف آپؐ کی قبر اطہر کی زیارت کے قصد سے نکلتے تھے بلکہ اس قصد سے نکلنا بدعاتِ دین سے شمار ہوتا تھا۔ ائمۂ دینؒ اور سلف صالحینؒ اس انسان کے عمل کو منکر اور بدعات سے شمار کرتے ہیں جو گھر سے نماز اور قبر اطہر پہ سلام کی غرض سے نکلتا ہے۔ مبسوط میں امام مالکؒ سے وضاحت کے ساتھ منقول ہے کہ سلف صالحینؒ سے اس قسم کی زیارت ثابت نہیں نیز اُن کے شاگردوں اور معتقدین میں سے ابوالولید باجیؒ، قاضی عیاضؒ، اور دیگر علماء بھی اس نظریہ کے حامل ہیں

استفتاء از امام مالکؒ

سوال: امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ مدینہ میں آباد لوگوں میں سے کچھ اس قسم کے لوگ بھی ہیں کہ جب انہوں نے سفر پر جانا ہو یا جب وہ سفر سے واپس آتے ہیں، تو قبر اطہر پر حاضر ہو کر سلام کہتے ہیں' نیز حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے لئے دعا کرتے ہیں؛ ایک دن میں ایک بار سے زیادہ دفعہ بھی بعض لوگوں کا معمول ہے تو اس کے متعلق آپ کا کیا فرمان ہے

فتویٰ امام مالکؒ

جواب: امام مالکؒ نے فرمایا مجھے اپنے شہر کے فقہاء سے اس کے جواز پر کوئی دلیل نہیں پہنچی، لہٰذا اس کو نہ کرنا زیادہ مناسب ہے۔ امت کے آخری لوگوں کی اصلاح اسی طرح ہونی چاہئے جس طرح امت کے پہلے لوگوں کی اصلاح کی گئی اور امت کے پہلے علماء سے اس کے بارے کچھ اطلاع حاصل نہیں کہ وہ بھی آپ کی قبر اطہر پر حاضری دیتے تھے۔

ص ۳۴۳ : اگر روضۂ نبوی کی زیارت کے آداب میں اس کو شامل کر لیا جائے کہ مسجد نبوی میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت روضۂ نبوی پر سلام کہا جائے تو کیا بلا دلیل اس کی مشابہت بیت اللہ کے ساتھ نہ ہو گی جس طرح بیت اللہ کے آداب میں داخل ہے کہ اس کی زیارت کرنے والا طواف قدوم کرے اور واپس جانے والا طواف وداع کرے۔ ظاہر ہے کہ شریعت حقہ میں بلا دلیل کسی حکم کو داخل کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ حجرۂ عائشہؓ کا طواف کرنا جائز نہیں اور نہ ہی اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا جائز ہے۔ صحیح مسلم میں ہے عن ابی مرثد الغنوی انہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تجلسوا علی القبور و لا تصلوا الیہا یعنی حضرت ابو مرثد غنوی نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ تم قبروں پر بیٹھو اور نہ ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو

پس اہل مدینہ اور غیر اہل مدینہ کسی کے لئے قبر نبوی پر وقوف کرنا ثابت نہیں۔

بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ پر بہتان عظیم

مولنا کی جسارت

نیلوی: جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ و تبع تابعین کا معمول معلوم ہو گیا تو سیف بن عمر و کذاب راوی کی روایت جو ایک صحابی رسول حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ پر ناحق کی تہمت لگا کر باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس جرم عظیم کے شاہد و معتوب گردانتا ہے کس طرح قابل قبول ہو سکتی ہے

نیز ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ اعرابی حجرہ منیفہ کے اندر بغیر اجازت لیے داخل ہو کر قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ کیسے گیا۔ کیا اس اعرابی کو لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتے تستانسوا و تسلموا علی اہلھا آیت قرآنیہ یاد نہ تھی چلو اسے یاد نہ سہی حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کو تو یاد تھی۔ انہوں نے اس اعرابی کو بلا اجازت اندر آنے سے کیوں نہیں روکا۔ یا پھر ام المؤمنین شاید کسی مجبوری کی وجہ سے گئی ہوئی ہوں کیا بغیر تالا لگائے دروازہ کھلا چھوڑ کر چلی گئی تھیں باوجودیکہ آپ کو ہر وقت خطرہ ہی خطرہ رہتا تھا کہ کہیں قبر نبی پر غیر شرعی کام کوئی کر نہ بیٹھے۔ یہ بات کسی طرح عقل تسلیم نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ صحاح ستہ والوں نے یہ ٹکڑا بیان نہیں فرمایا

قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم پہ آمد و رفت

ص ۱۰۲ : ابراہیم بن سعد بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ کو کبھی قبر نبوی پہ آتے نہیں دیکھا اس لئے وہ قبر نبوی کی زیارت کو بنظر کراہت دیکھتے تھے۔ اس اثر کی سند میں نوح بن یزید ثقہ ہے احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا استاذ ہے خود احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اسے ثقہ کہا۔ ابن حبان نے بھی اسے ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔ اور ابراہیم بن سعد رحمہ اللہ مدینہ کے اکابر علماء سے تھے۔ خیال رہے کہ تابعین رحمہم اللہ کے آثار بیان کرنے سے مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو بتایا جائے کہ صالحین کا موقف کیا تھا۔ اس سند میں ابراہیم بن سعد رحمہ اللہ راوی تو مدینہ کے اکابر علماء سے شمار ہوتے ہیں۔ ان کے علمی تفوق کے لئے یہ شہادت کافی ہے کہ لیث بن سعد رحمہ اللہ جیسے جلیل القدر امام بھی ان سے روایت کرتے ہیں اور ابراہیم بن سعد رحمہ اللہ کے والد ماجد حضرت سعد بن ابراہیم عابد صالح انسان تھے۔ عہد تابعین رحمہم اللہ میں مدینہ منورہ کے قاضی تھے

ان کی زندگی میں ہی حجرہ عائشہ صدیقہ رض کو مسجد میں داخل کیا گیا، سفیان ثوریؒ شعبہؒ جیسے جلیل القدر ائمہ ان سے روایت کرتے ہیں فقہاء سبعہ اور دیگر اکابرین کی ان سے ملاقات ثابت ہے ۱۲۶ھ میں فوت ہوئے وہ من احدث فی امرنا ہذا ما لیس منہ فہو رد کی روایت قاسم بن محمد عن عائشہ سے بیان کرتے ہیں پس ان کا عمل جمہور صحابہ رض کے موافق تھا کہ قبر نبی پر حاضر ہونے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ اس لحاظ سے حضرت عبداللہ بن عمر رض کے مخالف تھے کہ وہ قبر نبی پر آنے کو مکروہ نہیں جانتے تھے

استشفاع عند قبر النبیؐ

الرد علی الاخنائی ص ۳۰-۳۴ میں ہے قبروں کی زیارت سے اصل مقصود ان کی تعظیم ہرگز نہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت اس لئے مشروع فرمائی ہے تاکہ زائرین ان کے حق میں دعا کریں (نہ کہ ان سے دعا کروائیں) اور ان کے لیے مغفرت طلب کریں بشرطیکہ وہ مؤمن ہوں اور اگر مؤمن نہیں تو عبرت اور موت کی یاد کو تازہ کرنے کے لئے زیارت کی جائے' یہ ہے زیارت شرعیہ اور ایک زیارت محرمہ ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ صاحب قبر سے دعا کے لئے کہا جائے یا اس سے شفاعت کا سوال کیا جائے تو یہ شرعاً حرام ہے

آگے فرماتے ہیں: اس میں قطعاً کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کی زیارت سے مقصود یہ نہیں کہ آپؐ سے درخواست کی جائے یا آپؐ سے دعا کے لئے کہا جائے، ہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپؐ کی زندگی میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور دعا کی درخواست کرتے۔ بارش کی دعا کرنے کی درخواست کا ذکر واضح طور پر موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپؐ فوت ہو گئے تو پھر بارش کی دعا کے لئے آپؐ کے چچا حضرت عباس رض سے بارش کی دعا کرنے کی درخواست کی گئی۔ صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۳۷ و ص ۵۲۶ میں حضرت عمر رض کا قول موجود ہے،

اللہم انا کنا نتوسل الیک بنبینا فتسقینا وانا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا کہ اے اللہ جب ہم قحط زدہ ہوتے تو ہم آپ کے ہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ لاتے تو آپ ان کے دعا کرنے سے ہم پر بارش برسا دیتے تھے۔ اور اب آپؐ کی وفات کے بعد ان کے چچا رض کا وسیلہ لائے ہیں یعنی انؓ کی دعا سے ہم پر بارش برسائیں

چنانچہ انؓ کے دعا کرنے پر (فیسقون) بارش برس پڑتی

حضرت عمرؓ کے کلام سے ہرگز یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے حضرت عباسؓ کی حرمت، عظمت وغیرہ کے وسیلہ سے بارش مانگتے، بلکہ انہیں بارش کی دعا کرنے کے لئے باہر لے جاتے۔

مگر حرمت کا واسطہ دے کر شفاعت کا معنے لیا جائے تو پھر ان کی وفات کے بعد بھی ان کی حرمت وعظمت کو بطور سفارش کے پیش کرنا جائز ہوتا۔

نیز یہ معنے اس لئے بھی درست نہیں کہ اگر مقصود حرمت کا واسطہ دینا ہو تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کا واسطہ کافی تھا، حضرت عباس رضی کی حرمت کو بطورِ سفارش پیش کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

معلوم ہوا مقصود محض انؓ سے دعا کروانا تھا۔

اسی طرح حضرت معاویہؓ نے یزید بن اسود جرشی رضؓ سے بارش کی دعا کرنے کی درخواست کی۔ اسی طرح ضحاک بن قیسؓ سے بھی بارش کی دعا کروائی گئی۔

پس ثابت ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے، آپؐ کی وفات کے بعد شفاعت کرنے کی درخواست کرنا ثابت نہیں ہے۔

اور ص ۲۲۵ میں فرمایا: سلف صالحینؒ متفق ہیں کہ آپؐ کی قبر اطہر کی زیارت کرنے والا انسان نہ آپ سے کسی قسم کا سوال کر سکتا ہے اور نہ ہی قیامت کے روز شفاعت کرنے اور استغفار کا سوال کر سکتا ہے،

البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا روضۂ اطہر پر سلام کہنے کے بعد آپؐ کے لئے دعا کر سکتا ہے یا نہیں۔ بعض علماء دعاء کو سلام میں داخل کرتے ہوئے اس کو جائز فرماتے ہیں اور بعض اس کو غیر مستحب کہنے (نزد آپ ہمیشہ) ہیں اس لئے کہ وہ اسے سلام میں داخل نہیں سمجھتے۔ نیز آپ پر سلام بھیجنے کا جو حکم قرآن پاک میں ہے صلوٰۃ کے ساتھ اس کا ذکر ہے، اور یہ صلوٰۃ و سلام وہ نہیں جس کا آپؐ کی طرف سے جواب دیا جاتا ہے اور یہ اس سلام سے یقیناً افضل ہے جس کے جواب دینے کے متعلق حدیث وارد ہے کہ جو شخص آپؐ پر صلوٰۃ و سلام بھیجتا ہے، میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ افضلیت کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص آپؐ پر صلوٰۃ و سلام کا ہدیہ بھیجتا ہے، اللہ پاک اس پر جواباً صلوٰۃ و سلام بھیجتے ہیں۔ اور جس سلام کا جواب آپ کی طرف سے دیا جاتا ہے اس کے متعلق وضاحت ہے کہ وہ مسلمان کا حق ہے۔ اللہ پاک نے فرمایا: واذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منہا او ردوہا (اور جب تم کو کوئی

دعا دے تو جواب میں تم اس سے بہتر کلمے سے اسے دعا دو یا انہیں لفظوں سے دعا دو۔

اسی لئے جب آپ زندہ تھے تو اگر کوئی کافر سلام کہتا تب بھی آپ اس کے سلام کا جواب دیتے۔ اور یہود جب آپ پر غلط انداز سے سلام کا تلفظ کرتے، لام کو حذف کر کے السّام کہتے جس کے معنے ہیں ہلاکت بربادی اور موت تو آپ جواباً "علیکم" کہتے اور امت کو بھی اسی انداز سے جواب دینے کا حکم فرمایا..........لیکن جب معلوم ہو جائے کہ انہوں نے السلام کا لفظ صحیح کہا ہے تو پھر انہیں "علیکم" کے ساتھ جواب نہ دیا جائے کیونکہ اس صورت میں معنے یہ ہونگا کہ بس تم پر ہی سلام ہو، ہم پر نہ ہو (حسب قاعدہ تقدیم ماحقہ التاخیر یفید الحصر) پس درست یہ ہے کہ جواب میں وعلیکم السلام کہیں کہ تم پر بھی امن و سلامتی ہو

اسی طرح جو شخص بھی کسی پر سلام کہتا ہے وہ اجمالاً اس کی سلامتی کے لئے دعا کر رہا ہے

اور یہ ناممکنات سے ہے کہ ہر سلام کہنے والے کے جواب میں آپ اس کے لئے دنیا اور آخرت کے عذاب سے سلامتی کی دعا فرماتے ہوں۔

ایک اہم سوال

نیلوی کہتا ہے کہ جب آپ بقید حیات دنیویہ تھے تو مسلمین اور کفار کے سلاموں کے جواب میں فرق فرماتے تھے اور حکم بھی تفریق کا دیتے اب جب آپ آرامگاہ میں عزلت گزین ہیں ہر قسم کے عقیدہ والا آپ کو سلام کہتا ہے تو سب کے سلام کا جواب یکساں دیتے ہیں یا مسلمانوں کے سلام اور کافر مشرک کے سلام کے جواب میں فرق فرماتے ہیں اگر سب کو یکساں جواب دیتے ہیں تو نا اہلِ سلام کو بھی آپ کی دعا کا اثر ہوگا تو لازماً تمام مشرک بھی بخشے جائیں گے کیونکہ آپ مستجاب الدعوات ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ان اللہ لایغفر ان یشرک بہ کہ مشرک اور کافر کی کوئی بخشش نہیں ہاں عرغرہ سے پہلے کفر سے تائب ہو جائیں۔ یا یوں کہیں کہ جتنے مشرک، قادیانی، روافض وغیرہ وہاں کی سلامی دے آئیں وہ سب یقیناً اسلام پر رہتے ہیں۔ اور اگر یہ کہیں کہ آپ ان زائرین کو غور سے دیکھتے ہیں ان کے دلی عقیدہ کے مطابق جواب دیتے ہیں تو آپ علیم بذات الصدور ہوئے۔ نیلوی کا عقیدہ تو یہی ہے جس پر رہ کر مرنے کا متمنی ہے کہ علیم بذات الصدور صرف اور صرف اللہ پاک کی مخصوص صفت ہے جس میں کوئی بھی شریک نہیں خواہ ولی شہید نبی ہی ہو۔

اور اگر کہو کہ اللہ تعالیٰ اطلاع دیتے ہیں کہ یہ سلام کہنے والا مسلمان ہے یہ کافر ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ دمی اد

اور الہام کا سلسلہ ابھی جاری ہے حالانکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضورؐ کی وفات کے بعد امام ابوبکرؓ نے عمرؓ کو فرمایا کہ مجھے ام ایمنؓ کے پاس لے چلو اس کو مل آئیں جیسے حضورؐ اس کو ملنے جایا کرتے تھے پس میں (انسؓ) اور شیخینؓ ام ایمنؓ کے ہاں پہنچے تو دیکھتے کیا ہیں کہ ام ایمنؓ رو رہی ہیں۔ شیخینؓ نے پوچھا کیوں روئی ہو۔ آپ کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ جو کچھ درجاتِ ثواب حضورؐ کی خاطر وہاں خدا کے پاس ہیں وہ ہر چیز سے بہتر ہیں؟ ام ایمنؓ بولیں اس کا مجھ بھی خوب علم ہے مگر میرا رونا اس وجہ سے نہیں۔ میں روتی اس وجہ سے ہوں کہ آسمان سے وحی آنی بند ہو گئی ہے تو یہ بات سن کر شیخینؓ کو بھی رونا آگیا (مشکوٰۃ ص ۵۴۸ بحوالہ مسلم شریف)

پھر قبل الحشر جان پہچان کا کوئی ثبوت نہیں جب کہ بعد الحشر کا واقعہ جو ہوگا وہ حضورؐ صحابہ کرامؓ کو بتا رہے ہیں کہ میرا حوض بہت وسیع ہوگا جیسے ایلہ کا اور عدن کا فاصلہ ہے جس کا پانی برف سے زیادہ ٹھنڈا اور شہد سے زیادہ شیریں اور لذیذ ہوگا جو دودھ کے ساتھ ملا ہوا ہو اور اس کے برتن گنتی میں تاروں سے بھی زیادہ ہوں گے اس حوض پر آنے سے میں دوسری امتوں کے لوگوں کو اس طرح ہانکوں گا جس طرح کوئی دوسرے لوگوں کے اونٹوں کو اپنے حوض پر آنے سے روکتا ہو تو یہ بات سن کر بعض صحابہؓ نے سوال کیا۔ یارسول اللہ اتعرفنا یومئذ آپ ہم کو اس دن پہچان لیں گے؟ یعنی دوسری امتوں سے ہم کو آپؐ امتیاز کر لیں گے؟ تو آپ نے فرمایا ہاں ایک علامت سے تم کو میں پہچان لوں گا اور وہ علامت دوسری امتوں میں نہ ہو گی الخ (مشکوٰۃ ص ۴۸۰ بحوالہ مسلم)

مولٰنا کی ایک بیان کردہ دلیل

روی عن مالک بن انس الامام انہ قال اذا اراد الرجل ان یاتی قبر النبی فیستدبر القبلۃ ویستقبل النبیؐ ویصلی علیہ ویدعو (شفاء السقام ص ۹۱؛ تسکین الصدور ط ۲ ص ۳۵۰) نیلوی کہتا ہے اول تو وہاں رُوِیَ بصیغہ تمریض ذکر ہے جو ضعف کی دلیل ہے نیز وہ روایت معارض ہے اس روایت کے جو امام مالک سے مروی مبسوط میں ذکر ہے اب ان دونوں روایتوں میں غور کرنا ہے اگر تطبیق ہو جائے تو فبہا ورنہ ترجیح بالدلیل کی صورت ہے یا توقف کی۔ لیکن یہاں نہ تطبیق نہ ترجیح نہ توقف کیونکہ موجودہ صورت یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی قبر اطہر کی زیارت کرنا حتیٰ بھی ممنوع ہے کیونکہ آپؐ حجرہ عائشہؓ میں مدفون ہیں اور حجرہ کی چار دیواری کی وجہ سے لوگ آپؐ کی قبر اطہر تک نہیں پہنچ سکتے

نیز ص ۲۲۸ ۔ردِ اخنائی میں ہے کہ اکثر اسلاف اس مسئلہ میں عمومیت کے قائل ہیں۔ اہلِ مدینہ اور دیگر لوگوں کے درمیان فرق کے قائل نہیں اور نہ ہی حالتِ سفر اور غیر سفر میں کچھ فرق کا سوال پیدا ہوتا۔ اس لئے اہلِ مدینہ کے لئے کراہت کا حکم اور غیر کے لئے استحباب کا حکم دلیلِ شرعی کا محتاج ہے

اگر فتاوٰے میں ج ۲۷ ص ۱۱۷ میں ابن تیمیہؒ نے ویکرہ الاھلی جاء من سفر او اراده لکھا ہے (بحوالہ تسکین الصدور طبع ۲ ص ۳۵۱) تو الرد علی الاخنائی ۲۲۸ میں ابن تیمیہ ہی لکھ رہے ہیں کہ مدنی غیر مدنی مسافر غیر مسافر کا کوئی فرق نہیں کیونکہ دلیل اور ثبوت نہیں اور ابن عمرؓ کا عمل تفردات میں شمار فرمایا اور فرمایا سلف فرق نہ کرتے تھے۔ اِذَا تَعَارَضَا تَسَاقَطَا نیز تعجب آتا ہے کہ آیت کریمہ ولو انھم اذ ظلموا الآیۃ کے بارے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ آیت عام ہے قبل وفات النبیؐ و بعد وفات النبیؐ کو نیک کو بد کو سب مرد کو عورت کو۔ لیکن مدینہ والے جو مستثنیٰ ہیں وہ کونسی دلیل سے مستثنیٰ ہیں کیا سلف کے عمل کے خلاف متاخرین کو جو اجتہادِ سلف کی وصف کے ساتھ متصف نہیں ہیں اپنی غیر اجتہادی رائے کے ساتھ مستثنیٰ کرنے اور اجماع کرنے کا حق حاصل ہے؟ اور متاخرین کے استحسان کی کچھ قدر و قیمت ہے؟ پھر تو قبور صلحاء پر قبے بھی متاخرین کے نزدیک مستحسن ہیں۔ محترم جناب اب شاید راہِ سنت میں لکھے ہوئے مضمون سے رجوع فرما چکے ہوں گے جیسے ان کے ہم مشرب بڑے بڑے فاضل علماء بغیر اعادہ کے ان مشرک اماموں کے اقتداء میں نماز پڑھ لیتے ہیں۔ کیونکہ یہ عاشقانِ رسول اور باادب ہیں۔ ان کو مشرک کہنے والے غلو کرتے ہیں الٹا ان غلاۃ کی اقتداء مکروہ تحریمہ ہے۔

نیلوی نے ندائے حق ص ۱۳۶ میں محترم جناب سے مطالبہ کیا تھا کہ ذخیرۂ احادیث میں ایک حدیث ایسی حدیث دکھائیں جسمیں یہ ہو کہ صحابہ کرام بعد وفات النبیؐ آپؐ سے استشفاع و استغفار کراتے تھے

اس کا جواب سماع الموتیٰ ص ۱۱۵ تا ۱۲۰ دیا اور ص ۱۱۷ و ۱۱۸ میں دعویٰ کر دیا کہ اس روایت سے مؤلفِ ندائے حق کا یہ مطالبہ بھی پورا ہو گیا۔

نیلوی کہتا ہے کہ محترم نے ہتھیلی پہ سرسوں جما دکھائی ہے کہا بلال بن حارث مزنی صحابی رضی اللہ عنہ کا جو البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۰۱ میں کذاب راوی سیف بن عمرو کے طریق سے واقعہ مروی ہے اور کہا وہ اعرابی جس کا ذکر البدایہ میں دوسرے طریق سے کیا۔ مطالبہ تو حدیث کا تھا جواب میں موضوع روایت پیش فرما دی۔ معلوم یہ ہوا کہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ موضوعات کو احادیث میں شمار فرماتے ہیں نیز ان کے ہاں موضوع بھی قابلِ عمل ہے۔ یا اللہ

تو ہی اپنے دین کا محافظ ہے

معلوم رہے کہ بلال مزنی کا واقعہ جدا ہے اعرابی کا واقعہ جدا ہے۔ مطالبہ تھا کہ اس کا نام بتائیے آپ اس کا نام بتانے سے اب تک عاجز رہے۔ پھر آپ نے تسکین الصدور ط۲ ص ۲۵۲ میں بحوالہ ابن کثیر ج ۱ ص ۵۲۲ عتبی کی حکایت نقل فرمائی اس کے بارے علامہ نسفی حنفی مدارک ج ۱ ص ۳۹۹ میں قیل کہہ کر ضعف کی طرف اشارہ فرما دیا نیز یہ روایت ابن نجار اور ابن عساکر جیسے لوگوں کی بیان کردہ ہے نیز عمل سلف سے خلاف ہے نیز اس قسم کی بے سند حدیث کے ساتھ تخصیص عام کتاب اللہ لازم آتی ہے اگر تخصیص نہیں تو استشفاع علی قبور الصالحین کس دلیل سے منع ہے۔ یا وہاں بھی یہی فتویٰ ملے کہ سب اولیاء اللہ کی قبور سے استشفاع جائز ہے کیونکہ تمام امت بریلویہ کا جو اپنے آپ کو سواد اعظم در اصل اہل السنۃ والجماعۃ کہتے ہیں تعامل اور اجماع ہے اور منکر اہل سنت سے خارج اور پکا وہابی کافر ہے۔ کیا حضرت محترم کو یہ فتویٰ منظور ہے؟

یاد رہے کہ جتنے دلائل آپ نے جواز استشفاع کے بارے نقل فرمائے ہیں بعینہٖ یہی دلائل بلکہ بقدر زائد بریلویہ اپنے رسائل میں بیان کر چکے ہیں۔ آپ کے ان دلائل سے ان بریلویہ کو مزید تائید حاصل ہو گئی بریلویہ کو آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہیے

"انوار الانتباہ فی حل نداء یا رسول اللہ" مؤلفہ اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب بریلوی کے مقدمہ میں لکھا ہے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مقولہ ہے من لیستمد منہ فی حیاتہ لیستمد منہ بعد وفاتہ جس سے اس کی زندگی میں مدد لی جا سکتی ہے اس سے اس کے مرنے کے بعد بھی مدد طلب کی جا سکتی ہے

اور پھر حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تو جمہور امت کا مسلمہ عقیدہ ہے کہ آپؐ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور امتیوں کا سلام سنتے ہیں اور اس کا جواب دیتے ہیں اس لئے آپؐ سے مدد طلب کرنا جائز ہے۔ اور یہ بات تاریخی شہادتوں سے بھی ثابت ہو چکی ہے کہ بزرگان دین نے اپنی وفات کے بعد بھی اپنے متوسلین کو فیض پہنچایا ہے۔ (نیلوی: تاریخ کی شہادت بتاتے رہو قرآن پاک کی شہادت سنو لا یستطیعون نصرہم ولا انفسہم ینصرون) خط کشیدہ الفاظ دیکھ کر ہر ذی شعور سمجھ سکتا ہے کہ وفات کے بعد مدد طلب کرنے کے جواز کی دلیل یہی ہے کہ وفات پانے والا وفات پانے کے بعد اپنی قبر میں زندہ ہے اور زائر کا سلام سنتا ہے خصوصاً حضرت نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کو ذکر جمہور امتہ مسلمہ کا یہی عقیدہ ہے کہ آپ اپنی قبر مبارک میں زندہ بھی ہیں، امتیوں کا سلام سنتے بھی ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ جب یہ عقیدہ مسلمہ امتہ محمدیہ کا ہوا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ آپ سے مدد کا مطالبہ بھی بلا شبہ اور بلا تردد جائز ہوا۔ مگر پھر بھی محترم فرماتے ہیں کہ یہ عقیدہ مفضی الی الشرک نہیں ہے جو بالکل شاہ کے خلاف ہے۔ پھر بھی بریلوی حضرات اپنے دعویٰ (انبیاء کرام علیہم السلام سے امداد طلب کرنے کے جواز میں شیخ عبد الحق محدث رح دہلوی کی عبارت پیش کرتے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ ان کو کافر کہنا چاہئے

من صلی علی عند قبری سمعتہ کے صحیح نہ ہونے کا مؤید ایک اصولی قاعدہ

من صلی علی عند قبری سمعتہ کے صحیح نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حضرت امام ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنا کوئی ایسا عمل ان کی پوری زندگی میں نہیں ملتا یعنی کہیں سے نہیں معلوم ہوتا کہ اس اپنی مروی حدیث کے مطابق حضرت ابو ہریرہ رضی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر سلام کہتے ہوں یا ان کے شاگرد ابو صالح اس پر عامل ہوں یا ان کے شاگرد اعمش کا یا ابو معاویہ کا معمول ہو۔ اور اصول فقہ کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ راوی جب خود اپنے مروی پر عمل نہ کرے تو یہ عمل نہ کرنا دلیل ہے اس امر کی کہ وہ حدیث یا تو ثابت ہی نہیں اور اگر ثابت ہے تو یا مؤول ہے یا منسوخ۔

اور عمل حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا کسی روایت پر مبنی نہیں ہے نہ روایت بیان فرماتے ہیں اور نہ ہی لوگوں کو اس عمل کا امر فرماتے ہیں

فائدہ

یحیی بن ابی کثیر بھی مدلس ہے حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص الحبیر ج ۲ ص ۱۳۱ میں فرمایا اظن العلۃ فیہ عنعنۃ الاوزاعی وعنعنۃ شیخہ لے یحیی بن ابی کثیر

اس حدیث کا ایک اور راوی ابومعاویہ کا استاذ اعمش (سلیمان بن مہران) کیسا تھا؟

ہم نے ندائے حق ج ۱ ص ۱۹۳ میں اس حدیث کے ایک اور راوی سلیمان بن مہران اعمش پر بحث کی تھی جس میں یہ کہا تھا

صاحب تسکین نے ص۱۸۵ و ص۳۸ میں ان کی بڑی توثیق بیان کی اور ان کے شیعہ کہنے والوں پر بڑے [illegible] اور فرمایا بخاری جیسوں نے شیعہ کی روایات لی ہیں اگر شیعہ کی روایات کو تشیع کی وجہ سے رد کیا جائے تو بخاری کا [illegible] رد کرنا پڑے گا

الجواب جناب اگر اقرار تشیع کے ساتھ اعمش کے مدلس ہونے کا بھی اقرار فرما لیتے تو حقیقت واضح ہو جاتی وکان یُدلّس وصفہ بذلک الکرابیسی والنسائی والدارقطنی وغیرھم (طبقات المدلسین ص۱) اور اصولِ حدیث کا ایک مجمع علیہ قاعدہ ہے کہ جو مدلس عَنْ سے حدیث بیان کرے اور حَدَّثَنِیْ یا سَمِعْتُ کا لفظ نہ کہے تو اس کی حدیث بخاری و مسلم صحیحین کے علاوہ مقبول نہیں خواہ جتنا بھی عادل ہو وحکم من ثبت عنہ التدلیس اذا کان عدلًا ان لا یقبل منہ الا ماصرح فیہ بالتحدیث علی الاصح (نخبۃ الفکر ص۵۳) اور شیخین کی صحیحین کو مستثنیٰ اس لئے کیا کہ قاعدہ ہے ماکان فی الصحیحین من المدلسین بعَنْ محمول علی ثبوت سماعہم من جہۃ اخریٰ (نووی ص۳۲)

تسکین الصدور میں ردّ روح اور من صلی علی عند قبری کی دونو حدیثیں منقول ہیں دونوں میں اعمش عَنْ سے [illegible] کرتا ہے اعمش عَنْ منہال (ص۳۸) اعمش عن ابی صالح (ص۱۸۵) لہٰذا یہ دونو حدیثیں اصولِ حدیث کی رُو سے مردود ہیں: مردود ہونے کی چوتھی وجہ ہوئی۔

رہیں صحاح میں شیعہ غیر مبلغ رُواۃ کی روایتیں سو جن روایات میں احکام یا تاریخ یا اشراط وغیرہ ماسوا العقائد بیان ہوں تو لے لیتے ہیں اور جن کا تعلق عقائد سے ہو وہ نہیں لیتے یہی وجہ ہے کہ شیخین نے ان احادیث کا اخراج نہیں کیا کیونکہ اس میں اس نے اپنے شیعہ مذہب کا پرچار کیا تھا اگر فرض کریں کہ یہ روایتیں اعمش کی بیان کردہ ہیں۔ مگر در اصل یہ روایت اعمش کی بیان کردہ نہیں

سابقہ نقلی دلیل کے علاوہ عقلی دلیل بھی ہے کہ اعمش نے یہ روایت بیان نہیں کی کیونکہ اگر اعمش اپنے مذہب کا پرچار کرنے والا ہوتا تو کوئی محدث اسکی کسی قسم کی روایت کبھی قبول کرنے کو تیار نہ ہوتا) اور یہ دونو حدیثیں ایسی ہیں جن میں شیعہ مذہب کی آبیاری ہو رہی ہے اور یہ دونوں روایتیں ایسی ہیں جنکی مؤیدہ روایات ہیں جو کافی کلینی میں درج ہیں۔ کافی کلینی میں دروح کی حدیث یہ الفاظ موجود ہے عن ابی عبد اللہ علیہ السلام فی حدیث طویل فید خل عقبہ فی قبرہ ملکا القبر منکر و نکیر فیلقیان فیہ الروح الی حقوتہ قبر میں قبر کے دو فرشتے منکر نکیر داخل ہوکر آدھے دھڑ تک میت میں روح ڈالتے ہیں

اور کافی ص۱۱ میں ہے انہ سئل عن الصعود للشرف قبر النبی حین سقط من سقف المسجد الذی یشرف
فی باب النہی عن الاشراف علی قبر النبی علیہ السلام ۱۲
علی القبر فقال ابو عبد اللہ ما احب لاحدٍ منکم ان یعلو فوقہٗ ولا امنہ ان یری شیئاً یذھب منہ بصرہٗ او یراہ یصلی قائماً او یراہ مع بعض ازواجہ جب حضورؐ کھڑے نماز پڑھتے ہوئے دکھ سکتے ہیں اور یا بیویوں کے ساتھ دیکھے
نعوذ باللہ من اکاذیبہم ۱۲ بلوغ الحیران ص۳۳۳
جاسکتے ہیں اور لازمی امر ہے کہ حضورؐ تمام جسد عنصری کے حواس ظاہریہ و باطنیہ کے ساتھ تشریف فرما ہیں لہٰذا سنتے دیکھتے پہچانتے ہیں

الحاصل شیعہ کی وہ روایات جو اُنکے باطل مذہب کو قوت دیں اُن کا اخذ جائز نہیں چہ جائیکہ اس کی تصحیح کی جائے دوسرے مدلس کی روایت بیان کردہ بلفظ عن غیر صحیحین میں مقبول نہیں۔ پھر اسکی تصحیح پر زور دینا محض ایک مُنہ زوری ہے اور تعصب

اس کے جواب میں محترم مولانا صاحب نے تسکین الصدور ط۲ ص۳۱۹ میں اعمش کے مدلس ہونے کو تو تسلیم فرمالیا ہے الحمد للہ علی ذلک

لیکن ساتھ اپنی بات بھی کر گئے کہ مدلس تو تھے مگر ان کی تدلیس مضر نہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ ان (مؤلف اقامۃ البرہان و مؤلف ندائے حق) کو معلوم ہونا چاہئے کہ امام اعمش ان مدلسین میں شامل ہیں جن کی تدلیس مطلقاً مضر نہیں ہے (دیکھئے توجیہ النظر ص۲۵۱)

مولانا کے جواب کا مسکت جواب

اگر یہ بات مسلّم ہے تو طحاوی رحمہ اللہ نے یہ جواب کیوں نہیں دیا بلکہ انہوں نے مشکل الآثار ص۔۔ میں ایک معترض کا سوال

نقل کیا ہے فقال قائل ہٰذا حدیث مطعون فیہ لان بعض الناس ذکر ان الاعمش لم یسمع عن ابی صالح وانما اخذہ عن رجل مجہول عنہ ...... یعنی اس حدیث میں یہ طعن ہے کہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اعمش نے ابوصالح سے نہیں بلکہ ایک مجہول آدمی سے سنا ہے۔

تو اس کا جواب امام طحاویؒ نے یہ نہیں دیا کہ یہ ان مدلسین میں شامل ہیں جن کی تدلیس مطلقاً مضر نہیں ہے جیسے محترم جناب مولنا صاحب نے جواب دیا ہے بلکہ انہوں نے یہ جواب دیا قال ابوجعفر فجوابنا فی ذلک ان شجاعاً قد رواہ عن الاعمش کما ذکر لکن ہشیماً ہو فوقہ قد قال فیہ عن الاعمش قال حدثنا ابوصالح الخ یعنی اس کا جواب یہ ہے کہ واقعی شجاع نے تو اعمش سے اسی طرح (عن کے لفظ سے) روایت کیا ہے اور اعمش کے مدلس ہونے کی وجہ سے دل میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ شاید کسی اور راوی سے اعمش نے سنا ہو جو مجہول ہے اور اس طرح صحتِ حدیث میں خلل واقع ہو لیکن ہشیم جو شجاع سے فائق ہے اس نے کہا ہے کہ اعمش نے کہا ہے حدثنا ابوصالح اب تو وہ احتمال جاتا رہا جو معترض کے دل میں آیا ہے۔" اس جواب سے معلوم ہو گیا کہ امام طحاوی رحمہ اللہ نے اعمش کی تدلیس کو مُضر مان لیا ہے اسی لئے تو انہوں نے محترم جناب مولنا صاحب کی طرح جواب نہیں دیا بلکہ دوسرے طریق سے ان کی تحدیث ثابت کی۔ پھر یاد رہے کہ امام طحاویؒ مجتہد ہیں اور مؤلفِ توجیہ النظر ناقل ہیں نہ مجتہد

کتاب العلل ومعرفۃ الرجال ص ۱۴۷ میں امام احمد بن حنبل رحمہ نے فرمایا: ما افسد حدیث اہل الکوفۃ الا ابواسحاق والاعمش یعنی ابواسحٰق اور اعمش نے جس قدر اہل کوفہ کی حدیث کو خراب کیا اس قدر اور کسی نے نہیں کیا

نیز امام احمد بن حنبلؒ نے اسی کتاب کے ص ۱۴۰ میں اپنے استاذ ابومعاویہ ضریر سے اعمش کی روایت نقل کر کے ابن مہدی کے حوالہ سے فرمایا ہٰذا من ضعیف حدیث الاعمش یعنی اعمش کی ضعیف حدیثوں میں سے ایک یہ حدیث ہے

عبداللہ بن احمد فرماتے ہیں کہ میرے اباجان نے فرمایا کہ اعمش کے شاگردوں میں سے ابومعاویہ کو احادیث زیادہ حفظ ہیں۔ میں نے پوچھا وہ سفیان کی طرح ہے؟ فرمایا نہ سفیان دوسرے طبقہ میں ہے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ ابومعاویہ اعمش کی بیان کردہ حدیثوں میں سے کئی حدیثوں میں غلطیاں مار جاتا ہے۔ اور جریر رازی کا کہنا ہے کہ ہم اعمش کے پاس احادیث کے رقعے لے جاتے تھے اور ابومعاویہ کا یہ کام تھا کہ کچھ ایک جگہ سے لکھتا تھا کچھ دوسری جگہ سے (کتاب العلل ومعرفۃ الرجال ص ۱۹۳) ایک جگہ لکھا کہ میں نے پوچھا کہ اعمش کی حدیث میں ابومعاویہ شعبہ سے فائق ہے؟ تو فرمایا کہ اعمش کی احادیث کا

علم تو اُس (ابو معاویہ) کے پاس کثیر ہے۔ ہاں شعبہ اس کی حدیث کے پورے الفاظ اور ساری باتیں پہنچاتا ہے اور ابو معاویہ عن عن کرتا ہے (یعنی سارے راوی بیان نہیں کرتا اور حدیث کے اسناد کی ساری کڑیاں نہیں ملاتا) دوسرے یہ کہ اعمش سے احادیث بیان کرتے وقت بڑی غلطیاں مارتا ہے۔ میں نے کہا کہ ابو معاویہ عن اعمش پکا اور اثبت ہے؟ فرمایا شعبہ ہر بات میں ابو معاویہ سے پکا اور اثبت ہے (۱، ص ۳۵)

کتاب الجرح والتعدیل ج ۸ ص ۱۷۹ میں ابو محمد عبد الرحمٰن بن ابی حاتم نے فرمایا سئل ابی عن الاعمش ومنصور. فقال الاعمش حافظ یخلط ویدلس ومنصور اتقن لا یدلس ولا یخلط یعنی ابا جان سے سوال ہوا اعمش اور منصور کے بارے تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ اعمش حافظ تو ہے مگر بیانِ احادیث میں خلط ملط کر جاتا ہے اور تدلیس کا بھی عادی ہے اور منصور اس سے زیادہ پختہ ہے نہ وہ مدلس ہے اور نہ خلط ملط کرتا ہے

کتاب العلل ومعرفۃ الرجال ص ۱۹۴ میں ہے ان ابا معاویۃ یخطئی فی احادیث من احادیث الاعمش اور ص ۳۸۸ میں ہے ان ابا معاویۃ یخطئی علی الاعمش خطأ یعنی ابو معاویہ اعمش کی احادیث میں بھی خطا کرتا رہتا ہے۔

اعمش کے استاد ابو صالح

محقق ابن عبد الہادی نے کہا کہ اس حدیث کو ابو صالح نے روایت نہیں کیا اور یہ ابو صالح ذکوان جب اس حدیث کا راوی نہیں ہے تو یہاں لازماً کہنا ہوگا کہ یہ ابو صالح کوئی اور ہے خواہ وہ مولیٰ ام ہانی ہو یا دوسرا ابو صالح

یاد رہے کہ یہ دونوں ابو صالح ضعیف ہیں

اور باوجود اس کے بغیر دلیل کے اس ابو صالح کو ذکوان بنا لینا کیا انصاف ہے؟ آپ کا فرض تھا کہ آپ کسی معتبر کتاب کا حوالہ دیتے کہ فلاں محدث نے تعیین کر دی ہے کہ یہ ابو صالح ذکوان سمان ہی ہے نہ کوئی اور یہ بتائیں کہ جو شخص آپ کی بات جو دلیل سے خالی ہو نہ مانے تو یہ اس کی سینہ زوری بن جاتی ہے؟ کیوں؟

احسن التفاسیر پارہ ۲۷ ص ۱۲۶ میں ہے ابو صالح کے سلسلہ میں جب تک محمد بن مروان سدی صغیر شریک نہ ہو ابو صالح کی روایت مقبول ہے

نیلوی کہتا ہے کہ حسب قاعدہ اذا فات الشرط فات المشروط اگر ابوصالح کے سلسلہ میں محمد بن مروان سدی صغیر شریک ہوگا تو ابوصالح کی روایت مقبول نہ ہوگی

امامنا فی الدین حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

ابوالشیخ جیسے اعمش سے روایت کرتے ہیں جن کا ساتھی کوئی نہیں پھر اعمش کو صرف ابوصالح بتاتے ہیں۔ ابوصالح کا ساتھی کوئی ایسا نہیں جو یہ روایت بیان کرے پھر ایک لاکھ صحابہ میں سے امام ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی ایک صحابی بھی ایسے نہیں جو ابوصالح کو یہ روایت بتائیں جب کہ یہ روایت بھی اس قدر اہم اور ضروری ہے جس کا انکار آپ کے زعم کے مطابق موجب فسق و ضلال ہے

اور حضرت امام ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس روایت میں متفرد ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ آپ رض جلیل القدر اصحاب رسول میں سے ہیں حافظ الحدیث ہیں محدث اعظم ہیں فقیہ مجتہد مفتی ہیں

مگر مع ہذا خلفاء راشدین رض ابن مسعود رض ابن عمر رض ابن عباس رض معاذ بن جبل رض عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو جو مقام اجتہاد میں حاصل تھا وہ مقام امام ابوہریرہ رض کا ہرگز نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے حنفیہ کا قاعدہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اگر کوئی ایسی روایت مل جائے جو عموم قرآنی اور قاعدہ کلیہ شرعیہ کے خلاف ہو تو عموم قرآنی اور قاعدہ کلیہ شرعیہ کو نہیں چھوڑتے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں اگر تاویل ہو سکے تو فبہا ورنہ اس پر عمل نہیں کرتے الا بالضرورۃ

یہ میرا خود ساختہ قاعدہ نہیں

یہ میرا گھڑا ہوا قاعدہ نہیں ہے بلکہ اصول حنفیہ کی کتابیں پڑھنے والا طالب العلم بھی یہ قاعدہ نور الانوار سے لے کر توضیح تلویح تک پڑھتا چلا جاتا ہے ہاں جو ادھوری کتابیں پڑھ کر چھوڑ دیتے ہیں وہ طالب العلم ہمارے مخاطب نہیں۔ نور الانوار ص۱۸۳ میں یہ عبارت دیکھ لیں وان عرف بالعدالۃ والضبط دون الفقہ کانس وابی ہریرۃ ان وافق حدیثہ القیاس عمل بہ وان خالفہ لم یترک الا بالضرورۃ وہی انہ لو عمل بالحدیث لانسد باب الرأی من کل وجہ فیکون مخالفا لقولہ تعالیٰ فاعتبروا یا اولی الابصار والراوی فرض انہ غیر فقیہ والنقل بالمعنی کان مستفیضا فیہم فلعل الراوی نقل الحدیث

بالمعنے علی حسب فہمہ واخطأ ولم یدرک مراد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فلہذا کان مخالفاً للقیاس من کل وجہ فلہذہ الضرورۃ یترک الحدیث ویعمل بالقیاس۔ وہٰذا لیس ازدراءً بابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ واستخفافاً بہ معاذ اللہ منہ بل بیاناً لنکتہ فی ہٰذا المقام فتنبہ۔

یعنی اگر کوئی ایسا راوی ہو جو عدالت اور حفظ وضبط احادیث میں تو مشہور و معروف ہے مگر فقہ حدیث میں اس قدر مشہور و معروف نہیں جیسے حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما تو ایسے راویوں کی بیان کردہ حدیث کے عمل کرنے یا نہ کرنے کے متعلق قاعدہ یہ ہے کہ اگر ایسے راوی کی بیان کردہ حدیث قیاسِ مجتہد کے موافق ہو تو یقیناً وہ حدیث قابل عمل ہوگی اور اگر ایسے راوی کی بیان کردہ حدیث خلافِ قیاس ہو پھر بھی بلا ضرورت اسے چھوڑا نہ جائے۔ اور ضرورت یہ ہے کہ اس طرح ہر حدیث پر عمل کرنا شروع کردیں تو ہر طرح سے اجتہاد اور رائے کا دروازہ بند ہو جائے گا اور خدا کے اس فرمان کے خلاف ہوگا کہ اے بصیرت والو! قیاس سے بھی کام لے لیا کرو۔ اور یہاں صورت یہ ہے کہ راوی فقہ حدیث میں معروف و مشہور نہیں ہے اور راویوں میں نقل بالمعنے کرنے کا عام دستور تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی عبارت بہت کم نقل ہوتی تھی تو ایسے راویوں نے ممکن ہے کہ اپنے فہم کے مطابق حدیث کو اپنے مفہوم میں ڈھال کر بیان کرنے میں غلطی کی ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل مطلب نہ سمجھا ہو اسی واسطے یہ حدیث ہر طرح سے خلافِ قیاس ہے اسی ضرورت کو مدنظر رکھ کر حدیث کو چھوڑ کر قیاس پر عمل کریں گے اور یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ والعیاذ باللہ اس میں حضرت امام ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہتکِ شان اور توہین ہے بلکہ اس مقام میں ایک نکتہ کا بیان ہے۔ خیال رکھنا۔ انتہیٰ مفہوم صاحب نور الانوار رحمۃ اللہ

یہی وجہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کا مذہب تھا کہ آگ سے پکائی ہوئی چیز اگر کھائی یا پی جائے یا کسی طرح استعمال کی جائے تو وضو واجب ہو جاتا ہے اگر اور کوئی وضو توڑنے والی چیز نہ پائے پھر بھی بغیر وضو کئے نماز نہیں پڑھ سکتا۔ اور اسی مسئلہ کا ہر جگہ جگہ فرماتے تھے اس پر حضرت ابن عباسؓ نے آپؓ کو ٹوک دیا کہ چچا جان یہ فرمائیں کہ جب ہم بدن پر تیل مل لیں تو ہم پر وضو کرنا واجب ہو جائے گا؟ یا جب ہم گرم پانی استعمال کریں پھر ٹھنڈے پانی سے وضو کیا کریں (ترمذی شریف)

غور کرنے کا مقام ہے

دیکھا حضرت امام ابو ہریرہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہی بیان فرمائی تھی مگر ابن عباسؓ نے اس کی تردید

کسی حدیث سے نہیں کی بلکہ محض قیاس سے کی مگر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق کوئی بھی موشگافی نہیں کرسکتا کہ نعوذ باللہ وہ منکرِ حدیث تھے یا والعیاذ باللہ وہ پرویزی ذہن کے تھے

اسی طرح ترک اصحابنا رحمہم اللہ تعالیٰ روایۃ ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ فی مسئلۃ المصراۃ بالقیاس

امام ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ (اسی طرح حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور ایک اور بھی صحابی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرمائی ہے کہ جو شخص (اونٹنی یا گائے یا بھینس یا بھیڑ یا بکری وغیرہ) دودھ والا جانور خریدے جس کا دودھ بیچنے والے نے کچھ دن تک تھنوں میں روکے رکھا۔ خریدار کو اس بات کا علم بعد میں ہوا اب اس کو اختیار ہے چاہے تو ایسا جانور اپنے پاس رکھے اور اگر واپس کرنا چاہے تو واپس کر دے مگر ساتھ کے ساتھ گندم کا ایک صاع بھی بیچنے والے کے حوالے کرے مگر اس حدیث کو ہمارے اصحاب حنفیہ رحمہم اللہ نے ترک فرمایا ہے کہ خلاف قیاس ہے حالانکہ یہ حدیث متفق علیہ (بخاریؒ و مسلمؒ ہر دو کی روایت کردہ ہے جس کے متعلق ہمارے مہربان معترضین میں سے ایک معترض کا نظریہ ہے کہ "متفق علیہ پر اُمت کا اتفاق ہوتا ہے (........ صـ۱۶۶) اب وہی ارشاد فرمائیں کہ آپ کا بھی اس متفق علیہ حدیث کے ساتھ اتفاق ہے؟ اگر اتفاق ہے تو آپ حنفیت سے ہاتھ دھولیں اور صاف کہہ دیں کہ حنفی مذہب اُمت محمدیہ سے خارج ہے اور اگر آپ کا اس حدیث متفق علیہ سے اتفاق نہیں ہے تو آپ نے مجھے تو امت محمدیہ سے نکالا ہی تھا قدرت کا کرشمہ دیکھئے کہ خود بھی امت محمدیہ سے نکل گئے نعوذ باللہ من العناد ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

آمدم برسرِ مطلب

اب جب قاعدہ مخالف قیاس بیان کردہ حدیث کے بارے یہ ہوا جو غیر معروف الفقہ والاجتہاد سے ہم تک پہنچے تو آپ ہی یہ سمجھائیں کہ جو حدیث غیر معروف الفقہ والاجتہاد کی بیان کردہ ظاہر قرآن پاک کے خلاف ہو یا سنت مشہورہ کے خلاف ہو یا ظاہر حال کے خلاف ہو مثلاً عموم بلوی ہونے کے باوجود صدر اول اور صدر ثانی (یعنی عہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور عہد تابعین رحمہم اللہ) میں اس حدیث کو شہرت نصیب نہ ہو تو ایسی حدیث کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے کہ وہ واجب العمل ہوگی؟ کتب اصول سے جواب مطلوب ہے۔

ممکن ہے کہ ناظرین کسی ذی علم کے علم سے مرعوب ہو کر ماننے پر آمادہ نہ ہوں گے مگر علمائے اصول کی اصولی بات کو تو کم از کم نظر انداز نہ کرنا چاہیئے۔ ان علمائے اصول کا تو یہ قاعدہ ہے کہ خبر واحد پر عمل کرنے کے لئے شرطیں ہیں ایک شرط تو یہ ہے کہ وہ خبرِ واحد قرآن مجید کے خلاف نہ ہو دوسری شرط یہ ہے کہ وہ خبرِ واحد سنت مشہورہ کے خلاف بھی نہ ہو تیسری شرط یہ ہے کہ ظاہر کے بھی مخالف نہ ہو

روایت ابوہریرہ رضؓ کا جواب دوسرے انداز میں

اور بعض اصولیین نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مُصَرَّاۃ والی حدیث کو یہ کہہ کر بھی رد کیا ہے کہ مقتضائے کتاب اللہ کے خلاف ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ نے تو قرآن شریف میں فرمایا فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدیٰ علیکم (سو جو کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس کو اس زیادتی کی سزا دو جیسی زیادتی اس نے تم پر کی ہے)

نیز فرمایا وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ یعنی پس اگر بدلہ لینے لگو تو اسی قدر بدلہ لو جس قدر تم کو تکلیف پہنچائی گئی ہو۔

نیز فرمایا وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا (اور برائی کی پاداش اسی برائی کی مثل ہے

نیز احادیث مشہورہ کے خلاف بھی ہے کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا الغرم بالغنم تاوان فائدے کے برابر ہوتا ہے، نیز فرمایا الخراج بالضمان (محصول تاوان کے برابر ہو)

بہرحال جب غیر معروف الفقہ کی بیان کردہ حدیث خلاف قیاس ہونے کی صورت میں متروک ہو سکتی ہے تو جب وہ خلاف ظاہر قرآن ہو یا خلافِ حدیثِ مشہور ہو پس بطریق اولیٰ متروک ہو گی کیونکہ قرآن پاک قطعی الثبوت و قطعی الدلالۃ ہے اور حدیث مشہور جزم و یقین میں کتاب اللہ کے قریب قریب ہے اسی لئے خبر مشہور کے ذریعے کتاب اللہ پر زیادتی کرنا جائز ہے کما فی الاصول اور غیر معروف الفقہ کی بیان کردہ حدیث کا یہ درجہ نہیں ہے

بذل المجہود ص ۳ میں فرماتے ہے النص القرآنی قطعی فلا یعارض ہذا الحکم الا مثلہ (نص قرآنی قطعی ہے اس کے معارض وہی ہو سکتا ہے جو اسی طرح کا قطعی ہو) بلکہ اجماع بھی اس کے معارض نہیں ہو سکتا چنانچہ مسلم الثبوت ص ۱۸۱ میں ہے لا یعارض الاجماع النص۔ اب اس قاعدہ کی رو سے آیت قطعیہ کے مقابلہ میں صحابہ کرامؓ کا اجماع کس طرح ہو سکتا ہے جب کہ آیتِ قرآن کی مخالفت خود ایک گناہِ کبیرہ ہے اور ضلالت عظیمہ ہے۔ اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا لا تجتمع امتی علی الضلالۃ (میری امت گمراہی پر اکٹھی نہ ہو گی) لہٰذا سماعِ موتیٰ پر صحابہؓ کا اجماع کہنا یہ ایک اصولی غلطی ہے۔ اور جس نے مسئلہ سماع موتیٰ پر اجماع لکھا ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

عہ انور شاہ صاحب نے فرمایا وہو بظاہرہ یدل علی النفی مطلقا ص ۴۳ سماع الموتیٰ پھر لکھا قرآن میں کہیں نہیں کہ مُردے نہیں سنتے (ص ۶۸)

کا رجوع ثابت کیا ہے وہ اس اصولی غلطی کا مرتکب ہوا ہے جیسے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا حوالہ محترم مولانا صاحب نے سماع الموتی ص۲۹۳ میں دیا ہے حالانکہ بقول حضرت سید محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ ابن حجرؒ اصولی نہ تھے جیسے ابن الہمامؒ اصولی تھے (فیض الباری ص۴۲ ج۳) اور حضرت ابن ہمامؒ اصولی ہونے کے ساتھ محدث بھی تھے چنانچہ حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب پرہاروی رحمہ اللہ نے نبراس شرح شرح العقائد النسفیہ ص۱۱ میں فرمایا کہ طحاویؒ اور ابن ہمامؒ دونوں علمِ حدیث پر حاوی تھے۔ پھر حضرت ابن حجرؒ کو حنفیہ کے بارے تعصب بھی تھا اس لئے وہ اگر ایسی بات کہہ دیں (کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے فرما دیں کہ انہوں نے اپنے مسلک عدم سماع اموات سے رجوع کر لیا اور سماعِ اموات کی قائل ہوگئیں) تو کوئی بعید از عقل نہیں اور ان لوگوں نے اس حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو کلمات خطاب فرماتے ہوئے دیکھ لیا بس اس طرح رجوع سمجھ لیا کیوں کہ یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں لو لم یسمع المیت لم یسلم علیہ (اگر مردہ نہ سنتا ہوتا تو اس کو سلام نہ کہا جاتا (قرطبی ص۲۳۳ ج۱۳ بحوالہ سماع الموتی ص۲۱۷) انہم یعلمون المارّ بہم وسلامہ علیہم والا لکان اخاطۃ (سبل السلام ص۱۱۵ ج۲ لمحمد بن اسمٰعیل الامیر الیمانی بحوالہ سماع الموتی ص۱۶۱) اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ مُردوں کے پاس سے گزرنے والوں اور ان کو سلام کہنے والوں کو مردے ان کی آواز سے پہچانتے ہیں ورنہ ان کو سلام کہنا ایک بے ہودہ حرکت ہوتی۔ یہ خطاب (السلام علیکم) ان سے ہے جو سنتے سمجھتے ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ خطاب معدوم اور جماد سے ہوتا (کہ وہ نہیں سنتے اور یہ مہمل ہے) (کتاب الروح ص۴ بحوالہ سماع الموتی ص۱۵۹) (ابن کثیر ص۴۳۴ ج۳ بحوالہ سماع الموتی ص۱۵۵) اور ایسے شخص کو سلام کہنا جو سلام کہنے والے کا نہ شعور رکھتا ہو اور نہ علم محال ہے (ابن کثیر ص۴۳۹ ج۳ بحوالہ سماع الموتی ص۱۵۵)

مگر یاد رہے کہ —— خطاب کو سماع لازم نہیں ——

مگر ہمارے حنفی حضرات گو قبور کی زیارت کو مسنون سمجھتے ہیں اور سلام بھی مسنون کہتے ہیں مگر وہ یہ نہیں کہتے کہ جس کو خطاب کریں وہ ضرور سنتا ہے دیکھو ہم تشہد میں السلام علیک ایہا النبی پڑھتے ہیں مگر ہمارا یہ عقیدہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا سلام سن رہے ہیں اور نہ یہ کہتے ہیں کہ یہ بے ہودہ حرکت ہے اور نہ یہ کہتے ہیں کہ یہ خطاب والعیاذ باللہ معدوم کو ہے یا جماد کو ہے اور نہ ہی ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ تشہد میں ہمارا یہ پڑھنا السلام علیک ایہا النبی حضورؐ کو معلوم ہے اور حضورؐ کو اس کا شعور ہوتا ہے۔ اسی طرح موافق حکم شرع کے مؤذن کے کلمات کا جواب دیا جاتا ہے اس میں الصلوٰۃ خیر من النوم کا جواب

بصیغۂ خطاب ہے صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ وَبِالْحَقِّ نَطَقْتَ تو نے سچ کہا تو نے نیکی کی بات کی اور حق بات کہی
مگر کوئی نہیں سمجھتا کہ یہ الفاظ چونکہ خطاب کے ہیں اس لئے مؤذن میرے یہ الفاظ سن رہا ہے ورنہ اس کو اس طرح کا
خطاب کرنا بے ہودہ حرکت ہوتی اور خطاب معدوم وجماد کو ہوتا اس لئے مؤذن کو ضرور میرے اس کلام کا شعور اور علم ہے۔

۳ اسی طرح جماعت سے نماز پڑھنے والے مقتدی دائیں طرف سلام پھیرتے وقت دائیں طرف والے مقتدیوں کی نیت کر کے
السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہیں پھر بائیں طرف سلام پھیرتے وقت بائیں طرف والے مقتدیوں کی نیت کر کے السلام
علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہیں مگر یہ زندہ مقتدی ایک ہی نماز میں شریک دوسرے مقتدیوں کا سلام سنتے نہیں مگر اس سلام
کو موافق حکم شرع کے سب ہی واجب یا فرض کہتے ہیں (علی اختلاف القولین) کوئی اس کو بیہودہ حرکت نہیں کہتا اور
نہ یہ کہتا ہے کہ جس کو السلام علیکم کہا جا رہا ہے وہ اس سلام کا شعور اور علم رکھتا ہے

۴ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ مساجد میں رمضان شریف کی راتوں میں حفاظ کا تراویح میں قرآن شریف پڑھنے
کا ذکر سن کر فرماتے ہیں نور اللہ قبرک یا ابن الخطاب کما نورت مساجدنا اے ابن الخطاب جس طرح تو نے ہماری
مسجدوں کو تلاوتِ قرآن کے ذریعے منور کیا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ تیری قبر کو منور فرمائے (سیرت حلبیہ)

کوئی سلیم العقل یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضرت امام علی رضی اللہ عنہ نے معاذ اللہ بیہودہ حرکت کی ہے یا کوفہ میں رہنے والے کی آواز
مدینہ طیبہ کے روضۂ منورہ کے اندر قبر میں رہنے والے حضرت امام عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے سن لی کیونکہ ایسے شخص سے بات کرنا جو
نہ شعور رکھتا ہو نہ علم محال ہے یا اگر عمرؓ سنتے نہ تھے تو حضرت علیؓ نے ان سے خطاب کیوں کیا؟

۵ اسی طرح عورتیں اپنے مرے ہوئے بچے کو جو قبرستان میں دفن کیا جا چکا ہوتا ہے گھر بیٹھے روتی ہیں اور کہتی ہیں
اے بیٹے! ایک دفعہ تو آکر مجھے اپنا چہرہ دکھاتا۔ مگر سننے والا اسے نہیں کہتا کہ یہ تیری بیہودہ حرکت ہے اور نہ یہ سمجھتا
ہے کہ اس کا بیٹا سن سمجھ رہا ہے اور نہ کوئی اور بات

۶ اسی طرح شاعر ہرنیوں کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے شعر

باللہ یا ظبیات القاع قلن لنا لیلای منکن ام لیلیٰ من البشر

خدا کی قسم اے چٹیل میدان کی رہنے والی ہرنیو! ہمیں یہ تو بتاؤ کہ میری معشوقہ لیلیٰ تم ہرنیوں کی جنس سے ہے یا انسان کی جنس سے
اب شاعر نے کیا سمجھا ہے کہ میرا کلام ہرنیاں سن سمجھ رہی ہیں اور ان کو میرے کلام کا شعور اور علم ہے

۷ اور سنئے حضرت امام ثانی امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حجر اسود سے خطاب فرمایا واللہ لقد اعلم انک حجر لا تنفع ولا تضر ولولا انی رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبلک ما قبلتک (بخدا یقیناً میں سمجھتا ہوں کہ تو تو پتھر ہے تو نہ نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور اگر میں نے تجھے بوسہ دیتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا کیا حضرت عمرؓ نے یہ نامعقول بات کی؟ والعیاذ باللہ

۸ اور سنئے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے جنگ موتہ میں اپنی کٹی ہوئی ہاتھ کی انگلی کو خطاب کرکے فرمایا۔ ھل انت الا اصبع دمیت ٭ وفی سبیل اللہ ما لقیت (یعنی تو ایک انگلی ہے جو خون آلود ہوگئی اور تکلیف اللہ تعالیٰ کی راہ میں تونے اٹھائی ہے

۹ اسی طرح ماں اپنے نومولود بچے کو خطاب کرکے کہتی ہے اللہ تجھے صاحب نصیب کرے۔ اللہ تجھے نیک کے عالم باعمل بنائے۔ کیا بچہ اپنی ماں کا کلام سنتا سمجھتا ہے

۱۰ کوئی شخص اپنے دور افتادہ مسافر کو کہتا ہے اللہ تجھے خیریت سے لائے، زندہ رکھے، تیری خطائیں معاف کرے پس یہ کلام نہ وہ مسافر سنتا ہے اور نہ سمجھتا ہے مگر دنیا میں لاکھوں جگہ ہر زمانہ میں ایسا موجود ہے کیا یہ عبث ہے

۱۱ اسی طرح ایک شخص اپنے فرزند عزیز یا قریب کو جو عین نزع کی حالت میں بے ہوش ہے اور اس کی جان نکل رہی ہے یہ کہے کہ اللہ تیری مشکل آسان کرے تجھے بخش دے ہمیں اور تمہیں ایک جگہ جنت میں جمع کردے۔ یہ مرنے والا قطعاً کچھ نہیں سن سکتا نہ کچھ سمجھ سکتا ہے۔ مگر کیا یہ خطاب اور دعائیں محال لغو اور عبث ہیں؟ ہرگز نہیں

بلکہ یہ سلام صرف دعا ہے۔ جب کہ یہ سلام درحقیقت سلام ہی نہیں بلکہ خالص دعا ہے۔ پس دعا کے لئے مدعو لہ کا سننا شرط نہیں ہے۔ پس السلام علیکم دار قوم مؤمنین میں کوئی مردوں کو سنانا مقصود نہیں ہے اور نہ ہی ان کا سننا مطلوب ہے۔ یہ تو اللہ پاک سے ان کے لئے رحمت اور امان کا طلب کرنا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اس سلام کو سنتا ہے اور اسی کا سننا کافی ہے۔ وہ اس سلام کی وجہ سے مردوں کے گناہ معاف کرے گا اور ان پر رحمت نازل فرمائے گا

اور بعض روایات میں تو صیغہ خطاب کا نہیں ہے جیسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپؓ نے حضرت رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! میں کس طرح کہا کروں

تھی. آپ کا اس سوال کرنے سے مقصد و مراد یہ تھی کہ قبروں کی زیارت کے موقعہ پر میں کیا کہا کروں تو آپ نے فرمایا کہ یوں کہا کرو السلام علی اہل الدیار من المؤمنین والمسلمین الخ یعنی مؤمنوں اور مسلمانوں میں سے ان گھروں والوں پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ ہم میں سے پہلے جانے والوں پر بھی رحمتیں نازل فرمائے اور پیچھے جانے والوں پر بھی۔ اس کے بعد بطور التفات من الغیبۃ الی الخطاب فرمایا وانا ان شاء اللہ بکم للاحقون یعنی یقیناً ہم بھی تمہارے ساتھ ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور ملنے والے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ مقصد دعا ہے نہ ان سے خطاب کرنا

اور فقہاء حنفیہ بھی اس امر کی تصریح فرماتے ہیں کہ المقصود منہ الدعاء لا الخطاب (طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح صحیح) سلام سے مقصود دعا ہوتا ہے نہ خطاب

اور فقہاء حنفیہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جنازہ کی نماز میں جب السلام علیکم کہا جاتا ہے تو میت کی نیت کریں یا نہ؟ اکثر فقہاء لکھتے ہیں کہ میت کی نیت نہ کرے (البحر الرائق۔ ظہیریہ۔ طحطاوی۔ قاضی خان۔ جوہرہ نیرہ، النہر الفائق۔ جامع الرموز۔ الدرر والغرر۔ السراج الوہاج۔ عالمگیری۔ سروجی۔ کبیری۔ مرغینانی۔ شامی وغیرہ)

جس کی وجہ یہ لکھتے ہیں کہ میت کو خطاب بالسلام نہیں کیا جا سکتا کہ اس کا اہل نہیں کہ اس سے خطاب کریں اور وہ ہمارا خطاب سنے اور ہمارے سلام کا جواب دے کیونکہ وہ بے جان دھڑ ہے ابھی اس میں روح داخل نہیں ہوئی کیونکہ جو اعادۂ روح کے قائل ہیں وہ قبر میں دفن کر چکنے کے بعد کہتے ہیں کہ اس دھڑ میں روح داخل ہوتی ہے اور کہتے ہیں کہ بغیر روح کے داخل ہونے کے نہ اس دھڑ میں سننے کی طاقت ہے نہ دیکھنے کی اور نہ جاننے پہچاننے کی اور نہ ہی سلام کہنے والے کو جواب سلام دینے کی طاقت ہے۔ اس لئے جب اس میت (بے جان دھڑ) پہ نماز جنازہ پڑھی جا رہی ہے تو میت اہل سلام کا کیسے ہو سکتا ہے جب اس دھڑ میں روح تا حال داخل ہی نہیں ہوئی۔ اور ان لوگوں کے نزدیک جو سماع موتیٰ کے قائل ہیں ایسے شخص کو سلام کہنا تو بیہودہ حرکت ہے، محال ہے، بمنزلہ خطاب معدوم اور جماد کے ہے۔ (جیسے محترم نے اس بات کو حوالوں سے مزین فرمایا ہے عون) اب اس جگہ اگر فوراً کا نام بدل دیا کہ میت کا چارپائی پر پڑا ہوا دھڑ بے جان بھی اہل سلام کا ہے تعجب خیز بات ہے جس کو کوئی عقلمند تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اب ناظرین کرام اس مندرجہ بالا تقریر کو اپنے ذہن میں رکھیں اور پھر دیکھیں کہ محترم مولانا صاحب نے سماع الموتیٰ ص۳۵۲ میں جو یہ لکھا ہے کہ ان عبارات میں "اہل نہیں" کا یہ مطلب نہیں کہ میت سنتی نہیں (مطلب واضح ہے کہ چارپائی پر جو میت ہے وہ سنتی ہے) اب تسکین الصدور ص۹ دیکھو لکھتے

"قبر میں میت کے جسم کی طرف روح لوٹائی جاتی ہے بایں طور کہ روح کا جسم سے اتصال و تعلق قائم کر دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کو ادراک و شعور ہو جاتا ہے" (اس کا مطلب بھی واضح ہے کہ روح اور جسم کا باہمی تعلق جس سے میت کو ادراک و شعور ہو جاتا ہو قبر میں قائم کیا جاتا ہے۔ قبر میں دفن کرنے سے پہلے نہیں) جب دفن سے پہلے روح اور مردہ باہم تعلق نہیں اور نہ اس تعلق کے بغیر میت میں ادراک اور شعور رہی ہوتا ہے تو پھر میت سنتی کیسے ہے جب چارپائی پر پڑی ہے اور لوگ اس پر نماز جنازہ پڑھ رہے ہیں۔ شاید مسلوب العقل اس بات کو تسلیم کر لے مگر سلیم العقل تو قطعاً نہیں مان سکتا

مولانا معتزلہ کے ساتھ مل گئے

البتہ عالیہ (جن کو آپ میرا پیشوا ازعلم کئے ہوئے ہیں ان) کا ضرور یہ قول ہے کہ میت کا دھڑ (بغیر حیات کے بھی) علم و قدرت رکھتا ہے اور سنتا دیکھتا اور جانتا بوجھتا ہے۔ اب آپ یا تو سلام جنازہ کے بارے یہ کہو کہ میت سن رہی ہوتی ہے تو آپ عامہ معتزلہ فرقے کے ہمنوا ہو اور یا یہ کہو کہ میت سلام نہیں سنتی جیسے سماع الموتی ص۳۵۴ سے مفہوم ہوتا ہے تو اپنی اس پہلی تحریر پر قلم نسخ پھیر دو جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ ایسے شخص کو سلام کہنا جو سلام کہنے والے کا نہ شعور رکھتا ہو اور نہ علم خالی بیہودہ حرکت ہے' معدوم اور جماد کو خطاب ہے

میرا مسلک وہی ہے جو میرے استاذ مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ کا ہے

حضرت استاذی المکرم المفتی الاعظم سے سوال ہوا

قبرستان سے گزرتے ہوئے السلام علیکم یا اہل القبور کہتے ہیں حالانکہ 'یا' حرف ندا ہے اور حرف ندا صرف سننے و جواب دینے والے حاضر یعنی مخاطب کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اسی طرح دیار حبیب میں پہنچ کر روضۂ اقدس پر کھڑے ہو کے السلام علیکم یا رسول اللہ و یا حبیب اللہ کہتے ہیں۔ ان دونوں باتوں میں 'یا' حرف ندا جو کہا جاتا ہے کیا یہ جائز ہے۔ اگر یہ جائز ہے تو یا محمد یا علی کہنا کس لئے ناجائز ہے۔

اس کا جواب یوں تحریر فرمایا۔ قبرستان میں جا کر السلام علیکم یا اہل القبور کہنا جائز ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مُردوں کو عذاب سے سلامتی کی دعا دینا مراد ہے۔

یا بیشک حرفِ ندا ہے۔ مگر ندا اور خطاب کبھی نہ سننے والے کو بھی کر دیا جاتا ہے جیسے ہل انت الا اصبع دمیت وفی سبیل اللہ مالقیت ہ یعنی حضورؐ کی انگلی زخمی ہو گئی تو آپؐ نے انگلی کو خطاب کر کے فرمایا کہ تو ایک انگلی ہے کہ خون آلود ہو گئی۔ اور یہ تکلیف اللہ کے راستے میں تو نے اٹھائی ہے۔ اور ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ سلام مُردوں کو سنا دیتا ہو۔ باقی اور کلام مردے نہیں سنتے (محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی) کفایت المفتی ص ۱۸۳ ج ۱

پس مولٰنا محترم کے ان سب حوالوں کا جواب آ گیا جو دلیل دوم کے ضمن میں بیان فرماتے ہیں دوسرے مذاہب والوں کی تقلید کرتے ہوئے کیونکہ اُن کی بات مان لینے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین لازم آتی ہے کہ والعیاذ باللہ آپؐ نے انگلی کو خطاب کر کے ایک بیہودہ حرکت کا ارتکاب کیا نعوذ باللہ من ہذا القول ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اللہم صل علی سیدنا و مولٰنا محمد و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین۔ توہین خود کرتے ہیں اور بریلویہ کی طرح متہم مجھے کرتے ہیں

نیز آپ کے حوالوں سے ثابت ہوا کہ آپ خود اِن کے قائل ہونے کی وجہ سے مؤذن کے لفظ الصلوٰۃ خیر من النوم کو سن کر صدقت و بررت و بالحق نطقت کے الفاظ جواب میں نہ کہتے ہوں گے اس لئے کہ یہ ایک بیہودہ حرکت ہے اور ارتکابِ محال ہے نیز آپ شاید تشہد میں بھی السلام علیک ایہا النبی نہ پڑھتے ہوں گے کیونکہ بریلوی تو آپ یقیناً نہیں اور یہ وہم بھی دل میں نہ آنا چاہئے کہ سماع الموتیٰ و تسکین الصدور لکھنے کے بعد بریلوی گروہ آپ کا اسمِ گرامی گستاخانِ رسولِ عربی کی فہرست میں سے کاٹ دیں گے کیونکہ آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب مختارِ کل متصرف فی الامور اور ہر جگہ حاضر ناظر نہیں سمجھتے اس لئے آپ دیوبندی ہونے کی وجہ سے یہاں کا صلوٰۃ و سلام پڑھا ہوا سید المعصومین صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ راست اور بنفسِ نفیس سننے کے قائل نہیں۔ اور ایسے کو سلام کہنا جو سلام کہنے والے کی آواز کو نہ پہچانے ایک بیہودہ حرکت ہے اور ایسے کو سلام کہنا جو سلام کہنے والے کا نہ شعور رکھتا ہو اور نہ علم محال ہے لہٰذا آپ تشہد میں علے النبی پڑھتے ہوں گے۔ اور آپ اگر السلام علیک ایہا النبی پڑھتے ہیں تو پھر آپ کا عقیدہ بریلوی گروہ جیسا ہو گا۔ کیوں کہ بریلوی گروہ بھی اسی نظریہ سے السلام علیک ایہا النبی پڑھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس ہمارا یہ سلام سنتے ہیں کیونکہ اگر آپؐ ہمارا سلام نہیں سنتے تو والعیاذ باللہ ہمیں ایک بیہودہ اور عبث کام کا حکم دیا کیونکہ ایسے شخص کو سلام کہنا جس کو ہمارے سلام کا نہ شعور ہو اور نہ علم یہ ایک امرِ محال ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہمیں بیہودہ کام کا حکم دیتے ہیں اور نہ امرِ محال کا حکم دیتے ہیں اس لئے ہم اسی نظریہ کے ساتھ السلام علیک ایہا النبی پڑھتے

ہیں کہ آپ دنیا میں ہر سلام پڑھنے والے کو جانتے پہچانتے بھی ہیں اور اس کا سلام سنتے بھی ہیں

محترم مولنا صاحب کیا بات ثابت کرنے لگے تھے اور اب یہ کیا بلا گلے پڑ گئی۔ دیکھا کبھی کبھی مجذوبوں کی بات بھی ٹھکانے کی ہوتی ہے اور اس کو تسلیم کرنے سے چارہ نہیں ہوتا ؎

گاہ باشد کہ کودکِ ناداں بہ غلط بر ہدف زند تیرے

واقعی سماعِ موتٰی کا عقیدہ شرک کا پھاٹک ہے

مولٰنا کی تصدیق

اب ذرا مراقبہ فرمائیے اور گریبان میں منہ ڈال کے سوچیے اگر واقعی یہ رستہ کتنا خطرناک ہے کہ رفتہ رفتہ انسان کفر و شرک کی دلدل میں جا گرتا ہے۔ میری بات پر آپ کو شاید یقین نہ آئے۔ آپ اپنی ہی تحریر پڑھ لیں جو آپ نے فتاوٰی امداد المفتین ص۲۹۱، ص۲۹۲ سے نقل فرماتے ہوئے سماع الموتٰی ص۱۹۲ میں درج فرمائی ہے کہ اہلِ قبور کو خطاب اگر سماعِ موتٰی کے اعتقاد پر مبنی ہے تو درست نہیں اور اگر محض احتمال کے درجہ میں ہے تو مضایقہ نہیں۔ مگر پھر بھی احتیاط اجتناب میں ہے۔ محترم نے آگے خود مفتی المؤمنین عبارت بڑھائی اور اس امر کی وجہ بتائی کہ احتیاط اجتناب میں کیوں ہے۔ فرمایا کہ ''کیونکہ عوام الناس جہالت کی وجہ سے شرک میں مبتلا ہو جائیں گے'' (مقدر) والحمد للہ رب العلمین۔

قاسم العلوم والخیرات حضرت مولنا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف جمالِ قاسمی صفحہ ۱۱ میں فرمایا ہے

''اگر اِس زمانہ میں اس امکان استماع کا بھی چرچا کیا جائے تو اِس عمل سے نفع دینی تو متصور نہیں۔ البتہ قوتِ مضامینِ شرکیہ کا گمانِ غالب ہے۔ اِس لئے یوں مناسب ہے کہ عوام کو فقط طریقۂ مسنونۂ زیارتِ قبور تعلیم کیا جائے اور اس سے زیادہ کی اطلاع نہ ہونے دے۔ ورنہ اس علمِ امکان سے ترقیِ مدارج تو معلوم کیونکہ ضروریاتِ دینی میں سے نہیں۔ البتہ مؤاخذۂ نقصانِ مذکورہ کا احتمال ہے۔''

شبہ نمبر ۴

شفاء العیّ

فی

جواب خبر ما من احد یسلم علیّ

تسکین ط ۲ ص ۲۸۷

صاحب تسکین نے وفاۃ پا چکنے کے بعد حیات النبی (حیاۃ دنیویہ عنصریہ جسمانیہ حقیقیہ) ثابت کرنے کے لئے ابوداؤد ج ۱ ص ۲۷۹ و مسند احمد ج ۲ ص ۵۲۷ کے حوالہ سے حدیث لکھی ہے ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی (کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھ پر سلام کہتا ہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح کو لوٹا دیتا ہے حتی کہ میں اس کا جواب دیتا ہوں

ناظرین حدیث پاک کے الفاظ بھی غور سے پڑھیں اردو خوان اردو ترجمہ پر غور فرمائیں کہ یہ فرمان نبوی جو ہے یہ آپ نے اپنی وفاۃ سے پہلے فرمایا ہے یا وفاۃ پا چکنے کے بعد فرمایا ہے۔ کوئی عقل مند یہ نہیں کہہ سکتا کہ وفاۃ پا چکنے کے بعد آپؐ نے یہ ارشاد فرمایا ہو۔ کیونکہ وفات کے بعد آپ اپنے حجرہ شریفہ میں مدفون ہوئے ہیں جہاں حسب فرمانِ خداوندی لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ بلا اجازت کوئی نہیں جا سکتا۔ اب اگر تسلیم ہی کر لیں کہ حضرت امامنا ابوہریرہؓ اجازت لے کر اندر پہنچ گئے تو سوال ہو سکتا ہے کہ وفاۃ کے بعد آپؐ نے کسی ایک کو یہ بات نہیں بتائی نہ ام المومنین رضؓ کو نہ دوسری ازواجِ مطہرات محرم راز کو نہ اپنی لختِ جگر پاک صاحبزادیوں کو نہ خلیفہ اول کو جن کا گھر میں آنا جانا عام تھا اور جن کے متعلق حضورؐ کا فرمان تھا

لَا تُبْقَيَنَّ فِي الْمَسْجِدِ خَوْخَةٌ اِلَّا خَوْخَةَ اَبِي بَكْرٍ اور دس سالہ خادم انس رضؓ کو۔ اگر بات بتاتے ہیں تو صرف ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو، بات بھی یہ کہ اے ابوہریرہؓ! دیکھ جو مجھ پر سلام پڑھتا ہے تو میں اس کا سلام سن کر اس کا جواب دیتا ہوں کہ کیونکہ میں اپنی قبر میں زندہ بیٹھا ہوں بحیاۃ دنیویہ عنصریہ جسمانیہ حقیقیہ حسیہ۔ اور کوئی بات آپ نے نہیں فرمائی کہ میرے صحابہ اور دیگر امت کو کہو کہ شرک سے بچتے رہیں، توحید پر قائم رہیں، فرائض کی پابندی کریں، حقوق العباد کا خیال رکھیں، محرمات سے بچیں جو تمام امور ہیں سے اہم تھے ان سے تو سکوت فرمائیں جن کی اشاعت میں آپؐ نے اپنی ساری نبوی زندگی گذار دی۔ بس بیان فرمایا تو یہ کہ میں زندہ قبر میں گوشہ نشین بیٹھا ہوں۔ وہ بیان بھی صرف ابوہریرہ رضؓ کے سامنے کرتے ہیں اور بس۔ کیا یہ بات کسی کے دماغ میں آتی ہے کہ صحیح ہو؟

ہونہ ہو یہی شق معین کی جاسکتی ہے کہ آپؐ نے وفات سے پہلے ہی یہ بات فرمائی ہوگی۔ اب جو یہ ارشاد فرمایا تو اس وقت حضرت امام ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آپ کی معصوم زبان سے یہ عبارت سن کر کیا مطلب سمجھے ہوں گے۔ اگر اس عبارت سے حضرت امام ابوہریرہ رضؓ یہ مطلب سمجھے ہوں گے کہ میں وفات پا چکنے کے بعد زندہ ہو جاؤں گا بحیاۃ عنصریہ دنیویہ جسمانیہ حسیہ حقیقیہ اس لئے دوسرے اہم امور چھوڑ کر صرف سلام کا خصوصیت سے سننا ہوگا جس کا جواب دوں گا؛ تو آخر کسی قرینہ سے ہی سمجھے ہوں گے۔ ان قرائن کا بیان شراح حدیث نے اپنے شروح میں کیا ہوگا۔ مگر جس قدر شروح ہماری نظر سے گذری ہیں ان میں تو شائبہ تک نہیں ہے۔ اور ترجمہ میں بھی یہ مفہوم واضح نہیں ہوتا۔ بلکہ ترجمہ میں بھی زمانۂ حال کا ترجمہ کیا گیا ہے، جس سے ہر سامع کو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ وفات سے پہلے اپنی ظاہری دنیوی زندگی میں فرما رہے ہیں کہ جو بھی مجھ پر سلام کہتا ہے تو میں اس کا جواب دیتا ہوں۔ وفات کے بعد کی زندگی (خصوصاً عنصری دنیوی حسی جسمانی حقیقی) اس حدیث سے ہرگز معلوم نہیں ہوتی۔ صرف آپ جیسوں کی کشید ہے اور کچھ بھی نہیں ہے۔

نیز اس حدیث کے الفاظ کیا ہیں عَلَيَّ یا اِلَيَّ یا اِلَى۔ اگر آپ کے فرمان کے مطابق عَلَيَّ، اِلَيَّ کے چکر میں نہ الجھیں تو دوسری خرابی کون دور کرے گا جو لفظی اور معنوی دونوں کے ساتھ متعلق ہیں جن کی تفصیل یہ ہے کہ مسند احمد ص۵۲۷ ج۲، شفاء السقام ص۳۰، حیات الانبیاء للبیہقی ص۱۵، جلاء الافہام ص۲۲ ج۱، والقول البدیع ص۱۵۶

میں جو یہ حدیث نقل ہے اس میں ردّ اللہ الیٰ روحی ہے جس کے معنے بزبان قاضی محمد سلیمان منصورپوری یہ ہیں جو مسلمان مجھ پر سلام بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اسے میری روح کو پہنچا دیتا ہے اور میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں (ص ۳۳ ترجمہ جلاء الافہام) اور عبدالرزاق ملیح آبادیؒ نے ترجمہ اقتضاء صراط المستقیم ص ۹۴ میں ترجمہ کیا ابو داؤد نے ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی مجھے سلام کریگا خدا اس کا سلام میری روح تک پہنچا دیگا اور میں اس کے سلام کا جواب دوں گا۔

اور اوپر ثابت ہو چکا ہے کہ آپ کی روح رفیق اعلیٰ میں مشاہدۂ انوار رب تعالیٰ میں مشغول ہے تو دنیا کے ہر سلام بھیجنے والے کا سلام (خواہ وہ قبر کے پاس ہو یا مسجد نبوی میں ہو یا عرب میں یا عجم کے کسی خطہ میں) آپ کی مبارک روح کو پہنچ جاتا ہے کیونکہ اس حدیث میں تخصیص کسی کی نہیں تعمیم کے الفاظ ہیں۔

بحث ۲ حدیث کے رواۃ پر بحث

پھر اس کی سند پر غور کرتے ہیں تو اس کے رواۃ میں کلام ہے۔ چنانچہ مسند احمد میں اس کی سند اس طرح ہے اخبرنا ابو محمد عبداللہ بن یحییٰ بن عبدالجبار سکری ببغداد حدثنا ابو عبدالرحمٰن المقری حدثنا حیوۃ بن شریح عن ابی صخر عن یزید بن عبداللہ بن قسیط عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما من احد یسلم علی الا رد اللہ الی روحی حتی ارد علیہ السلام

اس روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد یزید بن عبداللہ بن قسیط ہیں جو اس حدیث کی روایت کرنے میں منفرد ہے۔ قد انفرد بہ یزید بن (عبداللہ بن) قسیط (القول البدیع للسخاوی ص ۱۵۶) یعنی حضرت امام ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں سے کسی ایک شاگرد نے اور شاگردوں کے شاگردوں نے بھی یہ حدیث آپ سے بیان نہیں کی صرف یزید بن عبداللہ بن قسیط نے بیان کی ہے حالانکہ اس یزید نے آپؓ کو پایا ہی نہیں جیسے علامہ ابن قیمؒ نے جلاء الافہام ص ۱۹ میں کہا
۱ وسالت شیخنا عن یزید بن عبداللہ عن ابی ہریرۃ فقال ما کان ادرکہ فہو ضعیف ففی سماعہ منہ نظر؛ کہ میں نے اپنے شیخ ابن تیمیہؒ سے پوچھا کہ یزید بن عبداللہ جو امام ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے یہ کیونکر ہے؟ تو آپؒ نے فرمایا کہ یزید نے حضرت ابوہریرہ رضہ کو پایا ہی نہ تھا پھر یہ یزید ہے بھی ضعیف اس لئے یزید کا ابوہریرہ سے سماع منظور فیہ ہے۔
۲ نیز کتاب العلل ص ۳۰۶ ج ۱ میں امام احمد بن حنبل سے پوچھا گیا تو انہوں نے بھی اس یزید کے پاس جانے کو پسند نہیں فرمایا: ۲۲۹۴ سالتہ عن یزید بن عبداللہ بن قسیط وابن حرملۃ فقال ما اقربہما یعنی میں نے امام صاحب سے

یزید اور ابن حرملہ کے بارے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ میں تو ان کے پاس بھی جانا نہیں چاہتا

۳ نیز الجرح والتعدیل ص ۲۷۳ میں ابن ابی حاتم نے فرمایا سئل ابی عن یزید بن عبد اللہ بن قسیط فقال لیس بقوی یعنی میرے والد صاحب سے یزید بن عبد اللہ بن قسیط کے بارے سوال ہوا اس کے جواب میں آپ نے فرمایا وہ قوی نہیں ہے

۴ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ نے المغنی ج ۲ ص ۷۵۰ اور دیوان الضعفاء والمتروکین ص ۳۴۳ میں ابو حاتمؒ کا قول لیس بقوی نقل فرمایا اور پھر فرمایا کہ امام مالکؒ سے جراحات کی ایک حدیث کے بارے سوال ہوا تو فرمانے لگے اس کا راوی صرف ابن قسیط ہے جو اس روایت میں متفرد ہے۔ میزان میں بھی ج ۴ ص ۴۳۰ ابو حاتمؒ کا قول لیس بقوی منقول ہے۔

البتہ ابن عدیؒ اسے صالحؒ اور نسائیؒ نے ثقہ کہا جس کو دیکھ کر امام نوویؒ نے اذکار میں اس کی تصحیح فرمائی لیکن علامہ سخاویؒ نے القول البدیع ص ۱۵۶ میں اس پر اعتراض کیا اور کہا وفیہ نظر پھر اپنے شیخ کا قول "رواتہ ثقات" نقل کر کے فرماتے ہیں قلت لکن قد انفرد فیہ یزید بن عبد اللہ بن قسیط بروایتہ لہ عن ابی ہریرۃ وہو یمنع من الجزم بصحتہ لان فیہ مقالاً و توقف مالکؒ فقال فی حدیث خارج الموطا لیس بذلک وذکر تقی بن تیمیہ ما معناہ ان روایۃ ابی داؤدؒ فیہا یزید بن عبد اللہ وکانہ لم یدرک ابا ہریرۃ وہو ضعیف وفی سماعہ منہ نظر اھ علی ان طریق الطبرانی وغیرہ سالمۃ من ذلک لکن فیہا من لم یعرف،

یعنی میں کہتا ہوں راوی ثقہ تو کہہ دئے لیکن اس میں یزید جو ہے وہ تو ابو ہریرہؓ سے روایت کرنے میں متفرد ہے اور یہ چیز ایسی ہے جو یقین کے ساتھ اس حدیث کو صحیح کہنے سے مانع ہے کیونکہ اس میں گفتگو ہے اور امام مالکؒ نے بھی اس میں توقف فرمایا پھر مؤطا سے باہر جو حدیث یزید کی روایت کردہ ہے اس میں فرمایا لیس بذلک اور پھر حضرت تقی الدین ابن تیمیہؒ نے بھی اسی ابو داؤد کی روایت کے بارے فرمایا جس میں یزید بن عبد اللہ ہے فرمایا ایسا لگتا ہے کہ یزید نے حضرت ابو ہریرہؓ کو نہیں پایا اور یزید ہے بھی ضعیف اور ابو ہریرہؓ سے اس کی روایت کے سماع میں نظر ہے۔ اور طبرانی وغیرہ کی سند اس راوی یزید بن عبد اللہ سے تو بچی ہوئی ہے لیکن اس سند میں ایک اور ایسا راوی ہے جو غیر معروف اور مجہول ہے

صاحبِ تسکین کی خلاف واقعہ بات

اس تحقیق کے بعد معلوم ہو گیا کہ تسکین الصدور طبع ۲ ص ۲۸۸ محترم جناب مولنا صاحب کا فرمانا کہ احمدؒ نے اس کی روایت پر اعتماد کیا ہے خلاف واقعہ ہے جب کہ امام احمدؒ نے کتاب العلل میں اس راوی پر جرح فرما دی ہے نیز تسکین الصدور

ط ۲ ص ۲۸۹ میں فرمایا کہ صحاح کا راوی ہے مفید نہیں ہے جب کہ ثابت ہو گیا کہ زید نے حضرت امام ابوہریرہ رض کو پایا ہی نہیں۔ نیز یہ فرمایا کہ امام مالکؒ نے اس سے سند لی ہے یہ بھی مفید نہیں ہے اور نہ یہ قاعدہ ہے کہ جس راوی کو امام مالک بیان فرمائیں وہ مستند ہی ہو۔ بخاری و مسلم کی صحیحین میں بھی آخر ضعیف راوی ہیں۔ نیز اگر یہ روایت بلاشبہ صحیح ہوتی تو امام سخاوی کیوں فرماتے کہ اس راوی کی وجہ سے صحت روایت کا یقین نہیں کیا جا سکتا اور اگر امام مالکؒ اس راوی سے سند لیتے تو امام سخاویؒ و توقف مالکؒ نہ فرماتے نیز لان فیہ مقالا نہ فرماتے۔ نیز محمد بن اسحاق اور ابن جریج بھی صحاح کے راوی ہیں۔ ان پر آپ کیوں جرح فرماتے ہیں

اور تسکین الصدور ط ۲ ص ۲۹۰ میں جو ابن قدامہ حنبلی رح سے مغنی کا حوالہ دیا اور اس کی تائید غلط امام احمدؒ سے کی تو اس کے بارے علامہ سخاویؒ القول البدیع ص ۱۵۶ میں فرماتے ہیں وقد ذکر الموفق بن قدامہ فی المغنی ہذا الحدیث فزاد فیہ بعد قولہ یسلم علی عند قبری ولم اقف علیہا فیما رأیتہ من طرق الحدیث یعنی ابن قدامہ نے تو حدیث ذکر کر کے یہ بھی فرما دیا کہ جس قدر میں نے اس حدیث کے طرق و اسانید کو دیکھا ہے بڑی جستجو کے باوجود میں اس پر واقف نہیں ہوا۔

نیز مفسر ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں ج ۳ ص ۵۱۵ پارہ ۲۲ فرماتے ہیں تفرد بہ ابوداؤد و صححہ نووی فی الاذکار

۲ نیز اس میں راوی ہے ابوداؤد حمید بن زیاد جس کے بارے تقریب التہذیب ص ۱۲۰ میں ہے صدوق یہم یعنی ہے تو سچا مگر اس کو مرض ہے وہم کا عام طور پر وہم کا شکار ہوتا رہتا ہے۔ خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ص ۹۳ میں ہے ابو صخر حمید بن زیاد مولی بنی ہاشم اور بعض کہتے ہیں حمید بن صخر خراط ابو صخر المدنی صاحب العطاء مصر کا باسی اور روایت میں ہے کہ یحیی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ نسائیؒ نے کتاب الضعفاء والمتروکین للامام النسائی ص ۲۸۰ میں فرمایا حمید بن صخر وہی ہے جس سے حاتم بن اسماعیل روایت کرتا ہے یہ قوی نہیں ہے۔ تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۴۱ میں ابن حجر فرماتے ہیں کہ یحیی سے روایت ہے کہ حمید بن صخر ضعیف ہے اور نسائی نے بھی اسی طرح کہا اور المغنی فی الضعفاء ص ۱۹۴ میں ہے کہ حمید بن صخر کو امام احمد نے بھی ضعیف کہا ہے اور یحیی بن معین سے بھی ایک قول ہے کہ حمید ضعیف ہے اور دیوان الضعفاء والمتروکین ص ۷۵ میں علامہ ذہبی نے لکھا کہ ابن معین نے حمید کو ایک دفعہ تو ضعیف کہا اور ایک دفعہ قوی کہا ...... اور امام احمد نے تو حمید بن صخر کو ضعیف ہی کہا۔

اور میزان الاعتدال ج ۱ ص ۶۱۳ میں کہا کہ ابن عدی نے کہا کہ میرے خیال میں حمید بن صخر صالح الحدیث ہے صرف دو حدیثیں اس کی منکر ہیں پھر ایک دوسرے مقام پر آپ ابن عدیؒ ہی حمید بن صخر کا ذکر کر کے تضعیف کر دی

جب تحقیق رواۃ سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ اس حدیث میں دو راوی متکلم فیہ ہیں جن کو بعض ائمہ نے اگر ثقہ کہا

ہے تو بعض نے تضعیف بھی کی ہے۔ اب صرف توثیق کا ذکر کرنا اور تضعیف کا ذکر چھوڑ نا اہل علم سے بعید ہے

۳ صاحب تسکین کی اپنی مُہر تصدیق

نیز چراغ کی روشنی" ص ۸۰، ۹۵ میں محترم جناب مولانا صاحب نے مرزائیوں کے رد میں ایک حدیث کے بارے لکھا

"آپ کو معلوم ہوگا کہ ہر صدی پر مجدد آنے کی حدیث صرف حضرت ابو ہریرہؓ سے پھر فقط ابوداؤد میں آتی ہے صحاح ستہ کی کسی کتاب میں نہیں ہے جس پر مرزا صاحب نے اپنی مجددیت کی تعمیر کی ہے اور معراج کی حدیث مختلف طرق سے کم از کم ۴۵ حضرات صحابہ کرام سے مروی ہے اور پھر خاص کر حدیث کے طبقہ اُولیٰ بخاری و مسلم وغیرہ میں جن کے متعلق مرزا صاحب کا اقرار ہے کہ اگر میں بخاری اور مسلم کی صحت کا قائل نہ ہوتا تو میں اپنی تائید دعویٰ میں کیوں بار بار ان کو پیش کرتا (ازالۃ الاوہام ص ۸۸۴)"

۴ اور حضرت ابن تیمیہؒ نے اگر فتاویٰ میں حدیث جیدؒ فرمایا ہے تو الرد علی الاخنائی ص ۲۳۰ میں اسی حدیث کو ضعیف فرمایا نیز فرمایا کہ اگر اس حدیث کو صحیح بھی قرار دیا جائے تو اس سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اس سے اس شخص کی فضیلت کا کچھ تعلق نہیں جو آپ پر سلام کہہ رہا ہے تیسرا یہ سلام اور جواب دراصل جزا اور مکافات کی ایک صورت ہے نیک فاسق فاجر سبھی قسم کے انسانوں کے لئے سلام کہنا مشروع ہے چوتھی اگر اس کا دائرہ محدود کر دیا جائے تو اسکا جب تک تعین نہ کیا جائے گا بات واضح نہ ہو سکے گی لہٰذا کہنا پڑے گا کہ اسکا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ حجرہ شریفہ کے اندر داخل ہو کر آپ پر سلام کہتے ہیں حدیث کا حکم ان کے لئے مخصوص ہے۔ (سننے سنانے کا مسئلہ نہیں — نیلوی)

نیلوی کہتا ہے کہ اگر یہی مطلب ہم لیں تو اب موجودہ صورت حال جو ہے حجرۂ شریفہ کو بھی دیکھا نہیں جا سکتا چہ جائیکہ حجرۂ شریفہ کے اندر داخل ہوں بلکہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے مبارک عہد میں حجرۂ شریفہ کا دروازہ بند کر دیا گیا تھا اور اس کے گرد ایک اور دیوار بنا دی گئی۔ اس کے بعد آپ پر سلام بھیجنے والے لوگ قبر اطہر سے بہ نسبت پہلے لوگوں کے زیادہ دور ہو گئے (الرد علی الاخنائی ص ۲۵۰، ۲۵۱)

نیلوی کہتا ہے کہ اب تو یہ سلام بھیجنے والے اور بھی زیادہ دور ہو گئے ہیں جب کہ اس پر گنبد خضرا بھی بنا یا گیا اور پھر اس کے گرد جالی بھی بنائی گئی ہے پھر جالی سے بھی ذرا ہٹ کر سلام بھیجا جاتا ہے۔ جالی کو ہاتھ بھی لگانے نہیں

دیتے تو جب حجرۂ شریفہ سے باہر کھڑے ہو کر سلام آپ نہیں سنتے تو اتنی دور جالی سے ہٹ کر سلام کا سننا کیسے ہوگا۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث سے نہ حضور صلی اللہ علیہ سلم کی حیات عنصریہ ثابت ہوتی ہے اور نہ سماع عند القبر بلکہ اگر اس سے سماع ثابت ہوتا ہے تو تمام اکناف عالم سے سلام کا سماع ثابت ہوگا کیونکہ نکرہ سیاق نفی میں فائدہ عموم کا دیتا ہے۔ پھر دعویٰ خاص کے لئے دلیل عام لانے کے متعلق محترم ارباب مولانا صاحب نے بریلویوں کو جو جواب مرحمت فرمایا ہے بعینہ وہی جواب ہماری طرف سے قبول فرمائیں

بحث ۳ معنوی تحقیق رد روح کے معنے

(۱) شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ

روح لوٹنے کا مطلب اس مقدس حدیث کے متعلق حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ لمعات میں فرماتے ہیں۔

قولہ رد اللہ علی روحی لیس المراد بعود الروح عودہا بعد المفارقۃ عن البدن وانما المراد انہ صلی اللہ علیہ وسلم فی البرزخ مشغول حول الملکوت مستغرق فی مشاہدۃ رب العزۃ عزوجل کما کان فی الدنیا فی حالۃ الوحی فی احوال الاٰخر فعبر عن افاقتہ من تلک المشاہدۃ وذلک الاستغراق برد الروح (حاشیہ مشکوٰۃ باب الصلوٰۃ علی النبیؐ) ص ۸۶

یعنی روح کے لوٹنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ روح بدن سے نکل کر پھر بدن میں لوٹ آتی ہے، بلکہ یہ مراد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح طیبہ عالم برزخ میں مشاہدہ ربانی میں مشغول و مستغرق ہے، جیسا کہ دنیاوی زندگی میں نزول وحی الٰہی کی حالت میں مستغرق ہو جاتی تھی۔ اسی مشاہدہ و استغراق سے افاقہ کا نام ردّ روح ہے۔

اس تشریح سے صاف ظاہر ہوا کہ آپ کی حیات دنیوی اس عرفی قبر میں نہیں بلکہ آپ کی روح طیبہ عالم برزخ اعلیٰ علیین میں ہے اور آپ کا جسد اطہر قبر شریف میں تر و تازہ موجود ہے، کیونکہ حضرت شیخؒ نے ردّ روح سے مشاہدہ ربانی کا افاقہ ہی مراد لیا۔

(۲) مولوی عبد الحلیم لکھنوی

حضرت علامہ عبد الحلیم لکھنوی فرنگی محلی "نور الایمان" ص۱۴۱ میں اسی ردّ روح کی تشریح فرماتے ہیں۔

فمعناہ ان روحی لہ اشتغال و استغراق شہودی بحضرۃ الرب الاعلیٰ واذا سلم احد علیّ یتوجہ روحی الیہ فرد الروح

کنایۃ عن التوجہ والاقبال : یعنی ردّ روح کے یہ معنے ہیں کہ میری روح مشاہدہ الٰہی میں مشغول و مستغرق ہوتی ہے اور جب کوئی مسلمان مجھ پر درود و سلام پڑھتا ہے تو میری روح اس کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ بس ردِّ روح سے روح کے متوجہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ رد بمعنی پھیر دینا۔ ہٹا دینا۔ رُخ موڑنا

③ حضرت نانوتویؒ

اور حضرت قاسم العلوم والخیرات مولٰنا نانوتویؒ آبِ حیات ص ۲۳۱ میں ارشاد فرماتے ہیں :-

اس صورت میں معنے حدیث شریف کے یہ ہوں گے کہ جب کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتا ہے تو خداوند کریم آپ کی روح پرفتوح کو اس حالتِ استغراق فی ذات اللہ و تجلیات اللہ سے جو بوجہ محبوبیت و حبیبیت تامہ آپؐ کو حاصل رہتی ہے ہوش عطا فرما دیتا ہے۔

④ و ⑤ علامہ سمہودیؒ و سبکیؒ

اور علامہ سمہودیؒ وفاء الوفا، ج ۲ میں فرماتے ہیں ان السبکی قال یحتمل ان یکون ردًّا معنویًا وان تکون روحہ الشریفۃ مشتغلۃ بشہود الحضرۃ والملاء الاعلیٰ عن ہٰذا العالم فاذا سلّم علیہ اقبلت روحہ علی ہٰذا العالم لتدارک السلام وترد علی المسلم یعنی ان الرد ہو الشریفۃ التفات روحانی یعنی علامہ سبکی فرماتے ہیں یہ ممکن ہے کہ رد روح سے رد معنوی مراد ہے، اس لئے کہ آپؐ کی روح طیبہ اس عالم دنیا سے گزر کر مقام ملأ اعلیٰ میں تجلیاتِ الٰہی میں مستغرق ہوتی ہے جب کوئی آپؐ پر درود و سلام پڑھتا ہے تو اس عالم دنیا کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے اور سلام کا جواب دیتی ہے۔ اس رد روح کے معنے التفات روحانی ہے نہ رد حقیقی

⑥ علامہ سیوطیؒ

اور علامہ سیوطیؒ انباء الاذکیاء فی حیات الانبیاء میں فرماتے ہیں ثم ظہر لی جواب آخر ثلاث عشر وہو ان المراد بالروح الملک الذی وکل بقبرہ صلے اللہ علیہ وسلم یبلغہ السلام۔ والروح یطلق علی غیر جبریل ایضا من الملائکۃ۔ قال

الراغبؒ اشراف الملائکۃ تسمی ارواحا ومعنی رد اللہ علی روحی ای بعث الی الملک الموکل بتبلیغنی السلام ہذا غایۃ ما ظہر لی۔ واللہ اعلم یعنی پھر تیرا اس جواب میرے ذہن میں آیا ہے وہ یہ ہے کہ روح سے وہ فرشتہ مراد ہے جو آپ کی قبر شریف پر درود وسلام کے پہنچانے پر مقرر ہے اور روح کا لفظ جبرائیل علیہ السلام کے سوا اور فرشتوں پر بھی بولا جاتا ہے حضرت امام راغبؒ نے مفردات میں بھی یہی فرمایا ہے۔ اب رد اللہ علی روحی کے یہ معنے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اس فرشتہ کو میرے پاس بھیجتا ہے جو درود وسلام پہنچانے پر مقرر ہے' میری تحقیق کی یہ انتہا ہے واللہ اعلم

علامہ سیوطیؒ نے رد اللہ علی روحی کے متعلق جو فرمایا وہ علمی اعتبار سے آخری فیصلہ کی حیثیت رکھتا ہے،

شرح الصدور ص ۹۸ میں ہے: قال رجل لابن مسعودؓ قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم این ہو؟ قال فی الجنۃ یعنی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کسی آدمی نے پوچھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا جو وصال ہوگیا ہے اب وہ کہاں رہتے ہیں؟ آپؓ نے جواب دیا کہ وہ جنت (برزخی) میں رونق افروز ہیں،

شرح الصدور ص ۹۸ میں یہ بھی ہے کہ

ارواح الانبیاء تخرج من جسدہا وتصیر مثل جسدہا مثل المسک والکافور وتکون فی الجنۃ تاکل وتشرب وتنعم وتاوی بالليل الیٰ قنادیل معلقۃ تحت العرش وارواح الشہداء تخرج من جسدہا وتکون فی اجواف طیر خضر فی الجنۃ تاکل وتشرب وتنعم وتاوی باللیل (بار ہا گذر چکا)

⑦ علامہ بیضاویؒ

اور علامہ بیضاویؒ کی بھی یہی رائے ہے والروح ملک موکل علی الارواح او جنسہا او جبرائیل او خلق اعظم من الملائکۃ (سورۂ نبا ص ۷۴۵) روح سے وہ فرشتہ مراد ہے جو تمام فرشتوں کا افسر ہے یا تمام فرشتے یا جبرائیل امین یا فرشتوں سے بڑھ کر کوئی اور مخلوق مراد ہو۔

ان حوالجات سے یہی ثابت ہو رہا ہے کہ سید الانبیاء والرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی روح طیبہ عالم قدس رفیق اعلیٰ میں مشاہدۂ الٰہی میں مستغرق ہوتی ہے اسی استغراق سے وقفہ کی حالت میں درود وسلام پڑھنے والے کی طرف روح طیبہ کا توجہ فرمانا رد روح سے تعبیر کیا گیا ہے اگر آپ اپنی عرفی قبر شریف میں بجسدہ وروحہ دنیا کی طرح

زندہ تشریف فرما ہوتے اور گوشہ نشینوں کی طرح حجرہ شریفہ کی قبر اطہر میں زندہ جلوہ افروز ہوتے تو پھر اس تعبیر کی کیا ضرورت تھی اور اس قدر تاویلات کرنے کا کیا مقصد تھا۔ جو ایک دو نہیں بلکہ ۱۳ تاویلات ہیں اس قسم کے اضطراب والی حدیثیں بہت کم ہیں

⑧ علامہ طیبیؒ

تبلیغ صلوٰۃ وسلام کے متعلق علامہ طیبی رحمہ اللہ شرح مشکوٰۃ المصابیح میں ارشاد فرماتے ہیں :۔

قولہ فان صلوٰتکم تبلغنی وذٰلک ان النفوس القدسیۃ اذا تجردت عن العلائق البدنیۃ وعرجت واتصلت بالملأ الاعلیٰ ولم یبق لہا حجاب فیریٰ الکل کالمشاھد بنفسھا او باخبار الملک لہا یعنی یہ نفوس قدسیہ (انبیاء علیہم السلام کی ارواح طیبات) جب بدنی تعلقات سے جدا ہوتی ہیں تو ملأ اعلیٰ میں پہنچ جاتی ہیں اور پھر کوئی پردہ باقی نہیں رہتا۔ دنیوی زندگی کی طرح ہر چیز کا مشاہدہ کرتی ہیں یا فرشتوں کے ذریعہ اطلاع پاتی ہیں ؛

علامہ طیبی کے اس بیان سے بھی یہی ثابت ہوا کہ آپ کی روح طیبہ ملأ اعلیٰ میں ہے اور ملائکہ سیاحین اسی مقدس مقام پر درود و سلام پہنچاتے ہیں اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی یہ مقدس زندگی اخروی زندگی ہی ہے اگر جسد اطہر میں جسمانی برزخی زندگی ہوتی تو ملائکہ سیاحین ملأ اعلیٰ پر درود و سلام کیوں پہنچاتے

⑨ اس حدیث کے متعلق شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی تحقیق ○

جواب ۱:۔ یہ روایت ضعیف ہے جیسا کہ بعض کا خیال ہے کیونکہ اس کی سند میں ابو صخر حمید بن زیاد مختلف فیہ راوی ہے ابن معین نے اسے ضعیف کہا نسائی نے کبھی ثقہ کہا اور امام احمد نے بھی ضعیف کہا

جواب ۲:۔ اگر اس حدیث کو صحیح تسلیم کیا جائے تو اس سے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ثابت ہوتی ہے ہاں سے اس شخص کی فضیلت کا کچھ تعلق نہیں جو آپ پر سلام کہہ رہا ہے

جواب ۳:۔ یہ سلام اور جواب دراصل جزا اور مکافات کی ایک صورت ہے۔ نیک فاجر فاسق سبھی قسم کے انسانوں کے لئے سلام کہنا مشروع ہے

جواب ۴:۔ اگر اس کا دائرہ محدود کر دیا جائے تو اس کا جب تک تعین نہ کیا جائے گا بات واضح نہ ہو سکیگی

لہٰذا کہنا پڑے گا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ حجرۂ شریفہ میں داخل ہو کر آپؐ پر سلام کہتے ہیں حدیث کا حکم ان کے لئے مخصوص ہے (یہ بھی ایک احتمالی صورت کا بیان ہے۔ صحت کا قول اس سے لازم نہیں آتا۔ نیلوی)

جواب ۵ اس حدیث میں سلام کہنے والے انسان کی مدح و توصیف کا ذکر نہیں ہے اور نہ ہی ترغیب و تحریض کے الفاظ موجود ہیں اور نہ ہی کسی اجر و ثواب کے عطیہ کا تذکرہ ملتا ہے جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں مذکور ہے کہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ پاک اس پر دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں اور جو شخص مجھ پر ایک بار سلام بھیجتا ہے اللہ پاک اس پر دس بار سلام نازل فرماتا ہے۔ اس انداز سے صلوٰۃ و سلام کہنے کا حکم دیا گیا ہے اور جو شخص شریعت کے حکم کے مطابق عمل کرتا ہے وہ قابلِ تعریف ہوتا ہے عنداللہ اس کے اجر و ثواب کا مستحق بھی ہوتا ہے اور اس کے عمل کو قدر و منزلت کی نگاہوں سے بھی دیکھا جاتا ہے لیکن زیرِ بحث حدیث کسی فضیلت پر دال نہیں ہے صرف سلام کہنے والے کے جواب پر مشتمل ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ہے کہ جب تم پر سلام کہا جائے، تو تم اس سے بہتر انداز میں سلام کہنے والے کے مثل الفاظ کے ساتھ جواب دو اور عدل و انصاف کا بھی یہی تقاضا ہے۔

مثال۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص ہم سے سوال کرے گا ہم اس کے سوال کو پورا کریں گے اور جو شخص سوال نہ کرے قناعت اختیار کرے وہ ہمیں زیادہ محبوب ہے۔ اس حدیث کے الفاظ پر غور کیجئے کیا اس حدیث میں سوال کرنے کی ترغیب معلوم ہو رہی ہے؟ ہرگز نہیں۔ بس حدیث میں سائل کو عطیہ دینے کا ذکر ہے۔

پس سلام والی حدیث میں سلام کہنے کی ترغیب پر کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو دلالت کر رہا ہو پھر جب اہلِ مدینہ کے لئے حجرۂ مبارک کے قریب قیام اور سلام مشروع نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ حدیث میں بھی اس کی رغبت نہیں دلائی گئی ہے

نیلوی کہتا ہے

اب یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جب دارِ دنیا سے آپؐ منتقل ہو کر دارِ برزخ میں تشریف لے جاتے ہیں اور آپؐ کی مقدس روح رفیقِ اعلیٰ میں یعنی اس مقام میں پہنچ گئی جو دنیا ہی میں آپ کو خواب میں دکھایا گیا تھا اور پھر آپؐ نے خواہش کا اظہار فرمایا تھا کہ مجھے چھوڑ دو اپنے گھر میں داخل ہوں تو فرشتوں نے کہا اِنَّهٗ بَقِیَ لَكَ عُمُرٌ لَمْ تَسْتَكْمِلْهُ فَلَوِ اسْتَكْمَلْتَهٗ اَتَيْتَ مَنْزِلَكَ ابھی آپ کی عمر دنیا میں رہنے کی باقی ہے جسے آپؐ نے پورا نہیں فرمایا پھر جب تم اس عمر کو پورا کر لو گے تب آپؐ اپنے اسی مکان میں آؤ گے (مشکوٰۃ ص ۳۹۶ کتاب الرؤیا بحوالہ صحیح بخاری) اور وہاں بڑی عیش میں زندگی بگزار رہے ہیں آپ

دیدار الہٰی کے مزے لے رہے ہیں ہمکلامی رب تعالیٰ میں مصروف ہیں اور انعامات الٰہیہ میں وانوار ربی میں ہمہ تن لگے ہوئے ہیں اور ادھر آپ کا معصوم جسم مطہر معطر بالکل صحیح سالم بلا تغیر و تبدل اسی طرح موجود ہے جس طرح صحابہ کرام نے اپنے مخصوص ہاتھوں سے ام المؤمنین کے حجرۂ شریفہ میں زمین کھود کر لحد میں رکھا تھا جیسے کوئی نقاب اوڑھے گلابی رخساروں والے گورے رنگ کے آرام فرما ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پاک قبر میں نہ دروازہ ہے نہ سوراخ ہے نہ چیونٹی گزرنے کی جگہ ہے نہ ہوا جانے کی پھر حجرۂ شریفہ کی چار دیواری ہے پھر چاروں طرف بار۔ دھاتوں کی سیسہ پلائی مضبوط دیوار ہے جس میں نہ دروازہ ہے نہ سوراخ ہے نہ ہوا گزرنے کی کوئی صورت ہے پھر اس کے اردگرد چاروں طرف جالی ہے پھر جالی کے ساتھ بھی وہاں کے دربان عربی لگنے نہیں دیتے

تو اب اس صورت میں اگر کوئی شخص جالی سے باہر فاصلے پر کھڑے ہو کر السلام علیک یا رسول اللہ پڑھے گا تو بہ نظر اسباب ظاہرہ کے سننے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ ہاں البتہ معجزہ یا کرامت ہو سکتے ہیں کہ کسی بزرگ کی آواز آپ سن کر جواب دیں اور وہ بزرگ ان کا جواب سن لے

فائدہ

فائدہ مشکوٰۃ ص۱۷۱ باب فضل الصدقہ میں بحوالہ مسلم و بخاری حضرت زینب امرأۃ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت زینب مسئلہ دریافت کرنے کے لئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے دروازے پر گئیں تو دستک سن کر حضرت بلال باہر نکلے اور مجھ سے پہلے ایک انصاری عورت بھی وہی سوال کرنے کیلئے کھڑی تھی جو میرا تھا ہم نے حضرت بلال سے کہا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جا کر کہو کہ دروازہ پہ دو عورتیں کھڑی ہیں اور یہ سوال کرتی ہیں کہ کیا ہمارا اپنے غریب خاوندوں پر اور یتیم بچوں پر جو ہمارے زیر تربیت ہیں صدقہ کرنا کفایت کرتا ہے یا نہ؟ اور دیکھنا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نہ بتانا کہ ہم کون ہیں۔ حضرت بلال نے اندر جا کر آں حضرت سے یہی جا کہا تو آپ نے پوچھا وہ دو کون عورتیں ہیں؟ بلال نے عرض کیا کہ ایک انصاریہ عورت ہے اور دوسری زینب ہے آپ نے پوچھا کونسی زینب؟ عرض کی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی اہلیہ محترمہ آپ نے فرمایا ان کو دوہرا ثواب ملیگا قرابت کا بھی اور صدقہ دینے کا بھی

دوسری حدیث ہے جو مشکوٰۃ ص۳۹۹ باب الضیافۃ فصل ثانی میں بحوالہ شرح السنہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن عبادہ کے گھر سے باہر کھڑے ہو کر السلام علیکم ورحمۃ اللہ فرمایا اور اندر تک نے

کی اجازت طلب فرمائی تو حضرت سعدؓ نے چپکے سے وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہہ دیا اور آں حضرت کو سُنایا نہیں حتیٰ کہ آپ نے تین بار سلام دیا اور حضرت سعدؓ نے تینوں سلاموں کا چپکے چپکے جواب دیا اور آپ کو سُنایا نہیں پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم واپس اپنے گھر کو لوٹے اور سعدؓ حضرت کے پیچھے پیچھے آئے اور عرض کی یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ کی ذات پر قربان جائیں میں نے آپ کے تینوں سلام اپنے کانوں سے سنے اور میں نے آپ کے تینوں سلاموں کا جواب دیا لیکن آپ کو اس لئے نہیں سنایا کہ میں چاہتا تھا کہ آپ کے سلام وکلام کی وجہ سے برکات کثیرہ حاصل کروں الی آخر الحدیث۔

پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دار دنیا میں تھے اور باہر کمرہ (حجرۂ شریفہ) کے عورتیں حضرت بلالؓ سے بات کر رہی ہیں تو اُن کی آواز آپ کو سُنائی نہ دی اور یہی خیال حضرت بلالؓ کا بھی تھا کہ ہماری یہ گفتگو آں حضرت صلعم کو سنائی نہیں دیتی اور ان دو صحابی عورتوں کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ ہماری گفتگو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں سنتے اور نہ آپ نے فرمایا کہ میں نے تم سب کی گفتگو سُن لی

اور دوسری حدیث سے معلوم ہوا کہ جب آں حضرت صلعم دارِ دنیا میں تھے اور گھر سے باہر کھڑے ہو کر گھر کے اندر والے کو سلام کہتے ہیں اور اندر والا جواب سلام کا چپکے سے دیتا ہے جو آپ کو سنائی نہیں دیتا اور اندر والے کا یہی خیال تھا کہ میرا یہ سلام آپ نہیں سنتے اور واقعی آپ نے سلام سعدؓ کا سُنا بھی نہ تھا اسی لئے آپ واپس گھر کو لوٹے تھے۔

تو پہلی حدیث میں آپ گھر کے اندر تھے اور باہر والوں کی گفتگو نہ سُنی اور دوسری حدیث میں گھر سے باہر ہیں اور اندر والے کا جوابِ سلام آپ نے نہیں سُنا حالانکہ دروازہ کے سوا کوئی اور چیز ایسی مانع نہ تھی جس سے آواز رُک جاتی اور بالکل قریب بھی تھے دیوار کے ساتھ متصل بھی تھے اور زندگی بھی دنیوی تھی جس کو کامل زندگی کہا جاتا ہے جس میں رُوح جسم کے اندر مکمل ہوتا ہے اور حالت بھی جاگنے کی تھی خواب کا عالم نہ تھا یہاں تو باہر سے اندر کی آواز محسوس و مسموع نہیں ہو سکی اور اندر سے باہر کی آواز مسموع نہیں ہو سکی

عہد صحابہؓ میں صحابہ کرامؓ کا معمول

خلفاء راشدین کے عہد میں صحابہ کرام مسجد نبوی میں داخل ہوتے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام کہتے (السلام علیٰ رسول اللہ، صلی اللہ علیٰ محمد اللھم افتح لی ابواب رحمتک) نماز ادا کرتے اور واپس

گھروں میں چلے جاتے (اور مسجد سے نکلتے وقت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام کہتے السلام علی رسول اللہ وصلی اللہ علیٰ محمد اللھم انی اسألك من فضلك) اور دیگر مساجد میں بھی یہی معمول تھا

احادیث سے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ نماز کی ادائیگی سے پہلے یا پیچھے حجرۂ نبویہ پر صلوٰۃ وسلام کہنے کے لئے کھڑے ہوں۔ خیال ہے کہ خلفاء راشدین اور اکابر صحابہ کے مبارک عہد میں حجرۂ نبویہ مسجد نبوی کے حدود میں داخل نہ تھا۔

ولید بن عبدالملک بن مروان کے دورِ خلافت میں جب کہ مدینہ منورہ میں بسنے والے اکثر صحابۂ کرام فوت ہو چکے تھے ان میں سے آخر میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ولید کی خلافت سے قبل ۷۸ھ میں فوت ہوئے جب کہ ولید ۸۶ھ میں منصب خلافت پر جلوہ افروز ہوئے اور ۹۶ھ میں فوت ہوئے حجرۂ نبویہ کو مسجد میں داخل کیا گیا۔

لیکن اس سے پہلے جب حضرت امام ثالث امیر المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی میں توسیع فرمائی تو حضرت عباسؓ کے گھر اور حضرت حفصہؓ کے گھر کے کچھ حصّہ کو مسجد کی حدود میں داخل کیا۔ شام کی جانب سے پچاس ہاتھ کا اضافہ کیا؛ البتہ جانب مشرق سے (جہاں حجرۂ شریفہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہے جس میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر ہے) اضافہ نہیں فرمایا اور باقی حجروں کو بھی مسجد میں داخل نہ کیا۔ عہد ولید میں جہاں حجرۂ نبویہ کو مسجد میں داخل کیا گیا وہاں باقی حجروں کو بھی داخل کر لیا گیا۔ جو عمر بن عبدالعزیز نے خلیفہ ولید کے حکم سے کیا۔ اور اس کی تکمیل ۹۱ھ میں ہوئی جس کو سنۃ الفقہاء کہتے ہیں کیونکہ اس سال کثرت سے فقہاء فوت ہوئے ہیں جنہیں سے سعید بن المسیب بھی ہیں۔ سہل بن سعد ساعدی ۹۱ھ میں فوت ہوئے جو عہدِ رسالت میں بچے تھے۔ سن رشد کو نہ پہنچے۔ سائب بن یزید کندی ۹۱ھ میں اور محمود بن ربیع ۹۹ھ میں اور ابوامامہ بن سہل بن حنیف ۱۰۰ھ میں فوت ہوئے یہ سب عہد رسالت میں بچے تھے۔ ابن عباسؓ ۶۸ھ میں طائف میں ابن عمرؓ ۷۳ھ میں فوت ہوئے

بہرحال جب اکابر صحابہؓ میں سے کوئی موجود نہ تھا تب مسجد نبوی میں تبدیلی کی گئی اور اس میں حجرے داخل کئے گئے یہ حجرے مسجد کے مشرقی قبلہ جانب اور شامی جانب تھے ازواجِ مطہرات سے ان کو قیمۃً خرید اگیا اور مسجد میں داخل کیا گیا۔

عمر بن عبدالعزیز نے اس اہم کام کو سرانجام دیا۔ اور حجرۂ شریفہ جس میں آپؐ مدفون تھے اس کے دروازے کو بند کر دیا۔ اور اس کے گرد ایک اور دیوار بنا دی گئی اس کے بعد آپؐ پر سلام بھیجنے والے لوگ قبر اطہر سے بہ نسبت پہلے لوگوں کے زیادہ دُور ہو گئے۔

بطرز دیگر: سلام التحیۃ جس کا جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دیا جاتا ہے اس کی حد بندی کا ذکر کسی حدیث میں نہیں ہے کیا اس کو مسجد نبوی کے ساتھ خاص سمجھا جائے گا؟ کیا اس سے صرف وہ لوگ مراد ہیں جو روضۂ رسولؐ کے قریب کھڑے ہو کر سلام کہتے ہیں؟ کیا اس سے مراد روئے زمین کے تمام لوگ مراد ہیں جو آپ پر کہیں سے بھی سلام التحیۃ بھیجتے ہیں؟ ان میں سے کسی تعیین پر کوئی دلیل موجود نہیں۔

زائر حجرۂ شریفہ سے باہر کھڑے ہو کر سلام کہے تو آپ نہیں سنتے (تصریح ابن تیمیہؒ)

اسی طرح سلام التحیۃ اونچی آواز سے کہا جائے یا پست آواز سے سلام التحیۃ کہنے والے کو بھی شامل ہے۔ اور کیا اگر اونچی آواز سے سلام التحیۃ کہا جائے تو آپ سنتے ہیں؟ حالانکہ وہ احادیث صحیح ہیں جن میں مروی ہے کہ آپ پر صلوٰۃ وسلام پہنچانے کے لئے فرشتے مقرر ہیں، لیکن اس بات پر کوئی دلیل موجود نہیں کہ جو شخص حجرہ سے باہر آپ پر سلام بھیجتا ہے آپ اس کے سلام کو سنتے ہیں۔

صحیح حدیث میں مروی ہے کہ مسجد میں داخل ہونے والا انسان اگر اپنی آواز کو اونچا کرے تو وہ گستاخ و بے ادب ہے پس مسجد میں اونچی آواز کے ساتھ سلام کہنا جب بے ادبی ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ سلام آہستہ آواز کے ساتھ کہا جائے۔

تو کیا جب پست آواز کے ساتھ سلام کہا جائے گا تو سلام کہنے والے کی آواز آپ ﷺ تک پہنچ سکے گی؟

معلوم ہوا کہ قرآن میں جس صلوٰۃ و سلام کا ذکر ہے اور حدیث میں جو وارد ہے کہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ پاک اس پر دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں کسی جگہ یا وقت کے ساتھ خاص نہیں۔ اس میں وہ لوگ جو مسجد نبوی سے یا روضۂ رسولؐ کے قریب آپ پر صلوٰۃ و سلام بھیجتے ہیں اور وہ جو لاکھوں کروڑوں میلوں سے آپ پر صلوٰۃ و سلام بھیجتے ہیں برابر ہیں ان سب کا صلوٰۃ و سلام آپ پر وہ فرشتے پہنچاتے ہیں جو اس کام پر مامور ہیں (رد اخنائی ص ۲۴۲ ص ۲۴۳) میں ہے کہ یہ حدیث نہ تو ان لوگوں کے لئے خاص ہے جو مدینہ منورہ میں مقیم ہیں اور نہ صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو مدینہ سے باہر سے آتے ہیں۔ اور نہ ہی جب حجرۂ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا دروازہ کھلا تھا تو جو لوگ

حجرہ میں داخل ہو کر سلام کہتے تھے ان کے ساتھ کوئی خاص ہے کہ آپؐ ان کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ اس سے یہ لازم ہوا آنا کہ ان کا سلام کہنا مستحب ہے اگر سلام کہنا مستحب ہوتا تو جب بھی صحابہ کرام مسجد میں داخل ہوتے یا مسجد سے نکلتے تو آپؐ پر سلام کہتے حالانکہ ان سے یہ فعل ثابت نہیں، بلکہ صحابہ، تابعین کا اجماع اس کے خلاف ہے۔ اگر روضہ رسولؐ کی زیارت کے آداب میں اس کو شامل کر لیا جائے کہ مسجد نبوی میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت روضہ رسولؐ پر سلام کہا جائے تو کیا بلا دلیل اس کی مشابہت بیت اللہ کے ساتھ نہ ہوگی؟ جس طرح بیت اللہ کے آداب میں داخل ہے کہ اس کی زیارت کرنے والا طواف قدوم کرے اور واپس جانے والا طوافِ وداع کرے۔ ظاہر ہے کہ شریعتِ حقہ میں بلا دلیل کسی حکم کو داخل کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ حجرۂ عائشہ رضؓ کا طواف کرنا جائز نہیں اور نہ ہی اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا جائز ہے..... پس اہلِ مدینہ اور غیر اہل مدینہ کسی کے لئے قبرِ نبیؐ پر وقوف کرنا ثابت نہیں۔

ص ۲۲ یعنی اہلِ قبور کے شرک سے صحابہ کرام محفوظ تھے۔ شیطان اپنی پوری کوشش کے باوجود انہیں شرک جیسی مہلک بیماری میں مبتلا نہ کر سکا۔ صحابہ کرامؓ کے دور میں کسی قبر کے بارے نشان دہی نہیں ملتی کہ صحابہ کرام نے اس قبر کی زیارت کے لئے سفر کیا ہو یا تحصیل یا شفاعت کے لئے اس کا قصد کیا ہو بلکہ افضل الخلق خاتم الرسل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کی زیارت کا قصد کیا ہو تابعین عظام اور ائمہ کرام بھی صحابہ کرام کے طریقہ کے مطابق قبرِ اطہر کو زیارتگاہ بنانے سے گریز کرتے رہے۔

بطرز دیگر

بطرز دیگر: تھوڑی دیر کے لئے تسلیم ہی کر لیا جائے کہ من صلی علی عند قبری والی حدیث صحیح ہے تو پھر بھی آپ لوگوں کا دعوی کہ زائرین کی آواز آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سنتے ہیں غلط ہے کیونکہ حسبِ تحقیقِ بالا عند قبری سلام و کلام زائر کا اس وقت ہوتا جب کہ زائر حجرۂ شریفہ کے اندر داخل ہو کر صلوٰۃ و سلام کہتا لیکن اب تو کوئی صورت حجرہ شریفہ کے اندر داخل ہونے کی نہیں ہے بلکہ حجرہ شریفہ بھی زائر سے بہت دور ہے اب صلوٰۃ و سلام عند قبر النبیؐ نہ ہوا بلکہ صلوٰۃ و سلام عند الشبکہ (جالی کے پاس) ہوا تو اتنی دور سے اور اتنے پردوں میں کیسے آواز پہنچ سکتی ہے

حضرت خلیل احمدؒ صاحب کا حوالہ غیر محقق

اب تسکین الصدور طبع ۲ ص ۳۳۵ میں جو قول حضرت مولٰنا خلیل احمد صاحب کا تذکرۃ الخلیل ص ۳۰۲ کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے کہ "آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حیات ہیں لہٰذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہئے۔ مسجد نبوی کی حد میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے اس کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں" یہ خواہ مخواہ ان پر الزام ہے جو کسی نے ان پر تھوپ دیا ہے اور پھر اس دعوٰی پر کوئی دلیل بھی قائم نہیں کی گئی۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کی طرح تذکرۃ الخلیل والے نے سن کر لکھ دیا بلکہ اس کے برعکس اسی صفحہ ۳۳۵ میں علامہ ابن عبد الہادی کی عبارت الصارم المنکی ص ۹۵ کے حوالے سے نقل فرمائی کہ "قبر شریف کے قریب سے تو آپ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں اور اس کا جواب بھی دیتے ہیں لیکن قبر شریف سے دور باقی مسجد نبوی میں جو سلام پڑھا جاتا ہے وہ آپ خود نہیں سنتے" (گو یہ بات بھی ابن عبد الہادی کی مسلّم نہیں* لیکن علی سبیل التنزل یہاں یعنی یہ بات تب ہو سکتی ہے جب عند قبری کی حدیث کو مان لیا جائے لیکن مولٰنا خلیل احمد صاحب کی بات بلا ثبوت کیسے کوئی مان لے گا۔ اگر ہم سے کوئی ان کے اس قول کی دلیل پوچھے تو ہم اس کی دلیل کیا دیں گے جب خود صاحب تسکین راہ سنت ص۲۰۲ میں لکھتے ہیں امام شامی وغیرہ کا قول قابل التفات نہیں اس لئے کہ یہ غیر مجتہد کا قول ہونے کے علاوہ بلا دلیل بھی ہے اور راہ سنت ص۱۹۳ میں لکھا کہ جن علماء سے انہوں نے جواز اور استحباب نقل کیا ہے وہ نہ تو معصوم ہیں اور نہ مجتہد۔ جب شامی جیسے کا قول بلا دلیل قابل التفات نہیں تو مولٰنا خلیل احمدؒ کا قول بلا دلیل کوئی کیسے قابل التفات سمجھے گا۔

* بلکہ یہ تو خود ان کا مسلک تھا

الحاصل

الحاصل سننے کے موانع سات ہیں قبر، حجرہ شریفہ، مضبوط اور ٹھوس دیوار، جالی، آں حضرت اور زائر کے مابین فاصلہ، جہانوں کا تفاوت عالم دنیا اور عالم برزخ، مقاموں کا تفاوت قبر عرفی اور اعلیٰ علیین جو ساتوں آسمانوں سے کہیں اوپر ہے اب یہاں کی آواز وہاں اسی طرح نہیں پہنچ سکتی جس طرح وہاں کی آواز ہم تک نہیں پہنچتی آپ لوگوں کے ہاں بھی مسلم ہے

اکمل الکلمات

فی

حدیث عرض الصلوٰۃ

تسکین الصدور ط۲ ص ۲۹۹ میں بحوالہ ابوداؤد ج۱ ص ۱۵۰ و دارمی ص ۱۹۵ و نسائی ج۱ ص ۱۵۴۔ و مستدرک حاکم ج۱ ص ۲۷۸، ۲۷۸ ج۲ ص ۵۶۰ و موارد الظمآن ص ۱۴۶ و ابن ماجہ ص ۷۷ و سنن الکبرےٰ ج۳ ص ۲۴۹ و ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۵۱۶ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفاۃ کے بعد اور دفن کرنے کے بعد پھر سے دوبارہ آپؐ کی حیات دنیوی جسمانی عنصری حسی حقیقی ثابت کرنے کے لئے ایک تیسری حدیث بیان فرمائی ہے ان من افضل ایامکم یوم الجمعۃ فیہ خلق آدم و فیہ قبض و فیہ النفخۃ و فیہ الصعقۃ فاکثروا علیّ من الصلوٰۃ فیہ فان صلوٰتکم معروضۃ علیّ قال قالوا یارسول اللہ و کیف تعرض صلوٰتنا علیک وقد ارمت قال یقولون بلیت فقال ان اللہ عزوجل حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء یعنی بیشک تمہارے افضل ترین دنوں میں سے ایک جمعہ ہے اسی میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اسی میں ان کی وفات ہوئی اور اسی میں نفخہ اولیٰ ہوگا اور اسی میں نفخہ ثانیہ ہوگا۔ سو تم جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو۔ کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض

کیا کہ یارسول اللہ! کس طرح ہمارا درود آپ پر پیش کیا جائے گا جب کہ آپ ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے، آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد حرام کر دیئے ہیں (یعنی زمین ان کو نہیں کھاتی :

ناظرین سے التماس

ناظرین غور فرمائیں کہ اس حدیث سے کیسے معلوم ہوا کہ آپؐ کی ظاہری وفات کے بعد پھر سے آپ کو دنیوی جسمانی عنصری حسی حقیقی حیات ملے گی۔ جب کہ آدمؑ کی پیدائش کا ذکر ہے کہ جمعہ کو ہوئی وفات کا بھی ذکر ہے کہ جمعہ کو ہوئی پھر قبر میں جو اعلیٰ حیات دنیوی جسمانی عنصری حسی حقیقی ہے اس کا کوئی ذکر نہیں فرمایا کہ وہ بھی جمعہ کے دن ہوئی یا کسی اور دن اس ضروری اور اہم بات کا ذکر چھوڑ دیا اور نفخۂ اولیٰ اور نفخۂ ثانیہ کا ذکر فرما دیا کہ وہ بھی جمعہ کے دن ہوں گے۔ اگر یہ متروکہ بات اس قدر اہم ہوتی تو اس کا ذکر بھی ضرور کرتے

دوسری سوچنے کی یہ بات بھی ہے کہ اس قدر لمبی بات تو کر دی جس میں صراحۃً دنیوی جسمانی عنصری حسی حقیقی حیات سمجھی نہیں جاتی مختصراً ارشاد فرماتے یُحْیٰ بعد الدفن تو تصریح بھی ہو جاتی اختصار بھی ہوتا اور کسی قسم کا وہم بھی پیدا نہ ہوتا

تیسری بات یہ بھی غور طلب ہے کہ عرض صلوۃ وسلام کے لئے سلامتِ اجساد ضروری ہوا تو آپ کے عرض اعمال والے عقیدہ کے مطابق (کہ اقارب کے اعمال میت پر پیش ہوتے رہتے ہیں تمام اموات کے اجساد صحیح سالم ہونے چاہئیں اور زمین پر اجسادِ اموات کا کھانا حرام ہونا چاہئے کیونکہ عرض اعمال کے لئے سلامتِ اجساد ضروری ٹھہرا اور سلامتِ اجساد حیات کے لئے ضروری ہوا تو سب اموات بعد از دفن اپنی اپنی قبور میں زندہ ہوئے بحیاۃ دنیویہ جسمانیہ عنصریہ حسیہ حقیقیہ پھر یہ فرمائیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی خصوصیت کیا ہوئی

چوتھی بات زیر غور یہ بھی ہے کہ آں حضرتؐ کی بیان کردہ مندرجہ بالا حدیث اپنے استدلال میں پیش

کرکے کہتے ہیں کہ اس حدیث سے تین باتیں معلوم ہوئیں ۱۔ جسد مبارک کا اپنی دنیاوی حالت پر برقرار رہنا ۲۔ عود روح اور قیامت تک کے لئے آپ کا مدینہ والی قبر میں زندہ رہنا ۳۔ اعمال کا پیش کیا جانا خاص طور پر جمعہ کے دن۔ اگر حیات دنیوی اور شعور حسی نہ ہو تو اعمال پیش نہیں ہو سکتے۔

مولانا سے ہمارا سوال

سوال یہ ہے کہ عقیدہ کے مسئلہ میں محتمل دلیل کام نہیں دیتی یہ مسئلہ عقیدہ کا ہے کہ کیا عقیدہ رکھنا چاہئے کہ امت کے اعمال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش ہوتے ہیں یا نہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پیش ہوتے ہیں قرآن اور صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پیش نہیں ہوتے

قرآن پاک میں عیسیٰؑ کے متعلق فرمایا کہ قیامت کو فرمائیں گے کہ میں اُن سے خبردار رہا جب تک مَیں ان میں رہا پھر جب تو نے مجھے اپنی طرف اٹھایا تو تُو ہی ان کے اعمال کا ان پر نگہبان رہا۔ اور تو ہی ہر شے پر مطلع و دانا ہے

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کو میری امت کے لوگ دوزخ کی طرف پکڑے ہوئے جاتے ہوں گے تو میں کہوں گا کہ یہ لوگ تو کچھ تھوڑا سا میرے ساتھ رہے ہیں تو مجھے جواب ملے گا کہ تُو نہیں جانتا کہ ان لوگوں نے تیرے بعد کیا حرکتیں نکالیں؟ تو میں وہی کہوں گا جو نیک بندہ یعنی عیسیٰ علیہ السلام نے کہا وکنت علیہم ...... شہید ...... الحکیم تو کہا جائے گا کہ جب سے تو نے ان کو چھوڑا یہ برابر مرتد ہی رہے کہ اپنے اُلٹے پاؤں پھر گئے (بخاری)

نیز مشکوٰۃ ص میں ہے کہ ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ! نوح ؑ کی امت سے لے کر اپنی امت تک آپ اپنی امت کو پہچان کیسے لو گے (جب کہ اس قدر مخلوق ہوگی) تو آپ نے فرمایا کہ میں اپنی امت کو نشانوں سے پہچانوں گا کہ ان کی پیشانی اور ہاتھ پاؤں وضوء کے اثر سے سفید اور چمکتے ہوں گے۔

فائدہ اس سے یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر موجود نہیں ہوتے اور تمام صحابہ کرام رضؓ کا یہی عقیدہ تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال کے بعد اُن کے اس قول کا رد یوں نہیں فرمایا کہ جب میں ہر جگہ حاضر موجود ہوتا ہوں تو تمہارا یہ سوال ہی سرے سے بے معنی ہے،

عرض اعمال کی مفصل بحث عنقریب آ رہی ہے جس میں محترم مولانا کا پہلا نظریہ بھی ذکر ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ سردست ہم اس حدیث کی سند پر تتمیماً للفائدہ کچھ بحث کرتے ہیں وما توفیقی الا باللہ

حدیث کے رُواۃ پر بحث

اور حدیث مسند احمد میں راوی عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر ہے یا ابن تمیم ہے ابن ابی حاتم اور بخاری جو اقدم اور اعلم ہیں ان کی رائے ہے کہ ابن جابر نہیں بلکہ ابن تمیم ہیں چنانچہ التاریخ الکبیر قسم اول جلد ۳ ص۳۶۵ میں ہے عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم السلمی الشامی عن مکحول سمع منہ الولید بن مسلم عندہ مناکیر ویقال ہو الذی روی عنہ اہل الکوفۃ ابو اسامۃ وحسین فقالوا عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر یعنی عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم السلمی الشامی نے مکحول سے روایت کی ہے اور ولید بن مسلم نے اس سے سنا۔ ابن تمیم سے منکر روایات ہیں کہتے ہیں کہ اسی سے اہلِ کوفہ ابو اسامہ اور حسین بن علی جعفی نے روایات لی ہیں پھر غلطی سے اسے ابن جابر کہہ گئے ہیں۔ اور التاریخ الصغیر ص۱۹۵ میں ہے قال الولید کان لعبدالرحمٰن کتاب سمعہ وکتاب آخر لم یسمعہ واما اہل الکوفۃ فرووا عن عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر و ہو ابن یزید بن تمیم لیس با بن جابر۔ وابن تمیم منکر الحدیث یعنی الولید نے کہا کہ عبدالرحمٰن کی ایک کتاب تھی جسے انہوں نے سن کر لکھا تھا اور ایک دوسری کتاب تھی جس کی روایتوں کو انہوں نے خود نہیں سنا تھا۔ لیکن اہلِ کوفہ (ابو اسامہ وحسین بن علی جعفی نے اپنی روایتوں میں عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر کہا ہے حالانکہ انہوں نے جس سے سن کر روایتیں کیں وہ ابن یزید بن تمیم تھا نہ کہ ابن یزید بن جابر۔ اور ابن تمیم تو منکر الحدیث ہے (اور منکر الحدیث کی روایت بیان کرنا جائز نہیں۔ بخاری سے ذہبی نے نقل کیا)

اور تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۹۵، ۲۹۶ میں ہے قال یعقوب وکانی رأیتُ ابن نمیر یتہم ابا اسامۃ انہ علم ذلک وتغافل یعقوب نے کہا ایسا لگتا ہے کہ ابن نمیر ابو اسامہ کو اس بات کی تہمت لگاتا ہے کہ وہ جان کر ابن تمیم کو ابن جابر بناتا ہے اور یہ اس کا تغافل ہے

عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی نے علل الحدیث ص۱۹۷ میں لکھا ہے سمعت ابی یقول عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر لا اعلم احدًا من اہل العراق یحدث عنہ۔ والذی عندی ان الذی یروی عنہ ابو اسامۃ وحسین الجعفی واحد وہو عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم لان ابا اسامۃ روی عن عبدالرحمٰن بن یزید عن القاسم عن ابی امامۃ خمسۃ احادیث او ستۃ احادیث منکرۃ لا یحتمل ان یحدث عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر مثلہ ولا اعلم احدًا من اہل الشام روی عن ابن جابر من ہذہ الاحادیث شیئًا۔ واما حسین الجعفی فانہ روی عن عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر عن ابی الاشعث عن اوس بن اوس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی یوم الجمعۃ انہ قال افضل الایام یوم الجمعۃ فیہ الصعقۃ وفیہ النفخۃ وفیہ کذا وہو حدیث منکر لا اعلم احدًا رواہ غیر حسین الجعفی واما عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم فہو ضعیف الحدیث و عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر ثقۃ۔ یعنی میں نے اپنے ابا جان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مجھے معلوم نہیں کہ عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے کسی عراقی نے حدیث روایت کی ہو۔ اور میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ ابو اسامہ اور حسین الجعفی (کوفی۔ عراقی) نے جس سے روایت کی ہے

وہ ایک ہی ہے یعنی عبد الرحمٰن بن یزید بن تمیم۔ کیونکہ ابو اسامہ نے عبد الرحمٰن کی روایت کو جو قاسم عن ابی امامہ سے مروی ہیں پانچ چھ حدیثیں منکر بیان کیں جو ہو ہی نہیں سکتا کہ عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر جیسی حدیثیں روایت کرے (کیونکہ وہ ثقہ ہے) اور مجھے علم نہیں کہ عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر سے کسی شامی راوی نے ان منکر روایات میں سے کوئی ایک بھی بیان کی ہو اور یہ روایت جو حسین بن علی الجعفی نے عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر سے ابو الاشعث صنعانی عن اوس بن اوس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بیان کی ہے یہ منکر ہے اور مجھے معلوم نہیں کہ حسین بن علی الجعفی کے ماسوا کسی اور نے بھی اس حدیث کو بیان کیا ہو۔ اور عبد الرحمٰن بن یزید بن تمیم تو ضعیف الحدیث ہے اور عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر ثقہ ہے

نیز یہی عبد الرحمٰن بن ابی حاتم رازی اپنی دوسری کتاب الجرح والتعدیل ص۳۰۰ و ص۳۰۱ جلد ۵ میں لکھتے ہیں فالذی یحدث عنہ ابو اسامۃ لیس ہو ابن جابر۔ ہو عبد الرحمٰن بن یزید بن تمیم۔ نا عبد الرحمٰن قال سالت ابی عن عبد الرحمٰن بن یزید بن تمیم فقال عندہ مناکیر فقال ہو الذی روی عنہ ابو اسامۃ وحسین الجعفی وقالا ہو ابن یزید بن جابر وغلطا فی نسبہ ویزید بن تمیم اصح وہو ضعیف الحدیث۔ حدثنا عبد الرحمٰن قال سالت ابا زرعۃ عن عبد الرحمٰن بن یزید بن تمیم فقال ضعیف الحدیث

یعنی جس سے ابو اسامہ روایت کرتا ہے وہ عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر نہیں ہے بلکہ وہ عبد الرحمٰن بن یزید بن تمیم ہے۔ عبد الرحمٰن نے بتایا کہ میں نے اپنے اباجان سے عبد الرحمٰن بن یزید بن تمیم کے بارے دریافت کیا (کہ کس قسم کا راوی ہے) تو میرے اباجان نے فرمایا کہ اس کے پاس بہت سی منکر روایات ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ وہی راوی ہے جس سے ابو اسامہ اور حسین جعفی نے روایتیں کی ہیں۔ اور پھر دونوں نے کہہ دیا کہ وہ عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر ہے حالانکہ ان دونوں نے اس عبد الرحمٰن کے نسب بتانے کے اندر غلطی کی ہے جو عبد الرحمٰن بن یزید بن تمیم کی بجائے عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر کہہ دیا۔ حالانکہ عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر کی بجائے عبد الرحمٰن بن یزید بن تمیم صحیح ہے اور وہ عبد الرحمٰن بن یزید بن تمیم ضعیف الحدیث ہے۔ عبد الرحمٰن نے یہ بات بھی بتائی ہے کہ میں نے اسی عبد الرحمٰن بن یزید بن تمیم کے بارے امام ابو زرعہ سے بھی دریافت کیا تو انہوں نے بھی اسے ضعیف الحدیث کہا؛

نیلوی کہتا ہے کہ یہاں ایک سوال کیا جا سکتا ہے کہ اگرچہ امام بخاری و ابن ابی حاتم جیسے ماہرین فنِ نقد الرجال نے ابن جابر کی جگہ ابن تمیم کو صحیح کہا ہے مگر جمہور نے ان کی یہ بات تسلیم نہیں کی۔ جمہور علماء کا کہنا ہے کہ گو امام بخاریؒ و ابن ابی حاتمؒ اعلم بھی ہیں اور اقدم بھی ہیں مگر انسان غیر نبی سے خطا واقع ہونا کوئی مستبعد نہیں ہے لہٰذا یہاں بھی ان بزرگوں سے خطا ہو گئی ہے اور حق جمہور کے ساتھ ہے۔ پس سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مسئلہ عقیدہ کا ہے جس کے لیے قطعی دلیل ضروری ہے۔ اور جب اس مقام میں

محققین کا باہم اختلاف ہے اگرچہ ایک قول مرجوح ہے دوسرا راجح پھر بھی احتمال تو پیدا ہو ہی گیا اور ایسے احتمال مانع استدلال بن سکتے ہیں۔ علماء کا مشہور قاعدہ ہے اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال پھر راجح و مرجوح کہنا بھی تو محتمل ہے کیونکہ یہ بھی ان کا عندیہ ہے۔ ممکن ہے کہ جس قول کو راجح سمجھا گیا ہے وہ فی الواقع مرجوح ہو اور جس قول کو مرجوح سمجھا گیا ہے وہ فی الواقع راجح ہو

اسد الاقوال

فی تحقیق

عرض الاعمال

عرض اعمال کے متعلق بھی حضرت مولانا نے حاشیہ میں مستقل بحث چھیڑی ہے

مولانا کا بھی عجیب مزاج ہے بریلویوں کے ساتھ بات کرنی ہو تو ایک ہتھیار نکالتے ہیں اگر غیر مقلدین کے ساتھ بات کرنی ہو تو دوسرا ہتھیار نکالتے ہیں اور وہ دوسرا ہتھیار بریلویوں کو مفید ترین ہوتا ہے اور بریلویوں پر جو ہتھیار استعمال کیا ہے وہ غیر مقلدین کے ہاتھ لگ جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے ہتھیاروں سے اگرچہ موافق مخالف سب گھائل ہوتے ہیں مگر ان کو دکھ اس لئے محسوس نہیں ہوتا کہ وہ ہتھیار ان کے حق میں مفید ترین بھی ہیں

چنانچہ ہمارے موجودہ زیر بحث مسئلہ عرض اعمال میں جب آپ کے مخاطب فرقہ بریلویہ کے مؤلفین تھے تو تبرید النواظر میں صاف صاف عرض اعمال والی حدیث کی صحت کا انکار کر دیا اور فرمایا کہ یہ حدیث قرآن پاک اور احادیث مشہورہ و صحیحہ کے مخالف ہے۔ لہٰذا یہ حدیث مردود ہے اور ازالۃ الریب ط ۱ ص ۲۲۲ میں بھی تڑی مفصل بحث فرمائی

پھر جب اس پر اعتراض ہوا کہ آپ نے ازالۃ الریب طبع اول میں ص۲۲۴ تعرض علی اعمالکم .... (خصائص کبریٰ ج۲ ص۱۸۴)
کے تحت لکھا ہے "کثرت تتبع کے بعد بھی حضرت امام سیوطی کے زمانہ تک کسی اور محدث سے اس حدیث کی تصحیح یا تحسین
نہیں مل سکی۔ اور امام سیوطی تصحیح حدیث میں بہت ہی زیادہ متساہل ہیں۔ وہ تو جعلی اور منگھڑت اور موضوع حدیثوں کا سہارا
بھی اپنے استدلال میں ڈھونڈ لیتے ہیں (مسالک الحنفاء وغیرہ) جب تک اس روایت کی پوری سند اور اس کے رواۃ کی توثیق
اور سند کا اتصال ثابت نہ کیا جائے اور کسی معتبر محدث سے اس کی تصحیح و تحسین ثابت نہ ہو تو اس پر علم غیب وغیرہ قطعی عقیدہ
میں کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ بقولِ امام سیوطیؒ یہی کہا جائے گا کہ یا تو اس کی مناسب تاویل کی جائے گی یا خود یہ حدیث
باطل ٹھیرے گی کما سیاتی۔ خصوصاً جب کہ یہ روایت مسندِ بزار کی ہے جو نہ تو کتب حدیث کے طبقۂ اولیٰ میں ہے اور
نہ ثانیہ میں ہے۔ اگر یہ طبقۂ ثالثہ میں ہو تو اس کے متعلق محدثین کا یہ فیصلہ ہے "واگر آں احادیث معمول بہ نزد فقہاء نشدہ
اند بلکہ اجماع بر خلافِ آنہا منعقد گشتہ۔ اور اگر یہ طبقۂ رابعہ میں ہو اور ظنِ غالب بھی یہی ہے تو اس کے متعلق فیصلہ
یہ ہے کہ ایں احادیث قابلِ اعتماد نیستند کہ در اثباتِ عقیدۂ یا عملے بآنہا تمسک کردہ شود (عجالہ نافعہ ص۶)

تب انہوں نے ازالۃ الریب طبع دوم ص۱۰۳ میں یہ ساری عبارت حذف کر دی

اور سیوطی نے باوجود اس کے کہ یہ حدیث صغار تابعین سے مرسل ہے خصائص کبریٰ ص۲ج۲ میں صحیح لکھ دیا حالانکہ
شافعی مذہب والے (سیوطی بھی شافعی مذہب رہ چکا ہے) مرسل حدیث کو صحیح حدیثوں کے زمرے میں شمار نہیں کرتے
اور مرسل حدیث کا مقابلہ نصوص قطعیہ سے خصوصاً باب عقائد میں منع ہے۔ نیز اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ دیکھو تفسیر
السراج المنیر ص۲۳۳۔ اور خصائص کبریٰ ص۱۸۲ج۲ میں والد عبدالعزیز راوی کا ذکر ہے۔ نامعلوم یہ کون ہیں۔ کیا نام ہے ثقہ ہیں
یا غیر ثقہ۔ پھر حوالہ بھی دیا تو حکیم ترمذی کا جس کی طرف روایت کا منسوب ہونا ہی اس کے ضعف کی کافی دلیل ہے چنانچہ
حضرت مولانا صاحب مدظلہٗ نے السراج فی المزاح ص۱۵ کے حاشیہ سے الجامع الکبیر للسیوطی کی درج شدہ عبارت اپنی کتاب
میں نقل فرمائی ہے۔ شاید یہ ہتھیار بریلویوں کے لئے ریزرو ہے۔

رہی قرآن پاک کی آیت

تو اس کا مطلب وہ نہیں ہے جو شیعوں نے یا بریلویوں نے سمجھ لیا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم منافقوں کی
نیت کا کھوٹ اللہ تعالیٰ پر سب روشن ہے اور آخرت میں تم سب پر بھی روشن ہو کر رہیگا۔ لیکن اس کے علاوہ اس وقت

دنیا میں بھی اللہ اپنی وحیِ خاص سے اپنے رسولؐ اور ان کے ذریعے سے مومنوں کو تمہاری حرکتوں پر مطلع کئے دیتا ہے۔ تو مراد یہ ہے کہ اسی دنیا میں تمہارے اعمال سے تمہارے اخلاص یا نفاق کا امتحان ہو جائے گا کذا قال الماجدیؒ

پھر سماع الموتیٰ ص ۱۳۱ میں مسند ابو داؤد ص ۲۴۸ کے حوالے سے لکھا کہ جابرؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ تمہارے اعمال اقارب پر ان کی قبروں میں پیش کئے جاتے ہیں اگر عمل اچھے ہوتے ہیں تو وہ خوش ہوتے ہیں اور اگر دوسری مد میں ہوتے ہیں تو وہ ان کے لئے دعا کرتے ہیں۔" ہم نے مسند ابی داؤد طیالسی اٹھایا اور دیکھا

مسند ابی داؤد طیالسی کے رواۃ پر بحث

ابو داؤد طیالسیؒ نے جو حدیث صفحہ ۲۴۸ میں لکھی ہے اس کا راوی صلت بن دینار ہے۔ عبداللہ بن احمد بن محمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ابا جان سے دریافت کیا کہ صلت بن دینار کیسا ہے تو آپؒ نے فرمایا کہ لوگوں نے اس سے حدیث لینا چھوڑ دیا ہے وہ متروک ہے اور مجھے بھی روک دیا کہ صلت بن دینار سے حدیث کا کچھ حصہ بھی نہ لکھنا (کتاب العلل ص ۲۴۳ ج ۱)

باقی کتب کے رُواۃ پر بحث

اور ایک حدیث عرضِ اعمال کی تذکرۃ الموضوعات للفتنی ص ۲۱۲ میں بھی ہے لا تفضحوا موتاکم بسیئات اعمالکم فانہا تعرض علیٰ اولیائکم من اہل القبور سو یہ حدیث بھی ضعیف ہے اور فرمایا کہ مقاصد حسنہ میں لکھا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے۔

مسند احمد ج ۳ ص ۱۶۵ و مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۲۰ کی جو حدیث نقل فرمائی ہے اس میں ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے وفیہ رجل لم یُسَمّ (اس میں ایک گمنام آدمی ہے)

اور احیاء العلوم کے بارے امام ذہبی نے لکھا ہے کہ من گھڑت حدیثوں سے پُر ہے، نیز یہ حدیث کی کتاب نہیں ہے اسی طرح عوارف المعارف بھی حدیث کی کتاب نہیں۔ محترم جناب! اس طرح اناپ شناپ سے کام نہیں چلتا

قبیح رونے سے چپ رہنا ہی اچھا ہے

عرضِ اعمال کے متعلق مولٰنا کا قدیم نظریہ

آنکھوں کی ٹھنڈک مطبوعہ ۳ رجب ۱۳۷۴ھ مطابق ۲۰ رمئی ۱۹۴۹ء، ۲۶، ۱۰ رذی القعدہ ۱۳۷۴ھ مطابق یکم جولائی ۱۹۵۵ء میں محترم جناب مولٰنا صاحب نے عرضِ اعمال کے بارے جو کچھ لکھا ہے وہ درج ذیل ہے۔

"رہی عرضِ اعمال کی تو ہم اس کے متعلق ایک مستقل رسالہ لکھ رہے ہیں۔ سردست یہی کہہ دینا کافی ہے کہ یہی حدیث کی کوئی سند بھی صحیح نہیں ہے۔ اور جن محدثین نے اس کی تصحیح بھی کی ہے وہ اتنے متساہل ہیں کہ ان کی بات اصول حدیث کے ماتحت قابلِ قبول ہی نہیں ہے (کیونکہ وہ تو محلی اور من گھڑت حدیثوں کی تصحیح بھی کر جاتے ہیں فسامحہم اللہ بعموم فضلہ۔ ط۲) اور اگر صحیح ثابت بھی جائے تو بھی خبر واحد ہی رہے گی۔ اور خان صاحب بریلوی کی اصطلاح میں خبر واحد کا قرآن کریم کے مقابلہ میں پیش کرنا ہرزہ بافی ہے (چونکہ خان صاحب مخالفین کے مجدد اعلیٰ حضرت اور حضور پرنور ہیں۔ اور اگر فقیر کی بھی سنتے ہیں تو سن لیجئے کہ خان صاحب قندھاری ضدی پٹھان ہیں جن کا شانِ نزول یہ ہے کہ ع زمین جنبد نہ جنبد گل محمد ۔ لہٰذا یہ ہو نہیں سکتا کہ خان صاحب مجدد ہو کر اپنی بات ترک کر دیں۔ اس لئے حدیث عرضِ اعمال کا قرآن کریم کے مقابلہ میں پیش کرنا درست نہیں۔ وہ دیکھئے ___ خان صاحب کھل کر پھاڑ کر فرما رہے ہیں کہ اس کو قرآن کے مقابلہ میں پیش کرنا محض ہرزہ بافی ہے۔ ط۱) اب قرآن کریم کی آیت ملاحظہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے یوم یجمع اللہ الرسل فیقول ماذا اجبتم قالوا لا علم لنا انک انت علام الغیوب (پ مائدہ رکوع ۱۵) ترجمہ جس دن جمع کرے گا اللہ تعالیٰ رسولوں کو۔ پھر کہیگا تم کو (اپنی اپنی امت کی طرف سے) کیا جواب دیا گیا؟ وہ بولیں گے ہم کو خبر نہیں۔ تو ہی ہے غیب دان"

چونکہ اس آیت میں تمام رسولوں کو جمع کر کے سوال کرنے کا ذکر ہے جن میں (جناب) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں اور چونکہ مجموعی امت کے لحاظ سے سوال ہوگا اس لئے تمام پیغمبر اس سے لاعلمی کا اظہار کرینگے (اگر امت کے تمام اعمال آپؐ کے پاس پیش کئے جاتے ہیں تو آپ اور اسی طرح دیگر پیغمبر لاعلمی کا اظہار کیوں کرینگے؟)

رہا اس لاعلمی کے اظہار کو تواضع پر محمول کرنا جیسا کہ بعض مفسرین نے کہا ہے تو درست نہیں۔ کیونکہ اگر کوئی اور نص قطعی ایسی ہوتی جس سے صاف طور پر یہ ظاہر ہوتا کہ انبیاء عظام کو بغیر استثناء کے ہر چیز معلوم ہے تو ہم تواضع پر محمول کر سکتے تھے۔ لیکن ایسی تو ایک بھی قطعی دلیل موجود نہیں بلکہ اس کے خلاف دلائل اور براہین کو یعنی اس نظریہ عرضِ اعمال کے رد میں لکھا ہوا اشتہار درج ہیں

کا انبار لگا ہوا ہے۔

رہی یہ بات کہ انبیاء عظام ذہول اور نسیان کی وجہ سے لاعلمی کا اظہار کریں گے تو اس ذہول وغیرہ پر کوئی بھی صحیح حدیث موجود نہیں ہے۔ بعض مفسرین کی غیر معصوم آراء ہیں (جن سے متعلق علامہ اقبالؒ یہ فیصلہ دیتے ہیں کہ ع اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں ؛ ۔ ط۱)

(آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حوض کوثر پر بعض لوگوں کو اُن کے اعضاء وضوء کی سفیدی اور چمک سے دیکھ کر ان کے حق میں سفارش کریں گے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ارشاد ہوگا انک لا تدری ما احدثوا بعدک (بخاری ج ۲ ص ۹۶۵ و مسلم ج ۲ ص ۳۸۴) آپ نہیں جانتے کہ آپؐ کے بعد انہوں نے کیا کیا نئی نئی باتیں۔ اور حرکتیں گھڑی ہیں۔ ط۲) انتہیٰ کلام الہٰی بتمامہ

بخاری مسلم کی روایت مشکوٰۃ ص ۴۸۵ فصل اول میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مؤمن کو حفاظت میں لیتے ہوئے اہل موقف سے پردہ رکھ کر (تاکہ رسوا نہ ہو) اپنی رحمت کے ساتھ اس کے قریب ہو کر پوچھے گا کہ فلاں اپنا کیا ہوا گناہ تو پہچانتا ہے؟ فلاں گناہ پہچانتا ہے؟ وہ کہیگا ہاں ربا یہاں تک کہ اپنے تمام گناہوں کا قراری ہو جائے گا اور یہ سمجھیگا کہ اب میری شامت آئی۔ تو اللہ پاک فرمائیگا کہ دنیا میں بھی میں نے تیرے گناہ چھپا رکھے تھے اور آج میں تیرے یہ سارے گناہ بخش دیتے تو اس کو نیکیوں کا نامۂ اعمال مل جائے گا

اور مسلم ج ۲ ص ۲۴۹ تا ۲۵۲ میں حضرت سہلؓ و عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ و ام المومنین عائشہ صدیقہؓ وام سلمہؓ و عبداللہ بن مسعودؓ و ابو ہریرہؓ و انس بن مالکؓ و جابر بن سمرہؓ سے

نیز بخاری ص ۹۷۴، ۹۷۵ میں انسؓ سے اور عبداللہ بن مسعودؓ و سہل بن سعدؓ و ابو سعید خدریؓ و ابو بکرؓ و بنت ابی بکرؓ سے حدیث حوض میں صاف لفظ ہیں انک لا تدری ما احدثوا بعدک ، انک لا علم لک بما احدثوا بعدک (۹۷۴، ۹۷۵) ولا شعرت ما احدثوا بعدک یعنی مشار عشرہ میں سے کسی ایک کے ذریعے بھی آپ کو علم نہیں کہ آپؐ کی وفات کے بعد یہ کیا کچھ حرکتیں کرتے رہے (بخاری ۹۷۵)۔ اگر عرض اعمال کو تسلیم کریں تو ان دس صحابہؓ کی متواتر حدیث کی بھی تردید کرنی ہوگی اور اگر جی عرض اجمالی ہو کیونکہ عرض اجمالی میں اتنا تو ہوگا کہ یہ بدکار ہے اور یہ نیکوکار۔ اگر اتنا ہی آپ کو علم ہوتا تو آپ اسیحاقاً نہ کہتے۔ جب ان کا ارتداد پیش نہیں ہوا تو عرض اجمالی کیا ہوتا

شبہ نمبر ۵

فہم الاذکیاء

فی شرح حدیث

حرمۃ اکل لحوم الانبیاء

محترم جناب مولنا صاحب نے تسکین الصدور طبع ۲ ص ۳۰۷ میں کتاب الروح ص ۳۵ کی عبارت لکھ کر فرمایا کہ

اگر عرض صلوٰۃ میں آپ کے جسم مبارک کا دخل نہ ہوتا تو آپ صحابہ کرامؓ کو یہ جواب نہ دیتے

مولنا کی اس عبارت کا "حسب یہ نکلتا ہے کہ سننے کے لئے جسم کا صحیح سلامت رہنا ضروری ہے اسی لئے بجائے دوسرا جواب دینے کے آپ نے یہ جواب دیا کہ نہ سنتا جب ہوتا جب میرے جسم کو مٹی کھا جاتی۔ لیکن میرا جسم تو مٹی کے کھانے سے محفوظ ہوگا لہٰذا میں سنتا رہوں گا۔

اس بحث کو پڑھنے والا یہی سمجھیگا کہ جب عرض صلوٰۃ اور سلام کی مدار سلامتیٔ جسم پر ہوئی تو جن جسموں کو مٹی کھا جاتی ہے تو نہیں سنتے بلکہ اشارۃ النص سے ان کا عدم سماع ثابت ہوتا ہے کیونکہ خطیب دمشق محدث ولی الدین رحمۃ اللہ نے مشکوٰۃ ص ۴۸۱ میں حدیث ذکر کی ہے کل ابن آدم یاکلہ التراب الا عجب الذنب یعنی عجب الذنب نامی ہڈی کے سوا باقی پورا انسانی جسم فنا ہو کر مٹی میں گھل مل جاتا ہے۔ نیز حدیث ہے لیس من الانسان شئی لا یبلی الا عظما واحدا وہو عجب

الذنب ومنہ یرکب الخلق یوم القیامۃ یعنی عجب الذنب ہڈی کے سوا انسان کے جسم کی ہر شے بوسیدہ ہو جاتی ہے اور قیامت کے دن انسانی جسم عجب الذنب ہی سے ترکیب وتخلیق پائے گا اور آخرت کی زندگی کے لیے اس میں روح لوٹائی جائے گی۔)

پس انبیاء کرام علیہم السلام کے ماسوا کسی کے لئے سماع ثابت نہ ہوا۔ یہ بھی عدم سماع موتی کی مؤید بن گئی۔ دیکھئے خدا کی قدرت پھر محترم نے چوتھی دلیل حیات النبی کو اس طرح قوی بنایا کہ

ملا علی قاریؒ میرک کے حوالہ سے منذری کا قول نقل فرمایا اسنادہ جید اسی طرح سمہودیؒ وشوکانیؒ وشمس الحق عظیم آبادیؒ کا یہ قول نقل کیا رواہ ابن ماجہ باسناد جید (تسکین الصدور ط ۲ ص ۳۱۱)

الجواب

مگر یاد رہے کہ سمہودی محدث نہیں اخباری اور مؤرخ ہے اور شوکانی وشمس الحق ناقل ہیں اور ملا علی قاریؒ بھی اپنی تحقیق نہیں بتاتے کہ میری تحقیق یہ ہے کہ اسکی سند جید ہے بلکہ میرک صاحب کے بارے فرمایا کہ وہ منذری سے بیان کرتے ہیں کہ اس حدیث کی سند جید ہے تو خلاصہ یہ نکلا کہ لے دے کر ساری بات منذریؒ پر آگئی یعنی اس حدیث کو ابن ماجہؒ نے روایت کیا اور منذریؒ نے اس کی سند کو جید کہا اور بس

محترم نے اس حدیث کو اس طرح بھی قوت دی کہ ابن حجرؒ "زرقانی" دمیری اور عزیزی نے فرمایا رجالہ ثقات اور مناوی کی اپنی تحقیق نہیں بلکہ دمیری کا نام لیتے ہیں کہ دمیری نے کہا رجالہ ثقات

مگر یاد رہے کہ رجالہ ثقات کہہ دینے سے نہ سند جید بنتی ہے اور نہ انقطاع کی نفی ہوتی ہے اور نہ اتصال ثابت ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ القول البدیع ص ۱۱۹ میں امام سخاویؒ نے رجالہ ثقات لکھ کر اتصال کا وہم لکنہ منقطع کہہ کر رفع فرما دیا۔ اسی طرح نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۶۳ میں علامہ عراقیؒ کی جو تحقیق ذکر ہے۔ اس میں بھی یہی سخاویؒ کی سی طرز ہے کہ اس کے تمام راوی گو ثقہ ہیں مگر سند میں انقطاع ہے۔ اور ابن حجرؒ بھی یہی بات تسلیم کرتے ہیں کہ واقعی راوی تو ثقہ ہیں مگر امام المحدثین بخاری نے فرمایا ہے کہ زید بن ایمن کی روایت عبادۃ بن نسیؒ سے مرسل ہے۔ چنانچہ تسکین ص ۳۱۲ میں تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۹۸ کے حوالہ سے محترم نے تسلیم فرمایا ہے

الحاصل

نیلوی کہتا ہے کہ جب اس روایت کی پوزیشن یہ ہوئی کہ صرف منذری اس حدیث کو جید کہتا ہے اور جو رجالہ ثقات کہتے ہیں وہ اس کے ساتھ لکنہ منقطع کہہ کے اتصال کے وہم کو رفع کر دیتے ہیں اور جو صرف رجالہ ثقات کہتے ہیں ان کے اس پر اکتفا کرنے سے اتصال ثابت نہیں کیا جا سکتا آخر ناطق کو ساکت پر ترجیح ہوتی ہے پھر محترم کس طرح بلا جھجک کہتے ہیں " محدثین کرام کا جم غفیر جید کہہ کر اس حدیث کی تصحیح کرتا ہے"۔ کیا صرف منذریؒ کا نام جم غفیر ہے ؟

پھر جس نے انقطاع کہا ہے اس کو اس حدیث کے منقطع ہونے کی تحقیق ہوئی ہے۔ بغیر تحقیق کے یوں ہی منقطع کہدینا محققین کے شایاں نہیں ہے اور آپ اور آپ کے شاگرد خود اس بات کو تسلیم فرماتے ہیں کہ من علم حجۃ علی من لم یعلم یعنی جاننے والے کی بات نہ جاننے والے پر حجت ہوگی۔

نیز امام بخاریؒ اقدم واعلم ہے ابن حجرؒ سے اور محترم خود فرمایا کرتے ہیں کہ اقدم واعلم کی تحقیق کو دوسروں کی تحقیق پر راجح سمجھا جاتا ہے

نیز امام بخاریؒ متقدمین میں سے ہیں اور حافظ ابن حجرؒ متاخرین میں سے ہیں جب محترم کے نزدیک طبرانیؒ و ابن تیمیہؒ و ابن قیمؒ جیسی ہستیاں متاخرین میں شامل ہیں اور ان کا قول حجت نہیں تو حافظ ابن حجرؒ کا قول کس طرح حجت ہو سکتا ہے جو ان سے بھی متاخر ہیں۔

پھر حافظ ابن حجرؒ کی حالت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک حدیث کے بارے تلخیص الحبیرؒ ص ۲۲۹ میں لکھتے ہیں و رجال اسنادہ ثقات لکن فیہ انقطاعا اعلہ ابو داؤد وبانہ لیس بالمشہور اور ص ۲۲۳ میں لکھا تو انقطاع کا نام ہی نہیں لیا اور ترمذیؒ کی تقلید میں صحیح کہدیا

جب انقطاع ثابت ہو گیا تو حدیث صحیح نہ رہی اور نہ ہی ثابت رہی۔ پھر حجت کس طرح بن سکتی ہے

محترم کی ایک چال

پھر ص ۱۰۳ تسکین میں فرمایا کہ مرسل روایت سے ترجیح اور تفسیر درست ہے"

اب محترم فرمائیں کہ اس مرسل سے کس چیز کی ترجیح و تفسیر ہو رہی ہے ناکہ التفسیر والترجیح کی تعیین تو فرمائیے اور۔

محترم کا اصول حنفیہ سے انحراف

ص ۳۱۳ میں فرمایا اصولِ حدیث کا یہ قاعدہ ہے کہ حدیث کا راوی اپنی مروی حدیث کا مطلب بہ نسبت دوسروں کے بہتر جانتا ہے

محترم! کیا یہ قاعدہ آپ کو مسلم ہے؟ اگر مسلم ہے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ نے البیعان بالخیار ما لم یتفرقا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں اور وہ اس تفرق سے تفرق بالابدان مراد لیتے ہیں لہٰذا انہوں نے حدیث کو دوسروں سے بہتر سمجھا ہے پس امام ابوحنیفہ رہ نے اس قاعدہ کی خلاف ورزی کیوں کی اور تفرق سے تفرق بالاقوال کیوں مراد لیا؟

عرض صلوٰۃ کا صحیح مفہوم

عرض صلوٰۃ: مطلب یہ نکلتا ہے کہ سننے کے لیے جسم کا صحیح سلامت رہنا ضروری ہے اسی لئے بجائے دوسرا جواب دینے کے آپ نے یہ جواب دیا کہ نہ سنتا جب ہوتا جب میرے جسم کو مٹی کھا جاتی لیکن میرا جسم تو مٹی کے کھانے سے محفوظ ہوگا اس لئے سنتا رہوں گا۔ اور جن مردوں کو مٹی کھا جاتی ہے ان کا سماع ثابت نہ ہوا بلکہ اشارۃ النص سے ان کا عدم سماع ثابت ہوا کیونکہ مشکوٰۃ ص۴۸۱ میں ہے کل ابن آدم یاکلہ التراب الا عجب الذنب او لیس من الانسان شیء لا یبلی الا عظما واحدا وھو عجب الذنب یعنی (انبیاء علیہم السلام کے ماسوا) ہر آدمی کو مٹی کھا جاتی ہے سوائے ریڑھ کی ہڈی کے (الا من شاء اللہ) پس انبیاء کرام علیہم السلام کے ماسوا کسی کے لئے سماع ثابت نہ ہوا۔ چلو تھوڑی دیر کے لئے علی سبیل التنزل اس حدیث سے سماع انبیاء اور عرض صلوٰۃ و سلام علی الانبیاء تسلیم کر ہی لیں تو غیر انبیاء کا سماع اور عرض اعمال تو اسی حدیث کی رو سے منتفی ہو گئے

فیض الباری ص۲۴۴ میں بصیغۂ تمریض (قیل) فرمایا یعنی سماع اور اسماع میں فرق کر کے کہتے ہیں کہ اسماع کی نفی ہے سماع کی نفی آیت مبارکہ میں نہیں یہ ان کا کہنا ضعیف ہے محققین حنفیہ کا یہ مسلک نہیں ہے محقق مسلک حنفیہ کا یہی ہے کہ اسماع کی نفی کو سماع کی نفی لازم ہے چنانچہ فتاوٰی دار العلوم دیوبند مدلل و مکمل جلد پنجم ص۲۴۴

میں ہے سوال ۳۳۴۳۱ سماع موتی میں محققین حنفیہ کا کیا مذہب ہے اور قرآن و حدیث سے کیا ثابت ہے؟

الجواب: انک لا تسمع الموتیٰ وغیرہ نصوص سے عدم سماعِ موتیٰ ظاہر ہے فَاِنَّ عَدَمَ الْاِسْمَاعِ یستلزم عدام السماع وھو قول محقق الحنفیۃ۔ فقط

اس سے معلوم ہوا کہ یہی قول محقق ہے کہ اسماع کی نفی سے سماع کی نفی خود بخود آجاتی ہے۔

اور رہی حدیث قلیب بدر سو اس کی مفصل تشریح ندائے حق جلد دوم میں رسالہ ضوء الفجر میں دیکھیں۔

فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُرْزَقُ

ابن ماجہ ص ۱۱۹ میں ایک حدیث کا ٹکڑا ہے۔ اسکا جو مفہوم ہے ہم اس کو ہر مسلمان مانتا اور عقیدہ رکھتا ہے۔ اور یونہی مفت کا بہتان باندھنے والا اپنی ہی عاقبت خراب و برباد کریگا کسی کا کیا بگاڑے گا۔ قیامت برحق ہے خدا کے آگے پیشی ہوگی وہاں بہتان باندھنے والے اپنی سزا بھگتیں گے اللہ تعالیٰ ہمیں غیبتوں اور بہتانوں سے محفوظ رکھے آمین

جب شہداء فی سبیل اللہ کی بابت حسب ارشاد ربانی بنص صریح بل احیاء عند ربہم یرزقون آئی ہوئی آیت پر مسلمان کا پختہ عقیدہ ہے کہ شہید فی سبیل اللہ اللہ تعالیٰ کے پاس جنت میں زندہ ہیں اُن کو رزق ملتا رہتا ہے۔ خوشی خوشی رہتے ہیں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان تو ان سے بہت ہی اعلیٰ وارفع ہے

ملا علی قاری رحمہ نے مرقاۃ ج ۲ ص ۲۴۱ میں فرمایا ہے فَاِنَّ اللّٰہَ تعالیٰ قال فی حق الشہداء من امتہ بل احیاء عند ربہم یرزقون فکیف سیدہم بل رئیسہم ۔ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کے شہیدوں کے بارے جو بل احیاء عند ربہم یرزقون کے الفاظ فرمائے ہیں تو ان شہداء کے سید اور سردار کے بارے کیسے یہ حکم نہ ہو۔

اس عقیدہ کے اثبات کے لئے قرآن کریم کی آیت کریمہ کافی ووافی ہے جس سے شہداء کی حیات عبارت النص کے طریق سے اور انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات دلالت النص کے طریق سے ثابت ہے،

مگر صاحب تسکین اس عقیدہ میں ترمیم کراتے ہیں اور نبی اللہ حی یرزق کے حدیثِ رسول عقیدہ رکھنے کو لازم کرتے ہیں۔ کہتے

ہیں صرف اتنا مت کہو کہ "حیات النبی" بلکہ جیسے دنیا میں آپ بجسدہٖ و روحہٖ زندہ تھے اور جیسے بجسدہٖ و روحہٖ زندہ معراج میں آسمانوں پر تشریف لے گئے ہیں۔ بعینہٖ بغیر کسی فرق کے دفن ہونے کے بعد بھی آپ کو بجسدہٖ و روحہٖ زندہ قبر عرفی میں تسلیم کرو پھر یہاں پر بھی بس نہیں بلکہ یوں کہو کہ پاس جاکر جو اُن کو سلام کہے اور دعا کروائے استغفار کروائے سفارش کروائے وہ سب کی سب حضرت سنتے ہیں دعاء و استغفار و سفارش کرتے ہیں سب کو قبر میں سے دیکھتے پہچانتے ہیں خواہ آپ کتنی ہی پردوں میں پڑے ہیں قبر کا پردہ، حجرہ کا پردہ، قبہ کا پردہ، جالی کا پردہ، رات کا پردہ آپ کو دیکھنے سننے کیلئے یہ چیزیں کوئی حائل اور مانع نہیں باوجودیکہ آپ کا اپنا ارشاد گرامی ہے لعلی لا اراکم بعد عامی ہٰذا اس سال کے بعد شاید میں تم کو نہ دیکھ سکوں (کنایہ ہے آپ کی وفات سے) آپ نے اس طرح نہیں فرمایا لعلکم لا تروننی بعد ہٰذا العام یعنی اس سال کے بعد شاید تم مجھے دیکھ نہ سکو (کیونکہ میری وفات کے بعد اگرچہ میں تم میں موجود اور ہر ایک کے ساتھ ہر وقت حاضر ناظر ہوں گا مگر تمہاری آنکھیں نہ ہوں گی جو مجھے دیکھ سکو نیز لا تسمعون ہوتی میں تمہارے ساتھ باتیں تو کروں گا مگر تمہارے کان ایسے نہ ہوں گے جو میری بات سن سکو۔ والعیاذ باللہ)

نبی اکرم ﷺ نے صاف صاف اس لئے فرمایا کہ جیسے پہلے بزرگوں کے وفات پا چکنے کے بعد ان کے محبوں نے رفتہ رفتہ حاجات میں ان کو پکارنا شروع کیا تھا اور استمداد کرنے کے لئے راہ ہموار کرنا شروع کیا تھا ایسے ہی میرے ساتھ بھی کہیں وہی معاملہ شروع نہ کر بیٹھیں اس لئے ایک حس مدرک کی نفی عبارۃ النص سے کر دی تو دوسرے حواس کی نفی دلالۃ النص سے ہو گئی

مگر تعجب ہے دور حاضر کے مسلمانی کا دعویٰ کرنے والے کہتے ہیں کہ مشرکین مکہ تو بتوں کو یعنی گھڑے ہوئے پتھروں کو حاجت روا مشکل کشا اور سفارشی سمجھتے تھے ہم کب بتوں کو مانتے ہیں۔ ہم تو اس ہستی کو پکارتے ہیں اور اس پاک ذات کو سفارشی مانتے ہیں جس کی رضا پر خود خدا چلتا ہے اور خدا نے اپنی سب سب مخلوق صرف اس کی خاطر پیدا کی۔ پھر کہتے ہیں کہ ہم مشرک نہیں ہیں۔ کیونکہ شرک نام ہے بت پوجنے کا۔ پیروں فقیروں کا پکارنا کہاں کا شرک ہے۔ یاد رہے کہ سکھ بھی اپنے آپ کو موحد کہتے ہیں کہ بت پرست نہیں [illegible]

کہتے ہیں کہ اگر یہ عقیدہ نہیں رکھو گے تو تم بدعتی معتزلی اور اہل سنت سے خارج ہو

جنابِ من! ہم قرآن پاک میں ترمیم نہیں کر سکتے یہ ترمیم آپ ہی کو نصیب ہو۔ اور خواہ مخواہ کسی کلام کو جو آپ کی سمجھ میں آ گئے حضور صلعم کی حدیث بنائیں یہ ہمارا کام نہیں آپ اسے مبیح مادی سمجھیں مگر حقیقت ہے کہ مدرج ہے محض احتمال نہیں۔ نیز آپ نے ادراج کو مختصر سمجھا حالانکہ یہ حصر استقرائی ہے۔ حصر عقلی جو دائر ہو بین النفی والاثبات اور حصر استقرائی خود ظنی ہے۔ دوسرے سیرۃ محمدیہ صفحہ میں اس حدیث کے آخیر میں قال ابن ماجہ فنبی اللہ حی یرزق صاف موجود ہے جس سے عقدہ حل ہو گیا۔ اسی طرح العارم المنکی صفحہ میں ہے فنبی اللہ حی یرزق قال ھذا اللفظ ابن ماجہ! جس کو نے بھی شبہ نہ۔

نیز فنبی اللہ حی میں ف تفریعیہ بتا رہی ہے کہ ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء علت یا سبب ہے حیات نبی کی کیونکہ تقدیر عبارت حسب قواعد نحویہ یہ ہوئی اِنَّ حَرَّمَ اللہُ علی الارض اکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یُرزَقُ جب حرمت اکل اجساد انبیاء علی الارض علت ہے حیات کی، تو جہاں حیات نہیں وہاں حرمت اجساد بھی نہ ہو گی اور جہاں علت نہ ہو گی وہاں حکم بھی نہ ہو گا تو مطلب یہ ہو گا جن جن کو مٹی کھا گئی ان کو حیات نہیں ہو گی تو جن شہداء کو مٹی کھا گئی ہو تو ان کی حیات ثابت نہ ہوئی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ سب شہداء فی سبیل اللہ زندہ ہیں۔ اس میں کسی کی تخصیص نہیں خواہ ان کے اجساد کو مٹی کھائے یا نہ کھائے شہیدوں کو حیات حاصل ہے ان کو روزی ملتی ہے خوش رہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حرمت اکل اجساد کو حیات کی علت بتانا غلط ہے یا علامت کہیں تو البتہ گنجائش ہو سکتی ہے

نیز "نبی اللہ حی یرزق" اپنے آپ بتا رہا ہے کہ نبوت علت ہے حیات کی ورنہ نبی اللہ حی یرزق کی بجائے اَنَا حَیٌّ اُرزَقُ مختصر لفظ ارشاد فرماتے۔ مختصر سے لفظ "انا" کی جگہ ایک طویل عبارت، لفظ مفرد کی جگہ مرکب اضافی، اور تکلم کی جگہ غیبت کا استعمال، پھر ذات کی بجائے صیغہ صفت مشبہ کا استعمال فرمانا یہ

تمام طرز کلام دلیل ہے اس امر کی کہ مقصد اور غرض اصلی سوق کلام سے تنبیہ کرنا ہے علت حیات پر۔ قاعدہ ہے کہ مبداء اشتقاق حکم کی علت ہوتا ہے۔ اب جب نبوت علت ہوئی۔ تو علت سے معلول منفک نہیں ہو سکتا جہاں علت ہو گی، وہاں حکم ضرور ہو گا پس جب تک نبوت ہو گی تب تک حیات ہو گی جب حیات نہیں ہو گی نبوت بھی نہ ہو گی لیکن نبوت نبی

وسلم کی عبارت کے اخیر تا لگا دیا۔ وہٰذا ہو الحق والحمد للہ رب العٰلمین

یہی وجہ ہے کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ کو اس فقرہ کے بارے تردد ہے کہ آیا یہ عبارۃ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی معصوم زبان سے صادر شدہ ہے جو بطور نتیجہ کلام کے بیان فرمائی ہو یا یہ نیچے کے کسی راوی کا قول ہے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عبارت سے مستنبط کیا اور بطور تفریع کے ذکر کر دیا۔ اصل عبارت ملا علی قاری کی مرقاۃ ج ۳ ص ۲۴۲ میں یہ ہے ثم ہٰذہ الجملۃ یحتمل ان تکون من قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم نتیجۃ للکلام ویحتمل ان تکون من قول الراوی استفادۃ من کلامہ وتفریعًا علیہ صلی اللہ علیہ وسلم

اچھا اگر ادراج نہ بھی ہو پھر آپ کی مطلب براری اس حدیث سے کیسے ہو گئی اس فقرہ سے عنصری حیات یعنی بجسدہ العنصری ودروحہ کیسے ثابت ہو گیا؟ پھر کمال اور لطف کی بات یہ ہے کہ حیات تو دنیوی اور عنصری ثابت کرتے ہیں مگر رزق دوسرے عالم کے مناسب بتاتے ہیں۔ یہ کس نے لکھا کہ قبر سے باہر عنصری دنیوی زندگی ہو تو رزق بھی دنیوی ملتا ہے نہ دوسرے عالم کا مگر قبر میں جب دنیوی عنصری زندگی ہو تو حیات تو ہے دنیوی مگر رزق دنیوی نہیں بلکہ دوسرے عالم کا ہے۔ لیکن انبیاء کے ما سوا دوسروں کے حق میں حیات دنیویہ کے ساتھ رزق دنیوی اور حیات برزخیہ کے ساتھ رزق بھی برزخی یا یہ تقریر آپ کی اور آپ کے متبعین کی خود ساختہ خانہ زاد ہے اور اس تغییر کرنے کے آپ مجاز ہیں۔

چنانچہ تسکین ط ۱ ص ۱۲۹ میں لکھا "لیکن یہ رزق دنیوی اور حسی نہیں بلکہ عالم غیب اور دوسرے جہان کا ہے

تعارض

مثل مشہور ہے کہ دروغ گو را حافظہ نہ باشد اور یہ صرف مشہور ہی نہیں بلکہ بالکل سچ ہے۔ دیکھئے آپ نے اوپر کا حوالہ تو ابھی پڑھا ہے اب آپ یہی تسکین الصدور ط ۱ ص ۹۶ دیکھیں وہاں سطر آخری میں لکھا ہے "اس مقام پر رزق سے وہ رزق مراد ہے جو عادۃً لوگوں کے ہاں رزق معروف ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ابن ماجہ کی یہ حدیث جسد عنصری سے حسی کھانا کھانا ثابت کرتی ہے کیونکہ ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء کے بعد متصل فنبی اللہ حی یرزق کہنے سے ہر سامع کے ذہن میں متبادر یہی خیال پیدا ہوتا ہے کہ جب حسی عنصری دنیوی جسم بکمالہٖ صحیح سالم زندہ محفوظ کھاتا پیتا ہے تو یہ کھانا پینا بھی حسی عنصری دنیوی ہی ہوگا۔ اگر اس حدیث سے کھانا پینا حسی

عنصری دنیوی معلوم نہیں ہوتا (اور واقعی بات ہے بھی یہی) تو دنیوی عنصری جسمانی حضرت کا مجسدہ در وجہ عرفی قبر شریف کی کا اثبات کس اصول کے ماتحت ہے رزق حسی دنیوی مراد لینے سے مانع کیا ہے اور حیات دنیوی حسی عنصری کا باعث کونسا امر ہے پھر حَیٌّ کا لفظ حیات عنصریہ حسیہ پر جو دلالت کرتا ہے تو دلالۃ کونسی ہے وضعی ہے یا عرفی یا شرعی اگر وضعی ہے تو پھر دلالت مطابقی ہے یا تضمنی یا التزامی۔ اگر کہو کہ متبادر حیات عنصریہ حسیہ جسمانیہ ہے تو یوں کیوں نہیں کہہ سکتے کہ رزق سے متبادر رزق عنصری حسی دنیوی ہو جیسے حیٌّ حیات کے معنے ہیں کہ اس حیات کے آثار خود انہیں محسوس ہوتے ہیں نہ کہ اہل دنیا کو ایسے ہی یوں کیوں نہیں کہہ سکتے کہ رزق دنیوی حسی کے بھی یہی معنے ہیں کہ وہ رزق خود حضرات انبیا کو محسوس ہوتا ہے مگر اہل دنیا جتنا بھی غور سے دیکھیں انہیں نظر نہیں آسکتا۔ پھر صاحب تسکین کی یہ تاویل کہ یہ رزق اس عالم کے مناسب ہوتا ہے (ص۱۸۱) ضروری نہیں کہ وہ دنیوی کھانے پینے اور ایسے ہی دیگر حاجات کو مستلزم ہو بلکہ ان امور میں وہ الگ اور جدا حکم رکھتی ہے (ص۱۳۵) صاف اور صریح حدیث کے خلاف ہے۔

مولٰنا سے ایک سوال

جب من صلی علی عند قبری سمعتہ کے الفاظ دنیوی ادراک شعور اور علم و سمع پر دال ہے تو نبی اللہ حی یرزق کے الفاظ دنیوی رزق پر کیوں دال نہیں۔ کیا سمع کا اطلاق دنیوی سمع میں منحصر ہے اور برزخی سمع پر سمع کا اطلاق ممتنع ہے اور رزق کا اطلاق عام ہے دنیویہ و برزخیہ کو یا برزخیہ پر اسکا اطلاق مجازی ہے۔ اگر مجازی ہے تو حقیقی معنے سے قرینہ صارفہ کونسا ہے اور حقیقی معنے متروک کیوں؟

کیا ہی اچھا ہوتا کہ مشرکوں کا دل خوش ہوتا آپ سے بھی وہابیت کا فتویٰ ٹل جاتا کہ آپ جیسے جسدِ عنصری سمع و بصر عنصری کے قائل ہیں ایسے ہی رزق عنصری کے بھی قائل ہو جاتے تو بنا دئی عاشقانِ رسول مشرکین زمانہ جناب کے مزار پر جیسے ہدیۂ صلوٰۃ و سلام پیش کرتے ہیں کوئی پھل فروٹ بھی حضرت کی مزار پر بطورِ نذرانہ پیش کرتے تھوڑی دیر اٹھا کر خود ہی کھا لیتے کہ اسمیں سے حضور پاک نے تناول فرما لیا ہے اب ہم آپ کا بچا ہوا تبرک اٹھا کر کھا لیں۔ ایسے فتویٰ سے مشرکین زمانہ حاضرہ آپ کو دعائیں دیں گے۔ کیا خبر کہ جیسے اس عرصہ سے پہلے آپ صراط سوی پر تھے پھر ہٹ کر

تو قابلِ زوال نہیں (جیسے پہلے محقق ہوچکا ہے) پس حیاتِ نبی بھی قابلِ زوال نہیں یعنی نبی کی روح نبی کے بدنِ عنصری سے ایک آن کیلئے بھی جدا نہیں ہوسکتی کیونکہ اگر اُن کے عنصری بدن سے روح منفک ہوجائے یعنی موت آجائے تو معلول یعنی حیاتِ نبی نہ رہا کیونکہ موت وحیات باہمی متقابل ہیں۔ خواہ ان کا باہمی تقابل، تقابل عدم ملکہ کا ہو یا تقابل تضاد ہو۔ یا تقابل ایجاب وسلب کا ہو) بہر حال موت ہوگی تو حیات نہ ہوگی۔ اور جب حیات ہوگی تو موت نہ ہوگی معلول کا انتفاء مستلزم ہے انتفاءِ علت کو۔ ورنہ علۃ علۃ ہی کیسے ہے جس کے وجود پر معلول ہی موجود نہیں ہورہا۔ اب قرین قیاس یہی ہے کہ اگر یہ لفظ سچ مچ حضور کا فرمان ہے تو حضرت مولانا نانوتویؒ کا فرمان بھی صحیح اور سولہ آنے صحیح ہوگا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ارواح کا اخراج نہیں ہوتا پھر صاحبِ تسکین کو اپنے سابقہ عقیدہ پر جو سلف صالحین بلکہ جمیع مسلمین کا ہے نظرثانی کرنی چاہیئے جو کہتے ہیں" موت کے طاری ہونے پر ایمان لانا ضروری ہے اور یہ ماننا بھی لازم ہے کہ موت سے روح کا تعلق جسم سے منقطع ہوجاتا ہے (صلا) اور قرآن وحدیث کے نصوص واشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کے وقت روح نکالی جاتی ہے آسمانوں کیطرف لیجائی جاتی ہے پھر اپنے مقرر جگہ پر رکھی جاتی ہے (صلا) تمام مسلمان اس نظریہ کے حامل ہیں کہ آنحضرت صلعم کی وفات ہوئی ہے اور وفات کا لفظ آپکے حق میں بولنا بالکل درست اور صحیح ہے (صلا) جمہور علماء اسلام موت کا معنے انفکاک الروح عن البدن ہی کرتے ہیں (صلا)

اور صاحبِ تسکین کو چاہیئے کہ جمہور علما کا قول ترک کرکے بعض علماء ملت کی تقلید فرمائیں جیسے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند بھی ہیں کیونکہ جمہور کا قول تسلیم کرنے سے لازم آتا ہے کہ وفاتِ نبیؐ کے وقت سے دفن کے بعد تک آپ سے خاکم بدہن والعیاذ باللہ منصبِ نبوت چھین لیا گیا (بر قولِ شما) کیونکہ نبیؐ کی دائمی صفت ہے حیّ۔ جب آپ حیّ نہیں ہونگے تو نبی بھی نہیں ہوں گے جب آپ نبی ہیں تو حی بھی ہیں (صدقِ مقدم صدقِ تالی کی منتج ہے اور کذبِ تالی کذبِ مقدم کی منتج) اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں تو حیٌّ یُرزَقُ بھی ہیں اور ظاہر ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی تو ہیں پس حی یرزق بھی ہیں۔ لیکن تین روز بعد از نزعِ روح من جسد النبی العنصری تا عقب دفنہ جمہور علماء کا نظریہ ہے کہ آنحضرت صلعم کی وفات ہوئی یعنی آپ کی روح پر فتوح آپ کے جسدِ اطہر سے جدا رہی (ملأ اعلیٰ میں چلی گئی۔ گویا روحانی معراج ہوئی) تو چونکہ کذبِ تالی

کا نتیجہ کذب مقدم ہوتا ہے اس کلیہ کے تحت ان تین دنوں میں آپ سے نبوت والعیاذ باللہ سلب ہو لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔
لیکن ہم مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ آپ سے ایک آن کیلئے بھی نبوت سلب نہیں آپ کو جب سے نبوت عطا ہوئی ہے ہر وقت نبی ہیں۔ اور حسب تقریر بالا نبیؐ سے سلب نبوت کا نتیجہ نکلتا ہے۔

اب سوچنا یہ ہے کہ خرابی کہاں سے آئی یا تو کہو کہ جمہور غلط کہتے ہیں کہ موت کے معنے ہیں روح کا بدن سے جدا ہونا یا کہو کہ علماء کا قاعدہ غلط ہے کہ مبدا اشتقاق کا علت حکم ہوتا ہے یا کہو کہ یہ قاعدہ غلط ہے کہ کذب تالی کا نتیجہ کذب مقدم ہوتا ہے، یا کہو کہ یہ قاعدہ غلط ہے کہ انتفاء معلول مستلزم ہے انتفاء علت کو ــــــ اگر جمہور کا قول بھی درست مانیں اور علماء کے کلیات بھی صحیح مانیں تو پھر کونسا ایسا مانع ہے جس کی وجہ سے نتیجہ صحیح نہیں دست یاب ہوتا۔

ان تمام امور میں سے ہمیں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ نتیجہ غلط نکلنے کا باعث صرف یہی حدیث کے اخیر میں الحاق فقرہ ہے "فنبی اللہ حی یرزق" ہو نہو یہی غلط ہے جس سے اتنی بڑی عقیدہ حقہ کی بنیاد متزلزل ہو رہی ہے یعنی نبی ہمیشہ ہمیشہ کیلئے وصف نبوت کے ساتھ متصف ہونے کے بعد اسی وصف کے ساتھ متصف رہتا ہے اور اس وصف کا نبی سے زوال محال ہے (قضیہ ضروریہ مطلقہ)

اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ تین روز جب تک نبی اکرم صلعم کو دفن نہیں کیا گیا تھا اذانیں اقامتیں ہوتی رہیں نمازوں میں التحیات پڑھا جاتا تھا کسی نے یہ الفاظ نہیں بدلے اشہد ان محمدا رسول اللہ پڑھتے رہتے اور اشہد ان محمدا عبدہ ورسولہ، کو تبدیل نہیں کیا وجہ یہی ہے کہ موت نبی سے وصف نبوت زائل نہیں ہوتی۔ وقد مر تحقیقہ،
اب یہ فرمایئے کہ یہ عقیدہ بنیادی جو ہے اس کی بنیاد اکھیڑنے والی عبارت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات معصوم سے صادر ہو سکتی ہے؟

جب ایسی مخرب عقیدہ عبارت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سرزد ہونا محال ہے تو آپ ہی کے بیان کردہ قاعدہ ۱۸۱ کے مطابق یہ حدیث کا فقرہ خطا ہوا بلکہ مدرج راوی ہوا کیونکہ ادراج راوی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اس قول کا آنحضرت صلعم سے ثابت ہونا محال ہو۔ اب سمجھ آئی؟ کہ نبی اللہ حی یرزق بعد کے غیر مجتہد راویوں کا الحاق فقرہ ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ

دوسرا رستہ اختیار کیا ہے شاید سیڑھی بسیڑھی اترتے اترتے نوبت یہاں تک بھی پہنچ جائے مگر ہم تو صاحب تسکین کے حق میں تہ دل سے دعا کرتے ہیں کہ خدایا ان کو واپس راہِ راست پر لے آ۔ ان کے دل سے دوستوں اور مال کی ناجائز محبت نکال کر اپنی محبت مرکوز فرما اور ہمیں اس راہ پر رہنے میں مستحکم فرما قرآن و سنت کا متبع بنا۔ اور شرک و بدعت اور کفر اور ہر اُس چیز سے بچا جو اُن کی طرف مُفضی ہو۔

اثباتِ حیاتِ عنصریہ میں دھوکا اور اس کا منشا

مثبتین حیاتِ عنصریہ کو اصل دھوکا اس بات سے لگا ہے کہ احادیثِ کثیرہ صحیحہ سے یہ بات محقق ہو چکی ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجساد عنصریہ بھی صحیح و سالم بلا تغیر و تبدل محفوظ رہتے ہیں

معتزلہ یا شیعہ فرقہ کا کوئی عالم یہ کہتا تو اُس کی زبان سے یہ بات سج جاتی۔ مگر بہت ہی تعجب آتا ہے اہلِ سنت و الجماعت کے علماء پر جن کے نزدیک حیاۃ کیلئے ڈھانچہ برحال رہنا شرط ہی نہیں مع ہٰذا ڈھانچہ کی سلامتی کو بحیات عنصری زندگی کی دلیل بنالیا۔ بلکہ اہلِ سنت کی طرف سے اس حدیث کو بطور دلیل کرنے سے مستدل کا اعتزال متر شح ہوتا ہے۔ بلکہ شہداء کے عنصری اجساد کی سلامتی کے متعلق بھی بتصریح کہا کہ جسم عنصری کے ساتھ حیاتِ شہداء کی یہ ایک بیّن اور واضح دلیل ہے۔

(تسکین ۹۰)

مولٰنا معتزلی ہیں

صاحبِ تسکین نے یہ بات اسی لئے تو کہی ہے کہ ڈھانچہ کی سلامتی شرطِ حیات ہے یہی مذہب ہے معتزلہ کا ۔

اثبتوا البنیة شرطاً فی قیام المعانی التی یشترط فی ثبوتها الحیاة (الملل والنحل ص۴)

بخلاف اس کے اہلِ حق کا مسلک ہے کہ انبیاء ہوں یا شہداء صلحاء ہوں یا اولیاء سب کی ارواح کو اللہ تعالیٰ اجسام نورانیہ عطا فرماتا ہے جن کے ذریعے وہ کھاتے پیتے خوشیاں مناتے دوستوں سے ملتے باتیں کرتے انکی سنتے اپنی سناتے اور جنت کی سیر کرتے ہیں۔ پھر اگر اللہ پاک چاہے تو اہلِ دنیا کا کوئی حال ان پر منکشف فرمادے، اہلِ دنیا کی بات انکو سنا دے یا ان کو مطلع

فرما دے جیسے اہلِ برزخ کا کوئی حال اللہ چاہے تو اہلِ دنیا پر منکشف فرما دیتے ہیں اور اہلِ برزخ کی کوئی بات اللہ چاہتے ہیں تو اہلِ دنیا کو سُنا دیتے ہیں یا مطلع فرما دیتے ہیں یہ بات ذاتِ ایزدی کی مشیئت پر موقوف ہے یفعل اللہ ما یشاء۔

کیسے سیدھا سادا مسلک ہے۔ مگر عوام بیچاروں کو نامعلوم کیوں بھنور میں ڈالا جا رہا ہے۔ ذرا غور رکھو دھندا ہے اور نبی اکرم صلعم سے صحابہ کرامؓ کا جو سوال تھا اس سے وہ مُراد لینا جو صاحب تسکین نے ص۱۴۳ میں بیان کیا ہے صحابہ کرامؓ پر اعتزال کا بہتان باندھنا ہے پھر اس بہتان میں صرف صحابہ کرام کو اکیلا نہیں رکھا گیا ہے پھر اسمیں خاکم بدہن نبی پاکؐ کو بھی شریک کیا گیا ہے کہ وہ بھی نعوذ باللہ بنیہ کی بقاء کو حیات کی شرط سمجھتے تھے جبھی ایسا جواب دیا والنبی والذین معہ براء منہ

اصل حقیقت

درحقیقت بات یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے لفظ **وَقَدْ اَرِمْتَ** کو ردّ فرمایا کہ یہ غلط ہے کہ انبیاء کرام مٹی میں مٹی ہو جائیں اللہ تعالیٰ کے ہاں انبیاء کرامؑ کے اجساد عنصریہ کا بھی احترام ہے وہ محفوظ رہتے ہیں مٹی میں رہیں یا کسی کے پیٹ میں۔ جیسے حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں کتنے روز رہے محفوظ رہے اس کے بعد خدا پاک فرماتے ہیں فَلَوْلَا اَنَّہٗ کَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِہٖ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۝

دعن قتادۃ لکان بطن الحوت قبرالہ وظاھرہ انہ ارید اللبث حیا فی بطنہ الی یوم البعث ولا مانع من بقاء بنیۃ الحوت ... سے ماالعقیر ... الخ (روح ۱۳۲/۲۳)

اسی طرح یہاں نبی پاک صلعم نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَآءِ کہ اللہ پاک نے زمین پر اجسادِ انبیاء کا کھانا حرام فرما دیا ہے

سید نور الحسن شاہ صاحب کی تقریر

سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری مدظلہ العالی نے احمد پور شرقیہ کے قریب احمد آباد میں دورانِ تقریر میں فرمایا تھا کہ سلامتی جسم کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو مصالحے لگا کر رکھا جائے اور یا جسم میں روح ہو (قضیہ شرطیہ منفصلہ حقیقیہ) لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے پہلی صورت تو منتفی ہے اس

لیئے دوسری صورت ہی متعین ہے یعنی آپؐ کے جسد اطہر میں رُوح پاک موجود ہے اس طرح آپ اس جسد عنصری کے ساتھ اپنی قبر اطہر میں زندہ ہیں جیسے دنیا میں آپ اسی جسد عنصری کے ساتھ زندہ تھے

نیلوی کہتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کا یہ دو صورتوں میں سلامتیِ جسم کو منحصر کرنا محل نظر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ بغیر مصالحہ لگانے کے بغیر اس کے کہ جسم میں روح ہو جسم انسانی کو صحیح سلامت رکھے چنانچہ اس مقام پر یہی بات ہے جیسے حضرت عزیر علیہ السلام کا جسم صحیح سلامت روئے زمین پر پڑا رہا۔ حضرت سلیمان ع کا جسم مبارک سال بھر تک صحیح سلامت لاٹھی کے سہارے کھڑا رہا حالانکہ دونوں کے بارے نص قرآنی ہے کہ عزیرؑ کو سو سال تک مردہ رکھا اور حضرت سلیمان ع پر موت کا حکم آیا کسی نے نہ بتایا کہ آپ کے جسم مبارک میں روح نہیں ہے سوائے دیمک کے

اور نبی پاک ؐ نے ان اللہ حرم علی الارض .... فرما کر یہی سمجھایا کہ اللہ اپنی قدرت سے انبیاءؑ کے اجساد کو محفوظ رکھتا ہے اس میں نہ تو مصالحوں کو کوئی دخل ہے اور نہ ہی جسم میں روح کے داخل ہونے کو۔

ایک اہم سوال کہ حضورؐ نے صحابۂ کرامؓ کے اصل سوال کا جواب نہیں دیا

اب رہا مسئلہ عرض صلوٰۃ وسلام کا سوال کا جواب آپ نے کسی مصلحت سے مرحمت نہیں فرمایا۔ اس کے کئی نظائر ہیں۔ مثلاً انسؓ فرماتے ہیں مسجد قبا میں ایک انصاری امام ہر سورۃ کے شروع میں سورۂ اخلاص پڑھتا تھا تو مقتدیوں نے منع کیا کہ یا صرف سورۂ اخلاص پڑھو یا صرف دوسری سورۃ پڑھو اس نے کہا کہ میں اس سورت کو نہیں چھوڑونگا چاہے مجھے امام رکھو چاہے نہ رکھو میں امامت چھوڑ دونگا۔ مگر مقتدی اس کو سب سے افضل سمجھتے تھے یہ نہیں چاہتے تھے کسی اور کو امام بنانا۔ حضورؐ سے بات ہوئی تو پوچھا کہ امام جی! جیسے مقتدی کہتے ہیں ایسے کیوں نہیں تو مانتا۔ اور تیرا سورۂ اخلاص کو اس قدر اہمیت دینا کیوں ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ مجھے اس سورت سے بہت پیار ہے حضرت صلعم نے جواب دیا تیرا اس سورت کے ساتھ پیار تجھے جنت میں لے جائے گا (بخاری)[۱۰۶]

آپ نے اسکا جواب نہیں دیا جس میں مقتدیوں کے ساتھ تنازع تھا کہ فرضوں کی دونوں رکعتیں میں سورۂ اخلاص بھی متعین کرکے پڑھنا نماز کیلئے کراہت کا باعث ہے یا نہ؟ یا جواب دیا ہوگا مگر راوی نے نقل نہیں کیا یا کسی مصلحت کیوجہ سے اس وقت

جواب نہیں دیا آپ نے صرف امام جی کے اِنِّیْ اُحِبُّھَا کا جواب دیا۔ کراہت یا اباحت تکرار سورۂ واحدہ کا جواب نہیں دیا۔ ممکن ہے کہ مسئلہ صحابہ کو پہلے چونکہ معلوم ہے اس لئے السکوت فی معرض البیان بیانٌ حضورؐ کا سکوت بیان اصل مرکا کر مسئلہ دیا ہے مگر یہ امام جی فناء فی السورۃ ہونے کی وجہ سے معذور ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی صحابہ کے قول اُرِمْتَ کا جواب دیا کہ اسکا جواب دینا اہم تھا بہ نسبت جواب عرضِ صلوٰۃ کے۔

رہا مسئلہ عرضِ صلوٰۃ وسلام سو اس کو صحابہ کرام رض کے تامل پر چھوڑ دیا کہ اب حیات دنیوی (فی عالم الدنیا) میں بھی تو آخر عرضِ صلوٰۃ وسلام ہوتا ہی ہے حالانکہ ہر ایک نمازی کا صلوٰۃ وسلام اپنے کانوں سے نہیں سنتے۔ بلکہ یہی صورت ہے عرضِ صلوٰۃ وسلام کی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں میرے حق میں ہر مومن کی دعا، قبول ہو جاتی ہے پھر وفات کے بعد بھی عرضِ صلوٰۃ وسلام کی یہی صورت ہوگی۔ اس میں نہ کوئی اشکال ہے نہ سوال کی ضرورت:

قاعدہ مہمہ

اہم مسئلہ کا جواب دینا مقدم ہوتا ہے جیسے صحابہ پوچھتے ہیں اللہ کی راہ میں کیا کچھ ہم خرچ کریں؟ اللہ تعالیٰ نے اسکا جواب نہیں دیا بلکہ مصرف بتادیئے کہ مصرف کا تلاش کرنا پہلے اہم ہے یسئلونک ماذا ینفقون قل ما انفقتم من خیر فللوالدین الآیۃ (وانظر تفصیلہ فی علم المعانی لمختصر المعانی والمطول (نوٹ ہمارے حضرت جی کی تحقیق اس مقام پر نادر ہے)

تتمیم للفائدہ اس مسئلہ کی ایک اور نظیر دیکھئے۔ مشکل الآثار للامام الطحاوی ص ۳۵۱ ج ۲ میں ہے کہ حضرت ابن عباس رض فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلعم فجر کی سنتیں پڑھ کر سجدہ کی حالت میں یا بیٹھے بیٹھے سو گئے حتی کہ خراٹے لینے لگے پھر فرض نماز پڑھنے کیلئے اٹھ کھڑے ہوگئے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ آپ تو سو گئے تھے (سونے سے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے) اور آپ نے وضوء نہیں فرمایا آپ نے جواب دیا کہ جو شخص کروٹ کے بل سو جائے تب اسکا وضو ٹوٹتا ہے کیونکہ اُس کے جوڑ ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔ اس جواب میں حضرت صلعم نے ابن عباس رض کو وہ مسئلہ سمجھایا جو اہم تھا اور یہ نہ بتایا کہ میرا وضو نہیں ٹوٹتا۔ امام محمد رحمہ نے کتاب الآثار ص ۲۱ میں لکھا ہے باب النوم قبل الصلوٰۃ وانتقاض الوضوء منہ (نماز سے پہلے سو جانے اور سونے سے وضو ٹوٹ جانے کا بیان) محمد قال اخبرنا ابوحنیفۃ رح عن حماد عن ابراہیم قال توضا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخرج الی المسجد فوجد المؤذن قد اذن فوضع جنبہ فنام حتی عرف منہ النوم وکانت لہ نوفۃ تعرف، کان

ینفخ اذا نام ثم قام فصلی بغیر وضوء قال ابراہیم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس کغیرہ؛ قال محمد وبقول ابراہیم ناخذ؛ بلغنا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان عینی تنامان ولا ینام قلبی؛ فالنبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ہذا لیس کغیرہ؛ فاما من سواہ فمن وضع جنبہ فنام فقد وجب علیہ الوضوء؛ وہو قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ انتہی

ہو سنئے حضرت ام ہانی حضورؐ کے پاس بیٹھی تھیں کوئی پینے کی چیز حضورؐ کے پیش ہوئی حضورؐ نے خود بھی پیا اور ام ہانی کو بھی پلایا پھر فرماتی ہیں حضورؐ! میں گناہ کر بیٹھی ہوں میرا تو روزہ تھا میرے حق میں استغفار فرمائیں آپ نے پوچھا قضائی تھا؟ کہا نہ! فرمایا پھر کوئی مضر نہیں! قضا کا حکم نہیں بتایا

نیز حضرت کا یہ فرمان ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء بذریعۂ دلالۃ النص حضرت کی حیات برزخیہ پر دال ہے کیونکہ جن مومنین کے اجسادِ عنصریہ کو مٹی کھا جاتی ہے ان تک بھی اہلِ دنیا کی عبادات کا ثواب پہنچتا ہے بسبب حیات برزخیہ ان کی کے۔ اب انبیاء علیہم السلام جن کی حیات کامل درجہ کی ہے اور کمال اس حد تک پہنچا ہے کہ ان کی حیات کے آثار اُن کے اجسادِ عنصریہ پر بھی نمایاں ہیں کہ جیسے زندوں کے اجسادِ عنصریہ کو مٹی نہیں کھاتی، ایسے ہی انبیاء کے اجسادِ عنصریہ بھی زمین کی خوراک بننے سے محفوظ رہتے ہیں تو اس قدر کامل برزخی حیات والے انبیاء علیہم السلام تک ایصالِ ثوابِ صلوٰۃ وسلام بطریق اولیٰ ہوگا یہی مطلب ہے عینی اور محمد بشیر الدین قنوجی وغیرہ احناف شراح کا جو اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ کو حیاتِ انبیاء کی دلیل بناتے ہیں۔ اور دوسرا مفہوم تو اعتزال کی طرف مفضی ہے فافہم وتفکر وتدبر ولا تعجل

شبہ نمبر ۶ القول المتین فی حدیث ان للہ ملئکۃ سیاحین

صاحب تسکین نے اِنَّ لِلّٰہِ مَلٰئِکَۃً سَیَّاحِیْنَ فِی الْاَرْضِ یُبَلِّغُوْنِیْ مِنْ اُمَّتِی السَّلَامَ کی تصحیح پر زور لگایا اس کے رُواۃ پر بحث کی جن میں سے ایک راوی کا نام ہے زاذان۔ ص۳۱ و ص۱۸۱ دونوں جگہ زاذان کی ثقاہت بیان کی مذکورہ بالا حدیث کی تصحیح کیلئے ص۱۸۱ میں اور ردّ روح والی حدیث کی تصحیح کیلئے ص۳۱ میں۔ اور دونوں جگہ تہذیب التہذیب کا حوالہ دیا۔ حوالہ سر آنکھوں پر۔ واقعی جناب نے جو الفاظ یہاں درج فرمائے ہیں وہ وہاں موجود ہیں مگر جناب! اُس مخنث نما جاٹ کی سی بات تو نہ کریں جس نے کہا تھا قرآن پاک میں لکھا ہے لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ (نماز کے نزدیک بھی نہ پھٹکو) کسی نے کہا بھائی آگے بھی پڑھو کہنے لگا پہلے اس پر عمل کر لوں پھر دیکھی جائیگی

دیکھئے جہاں سے آپ نے حوالہ نقل فرمایا ہے وہیں اسی سطر میں یہ لفظ بھی لکھا ہوا ہے کَانَ یُخْطِئُ کَثِیْرًا وہ جناب نے کس مصلحت کی بنا پر حذف کر دیا۔ یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ اس لفظ کے لکھ دینے سے پول کھل جائیگا کیونکہ صحت حدیث کیلئے ہر راوی کا حافظ ضابط متقن ہونا شرط ہے اگر میں یہ لفظ لکھ دوں گا کہ یہ راوی بہت خطائیں کھاتا تھا تو ہر فہیم سمجھ لیگا کہ حدیث تو صحیح بن نہیں سکتی تو دلیل میں پیش کیوں کی جارہی ہے زاذان کی بابت دو چار باتیں اور بھی سن لیجئے قال شعبۃ قلتُ للحکم لِمَ لَمْ تَحْمِلْ عَنْ زَاذَانَ؟ قال کان کثیر الکلام اور مشہور ہے مَنْ کَثُرَ کَلَا

کذ لفظہٗ قال شعبة سألت سلمة بن کھیل عنه فقال ابوالبختری اعجب الیّ منه (میزان الاعتدال ص۶۳،

اب ابوالبختری کون تھا؟ اس کا حال بھی سُن لیجئے ابوالبختری (وھب بن وھب بن کثیر بن عبد الله بن زمعة بن الاسود) کان جواداً ممدحاً لکنه متهم فی الحدیث قال یحیی بن معین کان یکذب عدو الله وقال عثمان بن ابی شیبة اری انه یبعث یوم القیمة دجّالاً..... وقال احمد کان یضع الحدیث وضعاً فیما نری و قال البخاری سکتوا عنه (میزان الاعتدال ص۲۵۳)

جب ابوالبختری کا یہ حال ہے تو زاذان تو اس سے بھی بُرا ہُوا۔ جب ابوالبختری واضع الحدیث، الله کا دشمن، جھوٹا، اور دجال تھا تو زاذان کے متعلق سلمہ بن کہیل کیا کہیں گے جو کہتے ہیں ابوالبختری بہ نسبت زاذان کے مجھے اچھا لگتا ہے

اور سُنئے! اسی صفحہ تہذیب التہذیب میں یہ بھی لکھا ہُوا ہے قال الحاکم ابواحمد لیس بالمتین عندھم محدثین کے ہاں زاذان کوئی بند پختہ نہیں۔ تقریب میں لکھا لین الحدیث (حدیث میں نرم ہے) وفیه شیعیة

شعبہ، حکم، سلمہ، ابواحمد، ابن حجر کا فتویٰ آپ نے سُن لیا کہ زاذان کو کیا کچھ سمجھتے ہیں۔

ثقاہتِ رُواۃ

اب رہا یہ امر کہ جنہوں نے زاذان کو ثقہ لکھا ہے ان کا قول مرجوح ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک ثقہ کا لفظ تین معنوں میں مشترک ہے ۱ مطلق عادل ۲ عادل ضابط ۳ وہ شخص جس کی کسی نے نہ جرح کی ہو نہ تعدیل چنانچہ سہسوانی نے فرمایا "ثقةٌ" یدل علی ان حدیثه بالانفراد لائق للاحتجاج ولکن لانص فیه فان "ثقة" یطلق علی معانٍ ۱ العدل المطلق ۲ العدل الضابط ۳ رجل لم یرد فی حقه جرح وتعدیل (صیانة ص۵۳، توابع الجرح والتعدیل کا صرف ثقہ کہہ دینا اس بات کی قطعی دلیل نہیں کہ اس کی حدیث قابلِ احتجاج ہے لا یصل کل ما تفرد به الثقة الی درجة الثقة (صیانة ص۶۳) قال الذهبی رح قد یکون الراوی ثقة صدوقاً ولکنه لایساوی نواة فی الحدیث (میزان الاعتدال ص۲۰۹) قد یکون الراوی ثقة ولکن یروی احادیث مناکیر (ص۲۴۲، ۲۴۶ تذکرة الموضوعات لمحمد بن طاہر الفتنی) وقد یکون الراوی ثقة خاطئاً (ص۱۳ تذکرة الموضوعات)

اور صحت حدیث کیلئے جیسے راوی کی عدالت شرط ہے اسی طرح راوی کا ضابط اور متقن ہونا بھی شرط ہے ملاحظہ ہو ابن حجر فرماتے ہیں وخبر الآحاد بنقل عدلٍ تامّ الضبط متّصل السند غیر معلّل ولا شاذ ھو الصحیح لذاتہ (نخبۃ الفکر ص) قال فی الصیانۃ ص۳۵ حدیث المطلق المبہم لا یصح الاحتجاج بہ حتیٰ یکون ضابطاً وقال فی ص۳۴ لا یحتج بہ لغفلتہ ولسوء الحفظ الذی یہم کثیراً یعنی جس حدیث کا راوی بدحافظہ ہو کثیر الوہم ہو وہ حجت نہیں ہو سکتی

اب اس معیار پر ان حدیثوں کو پرکھئے جن میں زاذان راوی ہے ایک حدیث یعاد روحہ فی جسدہ والی اور دوسری ان للہ ملائکۃ سیاحین والی۔ زاذان کے متعلق صاحب تسکین تہذیب التہذیب سے ثقاہت نقل فرماتے ہیں مگر خدا معلوم اسی صفحہ اسی سطر میں ثقہ کے ساتھ یہ لفظ بھی درج ہے "کان یخطئ کثیراً" یہ الفاظ صاحب تسکین نے کیوں درج نہیں فرمائے معلوم ہوتا ہے کہ دال میں کچھ کالا کالا ہے افسوس اگر یہ لفظ درج فرما دیتے تو غلط فہمی دور ہو جاتی لوگوں کو اصلیت معلوم ہو جاتی۔

نتیجہ

پس اسی راوی کا کثیر الخطا ہونا اس کے ثقہ ہونے کے منافی نہیں ہے اور نہ ہی ثقہ ہونا کثیر الخطا ہونے کے منافی ہے تو سب ہستیاں سچ فرماتی ہیں ان کے قول باہم متعارض نہیں اب اس بات کو ہم مثال دے کر سمجھاتے ہیں۔ سنئے!

مثال

مثلاً ابن عباسؓ کے خصوصی شاگرد طاؤسؒ ہیں ان کے متعلق خود حضرت ابن عباس فرماتے ہیں انی لأظنّ طاؤساً من اہل الجنۃ (تذکرۃ الحفاظ ص۹۰ وتہذیب التہذیب ص۹) پچاس صحابہؓ کو انہوں نے پایا اور انکی شاگردی سے مشرف ہوئے۔ صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں بڑے عالم فاضل اور نیک ہیں مستجاب الدعوۃ ہیں

لیکن کثیر الخطأ تھے اور منکرات کے راوی۔ کان طاؤس کثیر الخطأ مع جلالتہ وفضلہ وصلاحہ یروی اشیاء منکرۃ (احکام القرآن للجصاص ص) اور یہ مدلس بھی تھے ذکرہ الکرابیسی فی المدلسین وقال اخذ کثیراً من علم ابن عباسؓ ثم کان بعد ذلک یرسل عن ابن عباسؓ وروی عن عائشۃؓ فقال ابن معین لا اراہ سمع

منہا وقال ابوداؤد لا اعلمہ سمع منہا (طبقات المدلسین ص۵) ولکن قال الذہبی سمع زید بن ثابت وعائشۃ وابا ہریرۃ (تذکرۃ الحفاظ ص۳)

اسی طرح سفیان بن عیینہ مرکزی راوی ہیں ثقہ ہیں اخیر میں حافظہ متغیر ہوگیا تھا (کثیر الخطأ سیئ الحفظ احکام القرآن للجصاص ص۱۲۵) فقیہ بھی نہیں تھے (مشکل الآثار للطحاوی ص۳) ابن عیینۃ لم یکن معہ من الفقہ

اسی طرح کئی ثقہ اور مرکزی راوی ہیں جن کا بکثرت ذکر شیخین نے بھی کیا ہے ان کا یہ حال ہے زاذان بیچارے کو کون پوچھے جس کا نام ہی ساری صحیح مسلم میں ایک دو دفعہ آیا ہے (ص۳)

الحاصل

الحاصل زاذان کی غرابت سے حدیثوں کی صحت پر استدلال کرنا تساہل ہے یا تجاہل اسی طرح اس سے احتجاج کیونکہ قاعدہ تو یہ ہے کہ سیئ الحفظ کثیر الوہم کے تفرد سے احتجاج نہیں ہوتا لا یحتج بحدیث انفرد فیہ سیئ الحفظ الذی یہم کثیرا (ص۲۰۲)

پیر طریقت حضرت مولانا حسین علی قدس سرہ کا بیان

ہماری نہیں مانتے بیشک نہ مانئے مگر اپنے پیرومرشد کی تو مانئے یا ان کو بھی کورا کورا جواب دوگے؟ آئیے اپنے شیخ رحمہ اللہ کی خود نوشت تفسیر بلغۃ الحیران ص۵۵ پڑھئے لکھتے ہیں

"درود شریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حیات میں پیش ہوتا تھا ... یعنی جس وقت اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوتا تھا پہنچا دیتا تھا۔ دوسری حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ وفات کے بعد بھی جس وقت اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہو پہنچا دیتا ہے۔ نسائی شریف ص۲ میں ہے عن زاذان عن عبد اللہ قال رسول اللہ صلعم ان للہ ملٰئکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام۔ فی التقریب زاذان لین الحدیث فیہ شیعیۃ اس حدیث کا بھی یہی معنے ہوگا جس وقت اللہ تعالیٰ چاہتا ہے پہنچا دیتا ہے حیات میں بھی اور حیات کے بعد بھی۔ ... احادیث تبلیغ صلوۃ وسلام کی

ضعیف حدیث کی ہی تاویل کی ہے

(حاشیہ: [illegible])

بخاری اور مسلم نے روایت نہیں کی۔ بعض کہتے ہیں پہنچنے کا یہ معنے ہے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ چاہتا تھا حیات میں پہنچا دیتا تھا اور بعد وفات کے جس وقت چاہے پہنچا دیتا ہے تبلیغ الصلوٰۃ علیہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس مقیدا بالممات کان یبلغ فی الحیاۃ اذا شاء اللہ ان یبلغہ صلوۃ احد فکذلک بعد الممات فاندفع شبہۃ ان النبی علیہ السلام ما کان یعرف کل من اٰمن فی حیاتہ بل کان لا یعلم نفاق بعض من ھم عندہ فی المدینۃ فان الصلوٰۃ تبلیغہ لیس الا بمشیتہ تعالیٰ اذا شاء بلغہ ولیس التبلیغ کل حین حتی فی وقت الغشی علیہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مرضہ" حجۃ اللہ البالغہ فی باب الاذکار میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من احد یسلم علیّ الا ردّ اللہ علیّ روحی حتی اردّ علیہ السلام کنایہ ہے اس امر سے کہ حضرت صلعم کے حق میں دعا مقبول ہے۔ دعا کرنے والے' درود پڑھنے والے کو ثواب اور فیض پہنچتا ہے۔ نسائی صـ ۱۹۱ سطر ۲۰ قولوا السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین فانکم اذا قلتم ذلک اصابت کل عبد صالح فی السماء والارض۔ سلام پہنچنے کا معنے یہ ہے کہ سب کے حق میں دعا ہو گئی یہ حدیث بخاری مسلم میں بھی ہے باب تشہد میں۔ شاہ ولی اللہ وغیرہ کا یہ خیال ہے۔ درود شریف پہنچنے کا یہ معنے ہے رسول اللہ صلعم کے حق میں دعا ہو گئی وہ بحمد اللہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے درود شریف پڑھنے والے کو ثواب اور فیض پہنچتا ہے۔ بعض راویوں نے بلغنی کا یہ معنے کیا ہے کہ میرے پاس خبر درود شریف پڑھنے کی پہنچائی جاتی ہے۔ راوی نے روایت بالمعنے کر کے کہا "فرشتے پہنچاتے ہیں" کسی نے کہا "یعرض علیّ" اور بعض علماء کا خیال یہ ہے پہنچانے کا یہ معنے ہے فرشتے پہنچاتے ہیں حیات میں بھی اور بعد وفات کے بھی لیکن مطلب ہے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ چاہے پہنچا دیتا ہے۔ جلال الدین سیوطی نے اپنے رسالہ میں تیرہ اقوال لکھے ہیں یعنی تیرہ مذاہب لکھے ہیں واللہ اعلم بالصواب۔

دیکھ لیا آپ کے پیر و مرشد نے حدیث کی زاذان کی وجہ سے تضعیف بھی کر دی اور صحیح توجیہ بھی بیان فرما دی۔ مگر آپ کو پیر و مرشد کا پاس اور لحاظ نہیں آپ حدیث کو صحیح بھی کہتے ہیں اور مطلب بھی وہ بیان کرتے ہیں جو پیر و مرشد کو پسند نہیں۔

اب اکابر کا مخالف کون ہے ؟ اسکا جواب منصف ناظرین سے پوچھیں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے ۔

اسی زاذان نے عود رُوح والی حدیث بیان کی ہے ۔ ویسے تو نامعلوم ہم کیا کچھ کہتے رہتے آپ کی بیان کردہ ذہنی سے مرعوب ہوجاتے مگر حضرت صاحبؒ اور ابن حجرؒ کے اس لفظ "فیہ شیعۃ" میں اور کچھ نظر آرہا ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ زاذان نے اپنے شیعہ مذہب کا پرچار کیا ہے کیونکہ شیعہ جسد عنصری کے نصف حصہ میں (حقوۃ تک) اعادہ رُوح کے قائل ہیں ۔
چنانچہ بہاؤالدین آملی شیعی نے حدیث لکھی ہے کافی میں سے عن ابی عبداللہ علیہ السلام فی حدیث طویل فیدخل عقبہ فی قبرہ ملکا القبر منکر ونکیر فیلقیان فیہ الروح الی حقوۃ الحدیث (ص ۲۵۲ تحفہ اثنا عشریہ) اور شیعہ کی ایسی روایت کیسے مقبول ہو سکتی ہے بخبہ الفکر میں ہے ۔ ان روی مایقوی بدعتہ فیرد علی المذھب المختار وبہ صرح الحافظ ابواسحٰق ابراھیم بن یعقوب الجوزجانی شیخ ابی داؤد والنسائی :
اسی حد تک بات رہتی تو خیر تھی مگر افسوس ہے کہ اپنے دعوٰے (اسی عنصری جسد میں روح کا دفن کے بعد قبر کے اندر پڑنا) کی تائید حضرت صاحبؒ کی تحریرات حدیث ص ۲۵۶ میں سے نکال دکھائی
"سو جائز ہے کہ قبر میں سوال و عذاب اور راحت مومن اور کافر کے بعض جسم سے وابستہ اور متعلق ہو نہ سب اجزا سے" (تسکین ص ۱۹۳)
کوئی اُن سے پوچھے کہ ان الفاظ سے آپکا مطلب کس طرح حل ہو گیا آپ کا دعوٰے تو تھا جسدِ عنصری میں روح کا دخول بعد الدفن اور حضرت صاحبؒ کی عبارت سے یہ مراد دکھائیں آگے کے صفحوں کی مکمل عبارت پر آپکی نظر پڑ گئی اور اس سے چند اوراق پہلے کی عبارت پڑھتے پڑھتے بھول آنے یا تجاہل یا تساہل کر گئے یا مکمل کتاب کا مطالعہ ہی نہیں کیا صرف اپنے مطلب کی بات اپنی فہم کے مطابق دیکھ لی اور کتاب بند کر کے رکھ دی محض عوام کو دھوکا دینے کیلئے کہ حضرت صاحبؒ بھی ہمارے ہم نوا ہیں

جناب! حضرت صاحب اس امر میں آپ کے ساتھ ہرگز نہیں وہ فرماتے ہیں کہ عود الی الجسد کا لفظ یا راویوں کا اپنے (اپنی فہم کے مطابق کہہ دیا) یا پھر اس کے یہ معنے ہونگے کہ جسد کے صرف اسی جزو کی طرف رُوح عود کرتی ہے جس کو نفس کہتے ہیں جیسے خازن میں ہے اما العود الی الجسد فھو اما من الرواۃ او المعنی العود الی جزء من الجسد الذی ھو النفس کما قال الخازن کما فی

قوت المغتذی علی جامع الترمذی اس کا یہ مطلب نہیں کہ سارے جسم (عنصری) میں روح واپس کر دی جاتی ہے کیونکہ یہ بات شرعاً و مشاہدۃً غلط ہے۔
اس کے بعد مرقاۃ والے ملا علی قاریؒ کا وہ نظریہ جس پر آپ کو ناز ہے کہ تمام جسد عنصری میں روح داخل کر دی جاتی ہے
حضرت صاحبؒ بیان کر کے ردّ فرماتے ہیں کہ اسکا نہ کوئی صحیح بعیدہ قائل ہوا اور نہ ہی یہ نظریہ کسی شمار میں ہے وما فی المرقاۃ
فلیس بشیٔ ولم یقل به احد ولم یعتد به

اب دیکھا کہ حضرت صاحبؒ کیا فرماتے ہیں اور صاحب تسکین کیا گا رہے ہیں من چہ می سرائم و طنبورہ من چہ می سراید
ہم اس کی تحقیق پہلے لکھ آئے ہیں کہ جن اجزا میں روح ہوتی ہے اور جو اجزا سہتے ہیں کھلتے ہیں پٹتے ہیں بکھرتے ہیں اڑتے ہیں وہ وہی اجزا ہیں جو آدمؑ کی معصوم پشت سے نکالے گئے تھے انہیں کو "نفس ناطقہ" اور "نسمہ" سے تعبیر کی جاتی ہے اور جہاں آتا ہے کہ روح عذاب پاتی ہے تو مطلب یہ کہ اصل مقصد روح ہی کو عذاب دینا ہے اور جہاں روح مع الجسد کے لفظ آتے ہیں تو اس سے مراد جسد مثالی ہے نہ جسد عنصری کما مر تحقیقہٗ فلا نعیدہٗ

پول کھل گیا

ہم نے جو زاذان کے متعلق کہا ہے کہ وہ شیعہ تھا اور اپنے مذہب کا پرچار کرتا تھا اس کا ثبوت آپ ہم سے لیجئے سو ابن ماجہ ص ۶۵ اٹھا کر دیکھیں اس میں اسود بن یزید کی روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب تم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھو تو بہت احسن طریق سے پڑھا کرو فانکم لا تدرون لعل ذالک یعرض علیه اس لئے کہ تمہیں پتہ نہیں شاید وہ تمہارا درود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش ہو جائے

یہ ہیں اصل الفاظ؛ مگر زاذان چونکہ شیعہ تھا اس شیعہ پن کی وجہ سے لعل (شاید) کا لفظ صاف اڑ گیا اور یقین کے الفاظ استعمال کئے۔

محترم سے دوبارہ سوال

تسکین ط ۲ ص ۳۱۷ میں آپ نے وہی بات دہرائی جو تسکین ط ۱ ص ۱۸۳ میں لکھی تھی اور اس

پر نیلوی نے گرفت کی تھی حالانکہ حق یہ تھا کہ نیلوی کی گرفت کا جواب دیا جاتا جیسا کہ انہوں نے بعض گرفتوں کا اپنے زعم میں جواب دیا ہے اگرچہ واقع میں وہ جواب جواب نہیں ہیں محض دفع الوقتی ہے۔ اب اس سوال کا پھر اعادہ کرتا ہوں۔ مولنٰنا نے فرمایا ہے کہ

کلمۂ لِی جو واحد متکلم کی ضمیر ہے ذات پر دلالت کرتا ہے (علمِ نحو کا قاعدہ ہے کہ ضمیر ذات پر دلالت کرتی ہے) اور آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی تو صرف جسدِ اطہر کا نام ہے اور نہ محض روح مبارک کا، بلکہ دونوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ اگر صرف روح مبارک پر صلاۃ وسلام پیش کیا جاتا تو آپ فرما دیتے کہ میری روح پر اس کا عرض ہوتا ہے۔ اور اگر محض بدنِ اطہر پر یہ عرض ہوتا تب بھی آپ صرف بدنِ اطہر کا ذکر فرما دیتے مگر آپ نے تو اپنے ذاتِ اقدس کا تذکرہ فرمایا جو روح وجسم دونوں کے مرکّب کا نام ہے۔ لہٰذا یہ روایت بھی آپ کی حیات کی دلیل ہے

سوال یہ ہے کہ "ضمیر ذات پر دلالت کرتی ہے" اس کے کیا معنے ہیں اگر اس کے یہ معنے ہیں کہ ضمیر ذات کی طرف راجع ہوتی ہے اور محض صفت کی طرف راجع نہیں ہوتی ہے تو یہ بات تبادر کے خلاف اور صریح غلط ہے۔ کافیہ پڑھنے والا طالب علم بھی سوال کر سکتا ہے کہ وہی اسم وفعل و حرف میں ھی ضمیر کلمہ کی طرف راجع ہے جو آواز (صوت) کی قسم ہے اور آواز (صوت) کیفیات میں سے ایک کیفیت ہے اور کیف اعراض تسعہ میں سے ایک عرض ہے اور عرض قسیم ہے جوہر کا یعنی ذات کا۔ یعنی عرض جوہر کا مقابل ہے

اگر کچھ علی سبیل التنزل تسلیم کر لیں کہ ضمیر ہمیشہ ذات ہی پر دلالت کرتی ہے تو ایک سوال ابھرتا ہے کہ حضرت خلیفہ بلافصل امامنا الاعظم ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے جو آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت فرمایا تھا طِبْتَ حَیًّا وَّمَیِّتًا تو یہ کلام بضمیر خطاب (تَ) حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کو تھا جو جسدِ مطہر مع روحہ المقدس کا نام ہے پھر تسکین ط: ص ۲۶۲ میں کیوں فرمایا کہ دفن کے بعد روح جسم میں لوٹائی گئی

پھر صحیح بخاری ج ا ص ۲۱ میں ہے من رآنی فی المنام فقد رآنی (جس نے خواب میں مجھے دیکھ

لی تو یقیناً اس نے مجھے ہی دیکھا ہے" اس میں بھی نِیْ ضمیر واحد متکلم کی ہے تو آپ کے قاعدہ کے مطابق چونکہ ضمیر ذات پر دلالت کرتی ہے اس لئے اس حدیث پاک کے معنے یہ ہوں گے کہ جس نے میری ذات کو خواب میں یعنی میرے جسد اطہر مع الروح الاقدس کو دیکھا تو واقعی اس نے میری ہی ذات کو دیکھا۔

حالانکہ خود محترم نے تسکین الصدور ط ا ص ۱۴۱ میں فرمایا " اگر کسی سے کسی وقت آن کی خواب یا بیداری میں ملاقات ہوتی ہے تو محض ابدانِ مثالی سے ہوتی ہے نہ کہ اجسامِ عنصریہ اور ارواح دونوں کے مجموعہ سے " اس جگہ مولانا محترم نے صاف تسلیم کر لیا ہے کہ نِیْ ضمیر واحد متکلم کی تو ہے مگر اس سے مراد ذات یعنی جسد اطہر مع الروح الاقدس نہیں ہے۔ بلکہ اس ضمیر سے مراد جسم مثالی ہے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ تو اس سے معلوم ہو گیا کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ جہاں ضمیر واقع ہو تو اس سے ذات یعنی جسد عنصری و روح کا مجموعہ ہی مراد ہو۔ پھر جب یہ قاعدہ کلیہ نہ ہوا اور من رآنی والی حدیث میں نِیْ سے صرف جسم مثالی مراد ہے نہ جسد عنصری مع الروح تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ بیلغنی میں نِی سے مراد آپ کی روح انور و اطہر و اقدس مراد ہے جو رفیق اعلیٰ کے ساتھ رونق افروز اور اپنے اعلیٰ مقام قدس میں تشریف فرما ہیں وہاں سیر فرماتے کھاتے پیتے عیش کرتے دیدار الٰہی سے مشرف ہوتے رہتے ہیں۔ اور اس حدیث سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کو دنیا کی طرح حیات جسمانی عنصری حسی حقیقی مع الروح فی القبر العنصری حاصل ہے۔ کیونکہ آپ کا مطلب ایسی حیات کا اثبات ہے۔ ورنہ حیات فی البرزخ کا کوئی مسلمان منکر نہیں

اور سنئے امام سیوطیؒ نے شرح الصدور ص ۱۰۰ میں حدیث لکھی ہے جیسے امام بیہقیؒ نے حضرت امام ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انی ارانی فی الجنۃ فبینا انا فیہا سمعت صوت رجل بالقرآن (یعنی میں اپنے آپ کو جنت میں دیکھتا ہوں اتنے میں کہ میں جنت میں ہوں ایک آدمی کے قرآن پڑھنے کی آواز سنی) اس حدیث میں بھی نِی ہے جو آپ کے قاعدہ کے مطابق ذات پر دال ہے پھر رجل کا لفظ بھی ذات مع الروح پر دال ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ آپ کی ذات پاک یعنی جسد عنصری و روح سمیت عالم خواب میں جنت میں تشریف لے گئی۔ پھر وہاں ایک آدمی قرآن پاک پڑھ رہا تھا تو وہ آدمی جسد عنصری مع روح کے آپ سے پہلے ہی جنت میں موجود تھا۔ حالانکہ ہر ذی عقل اس مفہوم

کو غلط سمجھتا ہے۔ بلکہ خواب میں آپؐ کا بھی جسم مثالی تھا اور اس آدمی کا بھی جسم مثالی تھا اور آپؐ کا دیکھنا بھی مثالی جسم کی آنکھوں سے تھا کیونکہ آپ کے عنصری جسدِ اطہر کی آنکھیں تو مچی ہوئی تھیں اسی طرح مثالی جسم کے کانوں سے آپؐ سن رہے تھے اور مثالی جسم ہی خواب میں جنت میں پہنچا ورنہ آپؐ کا عنصری جسد اطہر تو مدینہ پاک میں ازواج مطہرات کے حجرات میں تھا۔

ازالۂ وہم

فائدہ یہ واقعہ خواب کا ہے یہاں سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ بلوی معراج جسمانی کا منکر ہے۔ میرا مستقل رسالہ "معراج النبی نمبر" ادارہ گلستان اہلِ سنت کی طرف سے رجب ۱۳۹۶ھ بمطابق جولائی ۱۹۷۶ء میں شائع ہوا تھا اور اس کے بعد بھی کئی دفعہ شائع ہو چکا ہے۔ شک مٹایا جا سکتا ہے

زاذان کی بارے علامہ عینی کی رائے

علامہ عینی رحمہ اللہ نے رجال طحاوی مسمی بہ کشف الاستار ص ۳۴ میں فرمایا زاذان ابو عمران الکندی البزار ویکنی ابا عبد اللہ ایضا صدوق یرسل وفیہ شیعیۃ یعنی شیعہ ہونے کے علاوہ زاذان کی حالت یہ ہے کہ اپنے استاذ کا نام چھوڑ کر استاذ کے استاذ کا نام لے لیتا ہے جس سے سند متصل نہیں رہتی۔ اور ظاہر ہے کہ جب سند متصل نہ ہو تو حدیث صحیح نہیں کہلاتی۔ مزید برآں سیوطی وغیرہ نے بھی اس حدیث کو ضعیف ہی کہا

سفیان بن سعید ثوریؒ

حدیث مندرجہ بالا یعنی ان للہ ملائکۃ سیاحین الحدیث کے راویوں میں سے ایک راوی حضرت سفیان بن سعید ثوری بھی ہیں جن کے متعلق صاحب تسکین نے توثیق کے الفاظ لکھے۔ ہم اس بات کو مانتے ہیں کہ واقعی آپ بہت جلیل القدر امام فقیہ عابد حافظ کبیر تھے مگر تھے مدلس۔ ان کی روایت بھی اگر غیر صحیحین میں عن سے بیان ہو وہ مقبول نہیں سفیان بن سعید الثوری الامام المشہور الفقیہ العابد الحافظ الکبیر وصفہ النسائی وغیرہ بالتدلیس

وقال البخاری ما اقل تدلیسہ (طبقات المدلسین ص۹) قال ابن المبارك حدث سفیان بحدیث فجئته وھو یدلسہ فلما رآنی استحیی وقال نرویہ عنك (تہذیب التہذیب ص۱۱۵ج۴)

مولنا کا خیال ، شیعہ ہونا راوی کا کوئی حرج کی بات نہیں

تسکین الصدور ط۲ ص ۱۰۲: شیعہ ہونا بغیر داعیہ کے اصولِ حدیث کے لحاظ سے کوئی حرج نہیں

نیلوی: جب شیعہ کا مسلک آپ خود مان چکے ہیں کہ نصف حصہ تک اعادۂ روح مانتے ہیں جیسے اسی سطر سے متصل نیچے والی سطر میں لکھا ہے اور یہ روایت اس نے اپنے مذہب کے مطابق بیان کی ہے۔ اور اپنے مذہب کے مطابق روایت کرنا آپ کے خیال میں داعیہ نہیں تو اور کیا ہے ؟

بریلوی اگر شیعہ کی روایت پیش کرے تب شیعہ کی روایت غیر معتبر ہے

دوسرے یہ کہ جب آپ کے نزدیک بغیر داعیہ کے شیعہ ہونا مضر نہیں ہے تو آپ نے بریلویوں کے جواب میں تنقید متین صفحہ ۸۸ میں عبدالرزاق کے بارے یہ کیسے لکھ دیا کہ عبدالرزاق چونکہ شیعہ ہے اگرچہ غالی نہیں ہٰذا بریلویوں کا احتجاج اس حدیث سے جس کا راوی عبدالرزاق شیعہ ہے درست نہیں ہے جب کہ خود اسی کتاب کے ۸۹ صفحہ میں اسی شیعہ عبدالرزاق کو الحافظ الکبیر کہا جن کو بے شمار محدثین نے ثقہ کہا۔

جب الامام الکبیر جس کو بے شمار محدثین نے ثقہ کہا ہے اور غالی بھی نہیں ایسے غالی شیعہ کی حدیث سے بریلویوں کا احتجاج درست نہیں ہے تو کیا وجہ ہے کہ زاذان جیسے شیعہ کی حدیث جسے چار محدثین نے ثقہ کہا ہو اور بعض نے لیس بالمتین کہا ہو اور بعض نے کثیر الخطأ سے جرح مفسر بھی کی ہو احتجاج درست ہو ؟

ہمیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ عبدالرزاق کی حدیث سے بریلویوں نے دلیل پکڑی ہے اس لئے وہاں بھی جواب موزون تھا کہ عبدالرزاق شیعہ ہے اور شیعہ اگرچہ غالی نہ ہو تاہم اس کی حدیث سے احتجاج درست نہیں ہے اور زاذان بھی اگرچہ شیعہ غیر غالی وغیر داعی ہے مگر چونکہ محترم موصوف کے اپنے دعویٰ کی تائید میں ہے اس لئے عوام پر واجب ہے کہ اس روایت کو ضرور تسلیم کریں ورنہ محترم موصوف کا فتویٰ آپ پر لگ جائیگا کہ

تم اہل سنت والجماعت کے مسلک سے نہیں ہو بلکہ معتزلی ہو اور بے دین مبتدع و فاسق و فاجر ہو

بہر حال شیعہ کی حدیث قابل احتجاج ہے یا نہیں یہ محترم موصوف سے پوچھے بغیر کچھ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ کسی حدیث کو قابلِ احتجاج کہنے یا نہ کہنے کی انحصار تو مجتہد العصر الامام الاعظم الفقیہ الافخم شیخ الحدیث ابو الزاہدی کو ہے

پھر لکھا کہ زاذان ابو عمرو کندی صدوق ہے اور اس میں شیعیت ہے مرسل روایات بیان کرتا ہے اور ساتھ ہی لکھ دیا "اور یہ روایت متصل ہے"

نیلوی: اولاً میں نے یہ کب دعویٰ کیا ہے کہ یہ روایت مرسل ہے ثانیاً آپ کے پاس کونسا قطعی ثبوت ہے کہ یہ روایت متصل ہی ہے مرسل نہیں ثالثاً اس شخص پر افسوس ہے جو یرسل کے لفظ سے یہ سمجھے کہ دائماً ارسال کرتا ہے

جواب بانداز دگر

ایک بات یہ بھی ہے کہ جو چیز اہم ہو اس کی لکھت پڑھت کا خصوصیت سے اہتمام کیا جاتا ہے اور جس قدر زیادہ اہم ہو اس کا اور زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے اور غیر اہم کا اتنا اہتمام نہیں ہوتا۔

کراماً کاتبین ہمارے اعمال چھوٹے بڑے سب ہی لکھتے ہیں کیونکہ قیامت میں یہ سب اعمال در رجِ دفتر خدا پاک کے سامنے پیش ہوں گے جن کا بدلہ ملے گا۔

ہمارا درود بھی لکھا جاتا ہے دو فرشتے خاص کر کے گواہ موجود ہیں انہیں ہماری عبادت وغیرہ عمل کا علم ہے یعلمون ما تفعلون۔ ہمارے اعمال پہ گواہ نبی پاک کو بتانے کی چنداں ضرورت نہیں اور نہ وہ دیکھتے ہیں۔ لیکن خدا کی طرف سے عائد کردہ فرائض و واجبات جو تمام امور سے اہم ترین ہیں وہاں فرشتے کی یہ ڈیوٹی کیوں نہیں کہ فلاں بن فلاں فلاں نسب اور قبیلہ کا آدمی فلاں فلاں وقت کی نماز ادا کر چکا ہے یا حضرت آپ کو اطلاع دے رہا ہوں فلاں نے آج روزہ رکھا آج فلاں جگہ تبلیغی دورہ ہے فلاں مسجد میں قرآن کا درس دے رہا ہے فلاں جگہ حدیث پاک پڑھا رہا ہے۔ الاہم فالاہم کے تحت یہ سب کچھ آپ کو اطلاع دی جا رہی ہو گی تو پھر درود کی تخصیص کی کیا وجہ ؟

اس من گھڑت حدیث سے یہ اندازہ لگتا ہے کہ شریعت کے تمام اوامر سے فرائض و واجبات سے بھی درود شریف کی اہمیت زیادہ ہے۔ حالانکہ ساری زندگی میں صرف ایک دفعہ درود پڑھنا فرض ہے

حضرت ابن عمرؓ کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ روایۃ عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں لکھی ہے اور وہ شیعہ تھا

سوال واقعی عبدالرزاق شیعہ تو تھا مگر غالی نہ تھا جیسے ابوالزاہد نے تنقید متین ص ۸۸ میں لکھا ہے

جواب میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۲۲ میں علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ عبدالرزاق کی مجلس میں اگر کوئی شخص صحابی رسول معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کا ذکر کرتا تو عبدالرزاق کہا کرتا کہ ابوسفیان کے بیٹے کا ذکر کرکے ہماری محفل کو گندا و پلید نہ کر۔ اب بتائیے اور غلو کس چیز کا نام ہے

سوال یہی روایت مسند امام اعظم میں موجود ہے

جواب تعجیل المنفعۃ ص ۵ میں ابن حجرؒ نے کہا بعض کا وہم ہے مسند ابی حنیفہ کو امام ابوحنیفہؒ نے جمع فرمایا ہے حالانکہ واقعہ میں یہ بات ایسے نہیں اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ نے فرمایا کہ آج کل جو مسند امام اعظم مشہور ہے یہ دراصل قاضی القضاۃ ابوالمؤید محمد بن محمود بن محمد خوارزمی کی تالیف ہے جسے ۶۶۵ھ میں اکٹھا کیا۔ پھر امام اعظم کی طرف اس مسند کی نسبت کرنا ایسا ہی ہے جیسے امام احمد بن حنبل کی مسند سے مسند ابی بکر علیحدہ کرکے کہا جا سکے کہ یہ مسند ابی بکر ہے یعنی ابوبکرؓ کی تصنیف ہے حالانکہ یہ مغالطہ ہے بستان المحدثین ص ۲۸ کا مطالعہ کریں۔ اور اس مسند میں ۶۶۵ھ سے ۱۵۰ھ تک درمیان میں کتنے راوی ہیں ان کا کوئی پتہ نہیں کون ہیں ان کا کیا نام ہے کیسے ہیں ان کی روایت منقطع ہے یا متصل

اور بارہا ایسا ہوتا ہے کہ ایک من گھڑت حدیث کی سند ثقہ راویوں کی طرف نسبت کر دی جاتی ہے بہت ممکن ہے کہ یہ مسند امام اعظم بھی اسی طرح ہو

فائدہ حضرت امام شاہ عبدالعزیزؒ نے تو ۶۶۵ھ بتایا جس میں ابوالمؤید نے مسند امام اعظم کو رواج دیا۔ مگر حضرت مولانا فقیر محمد صاحب جہلمی ثم لاہوری رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب حدائق الحنفیہ ص ۲۵۶ میں لکھا ہے محمد بن محمود بن محمد بن حسن خوارزمی ابوالمؤید خطیب کنیت تھی ۵۹۳ھ میں پیدا ہوئے فقیہ فاضل محدث کامل تھے فقہ وغیرہ نجم الدین طاہر بن محمد حفصی سے حاصل کی۔ خوارزم کے قاضی مقرر ہوئے اور حدیث کو دمشق میں روایت کیا اور بغداد میں درس و تدریس میں مشغول ہوئے یہاں تک کہ ۶۵۵ھ میں وفات پائی سلطان شہر بغداد نے

دفع الشک
عن
حدیث المستدرک

محترم جناب مولانا صاحب نے تسکین الصدور طبع دوم ص ۳۲۹ میں حیات النبیؐ کی ساتویں دلیل ذکر فرمائی ہے کہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لیہبطن عیسیٰ بن مریم حکماً واماماً مقسطاً ولیسلکن فجاً حاجاً او معتمراً ولیأتین قبری حتی یسلم علی ولاردن علیہ (البتہ ضرور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نازل ہوں گے منصف اور امام عادل ہوں گے اور البتہ ضرور وہ فج (جگہ کا نام ہے) کے راستہ پر حج یا عمرہ کے لئے چلیں گے اور بلاشبہ وہ میری قبر پر آئیں گے حتی کہ وہ مجھے سلام کہیں گے اور بلاشک میں ان کے سلام کا جواب دوں گا)

اور اس کا حوالہ جامع صغیر ص ۱۴۰ ج ۲ کا دیا ہمارے نسخہ میں ص ۱۳۰ ج ۲ ہے اور (ک) بین القوسین لکھ کر مستدرک حاکم کی طرف اشارہ کیا کہ یہ حدیث حاکم نے مستدرک میں لکھی ہے اور بین القوسین (صح) لکھ کر اشارہ کیا کہ یہ حدیث صحیح ہے پھر ہم نے مستدرک ص ۵۹۵ ج ۲ نکال کر دیکھا تو اس میں اس سند کے ساتھ یہ حدیث لکھی پائی اخبرنی ابو الطیب محمد بن احمد الحمیری قال ثنا محمد بن عبد الوہاب ثنا یعلی بن عبید ثنا محمد بن اسحاق عن سعید بن ابی سعید المقبری عن عطاء مولیٰ ام حبیبہ قال سمعت اباہریرۃ رضی اللہ عنہ یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیہبطن الحدیث

حدیث کے رواۃ پر بحث

یہ حدیث التصریح بما تواتر فی نزول المسیح کی آخری حدیث ہے اور اس کا مُخرج امام حاکم ہیں مستدرک میں باقاعدہ سند سے اس روایت کو بیان کر دیا اس میں محمد بن اسحاق وہ راوی ہے جس کے متعلق خود حضرت مولانا صاحب تسکین مدظلہ العالی نے اپنی متعدد کتابوں میں کڑی نکتہ چینی اور شدید جرح فرمائی ہے کیا غیر مقلدوں کی مار کیلئے یہ حربہ زیر رو ہے جبکہ باب اعتقاد میں استعمال نہیں کیا جا سکتا یا باب اعتقاد اہون ہے عبادات سے

مسند احمد میں یہ حدیث نہیں؛ محترم کا حوالہ غلط

پھر محترم جناب مولانا صاحب نے مسند احمد ج ۲ کا حوالہ دیا ہم نے راویوں کی پڑتال کرنے کے لئے مسند احمد کا صفحہ کھول کر دیکھا وہاں نزولِ عیسیٰؑ کی حدیث تو واقعی ملی ہے مگر یہ عبارت وہاں نہیں پائی مگر ہم یہ سمجھ کر کہ صفحوں کا فرق ہوتا ہے اس لئے آگے پیچھے چند ورقوں کی پلٹا پلٹی کی مگر کامیابی نہ ہوئی پھر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر تمام مسندِ ابی ہریرہؓ کو ترتیب وار ابتداء سے انتہا تک دیکھا نہ اس لئے کہ محترم جناب مولانا صاحب کے دئے ہوئے حوالے میں اعتماد نہیں تھا کیونکہ آپ تو بفضلہٖ تعالیٰ عہدِ حاضر کے مایۂ ناز محقق مدقق حجۃ حجۃ ثقہ ثقہ ثبت ثبت یگانۂ روزگار لاثانی محدث مفسر فقیہ نبیہ ہیں جن کی تمام کتابوں پر خصوصاً تسکین الصدور پہ اکابر علماء دیوبند (جیسے منبع العلوم مخزن الفہوم محی السنۃ الغراء ماحی البدعۃ الظلماء سند العلماء رأس الاتقیاء نمونۂ سلف صدر المدرسین حضرت مولانا فخر الدین صاحبؒ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند اور[1] عروۃ الحبل المتین، رئیس الشیوخ الکرام قطب فلک العلوم والعرفان استاذ العلماء رئیس المناظرین صدر المفتین حضرت مولانا سید مہدی حسن صاحبؒ[2] مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند اور[3] شمس فلک الشریعۃ البیضاء وبدر سماء الطریقۃ الغراء فخر الاماثل جامع الفضائل رازیٔ وقت غزالیٔ دوراں حضرت مولانا الحاج الحافظ القاری محمد طیب صاحب دامت معالیہم مہتمم دارالعلوم دیوبند اور[4] جامع العلوم العقلیۃ والنقلیۃ المحدث الجلیل ماہر اسماء رجال فقیہ زمان حامی توحید و سنت و ماحی شرک و بدعت رئیس المحققین حضرت مولانا محمد حبیب الرحمٰن اعظمی دامت فیوضہم العالیۃ اور[5] رئیس المناظرین استاذ العلماء عالم بے بدل پیر طریقت ماہر علوم عقلیہ و نقلیہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ اور[6] شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند و شیخ الحدیث جامع علوم العقلیۃ والنقلیۃ حضرت العلام مولانا محمد شمس الحق صاحب افغانی دامت برکاتہم اور[7] بحر العلوم المحدث الکامل الفقیہ الجلیل المحقق النبیل حضرت العلامہ مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوریؒ اور[8] صاحب الفہم الباہر والرشد الزاہر فقیہ النفس البصیرۃ التامۃ والملکۃ الراسخۃ حضرت العلام المفتی جمیل احمد صاحب تھانوی دامت فیوضہم اور[9] اسوۃ الاصفیاء قدوۃ سنام الدین مجاہد جلیل حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی دامت برکاتہم اور[10] قدوۃ العارفین زبدۃ المحدثین عمدۃ الفقہاء اسوۃ العلماء حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ اور[11] استاذ العلماء العالم النحریر امام الفضلاء شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبد الحق صاحب دامت معالیہم اور[12] سید العلماء صفوۃ الصلحاء سند الابرار جامع الکمال صادق الاحوال حضرت العلام مولانا محمد عبد الخالق صاحبؒ اور[13] شیخ الاتقیاء مولانا خان محمد صاحب دامت مکارمہم و[14] امام الفضلاء سند الابرار رئیس الحکماء جامع الاصول والفروع جامع المعقول والمنقول مفتی اعظم پاکستان

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور مجاہد حق گو فاضل عصر کامل دہر صادق الاحوال حضرت مولانا سید گل بادشاہ صاحب رح امام المناظرین صاحب الرأی الصائب ذو الفہم الثاقب حضرت مولانا الحاج دوست محمد صاحب قریشی اور عالم نحریر فاضل بے نظیر جامع العلوم النقلیہ والفنون العقلیہ ذو المجد الفاخر والفہم الباہر حضرت العلام مولانا المفتی احمد سعید صاحب عم فیضہم العمیم اور مولانا محمد نذیر اللہ خان صاحب اور عمدۃ الاقران والاماثل ذو المجد الفاخر والعلم الزاخر منطقۃ برج الفضائل مطرح انظار السادۃ و الافاضل حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ) کے دستخط اور تقاریظ ثبت ہیں پھر جو شخص ایسی ہستیوں پر اعتماد نہ کرے تو مجذوب کہلائے۔ اعتماد تو ضرور تھا مگر چونکہ تسکین الصدور میں حدیث مذکور کی سند نہیں لکھی گئی تھی اس لئے سب سند کو دیکھا مگر یہ عبارت بدقسمتی سے ہماری نظر میں نہیں آئی۔ آخر مجبوراً مسند احمد کو علیحدہ رکھنا پڑا اور مستدرک حاکم کی سند پر اکتفاء کیا مگر تعجب ہے کہ علامہ سیوطی جیسے وسیع النظر عالم کی نگاہ بھی مسند احمد کی اس حدیث پر نہیں پڑی نیز معلوم نہیں کہ مقرظین نے تقریظ کیونکر کی جبکہ احسن الکلام میں بھی ان کی تقاریظ ہیں جس میں محمد بن اسحٰق پر جرح ہے

کذاب راوی محمد بن اسحاق کے بارے محترم کا اپنا سابقہ بیان اور تسکین میں اس کا کتمان

بہرحال مستدرک حاکم کی سند میں ایک وہ راوی ہے جس کے بارے میں خود محترم جناب مولانا صاحب اپنی قدیم تصنیف احسن الکلام ص۲۹ میں مندرجہ بیان دے چکے ہیں اور اس کتاب پر بھی اکابر دیوبند کی تقاریظ ہیں

"محمد بن اسحاق کو گو تاریخ اور مغازی کا امام سمجھا جاتا ہے لیکن محدثین اور ارباب جرح و تعدیل کا تقریباً پچانوے فی صدی گروہ اس بات پر متفق ہے کہ روایت حدیث میں اور خاص طور پر سنن اور احکام میں اُن کی روایت کسی طرح بھی حجت نہیں ہو سکتی اور اس لحاظ سے ان کی روایت کا وجود اور عدم بالکل برابر ہے۔ تصریحات ملاحظہ کریں۔

امام نسائی فرماتے ہیں کہ وہ قوی نہیں (ضعفاء صغیر ص۵۲) ابو حاتم کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے (کتاب العلل ج۳ ص۲۳) ابن نمیر رح کہتے ہیں کہ وہ مجہول رُواۃ سے باطل روایات نقل کرتا ہے (بغدادی ج۱ ص۲۲۴) دارقطنی کہتے ہیں کہ اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے (ایضاً ج۱ ص۲۳) سلیمان تیمی رح کہتے ہیں کہ وہ کذّاب ہے۔ ہشام بن عروہ کہتے ہیں کہ وہ کذاب ہے امام جرح و تعدیل یحییٰ قطان رح

کہتے ہیں کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ وہ کذاب ہے؎ (میزان ج۳ ص۲۱) وہیب بن خالد اس کو کاذب اور جھوٹا کہتے ہیں (تہذیب التہذیب ج۹ ص۴۲) امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ وہ دجالوں میں کا ایک دجال تھا (میزان ج۳ ص۲۱ وتہذیب التہذیب ج۹ ص۴۱) نیز امام مالکؒ نے اس کو کذاب کہا ہے (بغدادی ج۱ ص۲۳۲) جریر بن عبدالحمیدؒ کا بیان ہے کہ میرا خیال یہ نہ تھا کہ میں اس تک زندہ رہوں گا جس میں لوگ محمد بن اسحاق سے احادیث کی سماعت کریں گے (تہذیب التہذیب ج۹ ص۳۰۶) ابوزرعہؒ کا بیان ہے کہ بھلا ابن اسحاق کے بارے میں بھی کوئی صحیح نظریہ قائم کیا جا سکتا ہے؟ وہ تو محض ہیچ تھا (توجیہ النظر ص۲۸) امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ محدثین اور حفاظ حدیث ابن اسحاق کے تفردات سے گریز کرتے (سنن الکبریٰ بحوالہ الجوہر النقی ج۱ ص۱۵۵) علامہ ماردینیؒ لکھتے ہیں کہ ابن اسحاق میں محدثین کے نزدیک مشہور کلام ہے (الجوہر النقی ج۱ ص۱۵۵) عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ میرے والد امام احمدؒ بن حنبلؒ لم یکن یحتج بہ فی السنن (بغدادی ج۱ ص۲۳۰ وتہذیب التہذیب ج۹ ص۴۳) سنن اور احکام میں وہ ان سے احتجاج نہیں کرتے تھے۔ حنبلؒ بن اسحاقؒ کا بیان ہے کہ امام احمدؒ بن حنبلؒ نے فرمایا ابن اسحاق لیس بحجۃ (بغدادی ج۱ ص۲۳۰ وتہذیب التہذیب ج۹ ص۴۴) ابن اسحاق حجت نہیں ہے، ایوبؒ بن اسحاقؒ کا بیان ہے کہ میں نے امام احمدؒ سے دریافت کیا ابن اسحاق جب کسی حدیث کے بیان کرنے میں متفرد ہو تو اس کی حدیث حجت ہوگی؟ قال لا واللہ! (بغدادی ج۱ ص۲۳۰) فرمایا بخدا ہرگز نہیں، ابن ابی خثیمہؒ کا بیان ہے کہ ابن معینؒ نے اس کو لیس بذاک ضعیف اور لیس بالقوی کہا، میمونیؒ کا بیان ہے کہ ابن معینؒ نے اس کو ضعیف کہا ہے (بغدادی ج۱ ص۲۳۳ وتہذیب التہذیب ج۹ ص۴۳) علی بن المدینیؒ کا بیان ہے لم یضعفہ عندی الا روایتہ عن اہل الکتاب (تہذیب ج۹ ص۴۵) میرے نزدیک ابن اسحاق کو صرف اس بات نے ضعیف کر دیا ہے کہ وہ یہود اور نصاریٰ سے روایتیں لے کر بیان کرتا ہے، امام ترمذیؒ لکھتے ہیں کہ بعض محدثینؒ نے اس کے حافظہ کی خرابی کی وجہ سے اس میں کلام کیا ہے (کتاب العلل ج۲ ص۲۳۶) امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ جو راوی صحیح کی شرطوں کے مطابق نہیں ہیں ان میں ایک محمد بن اسحاق بھی ہے (مقدمہ نووی ص۱۶) علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ ابن اسحاق کی روایت درجہ صحت سے گری ہوئی ہے اور حلال و حرام میں اس سے احتجاج درست نہیں ہے (تذکرہ ج۱ ص۱۲۳) حافظ ابن حجرؒ

؎ تقریب النواوی میں ہے واذا قالوا متروک الحدیث او واہیہ او کذاب فہو ساقط لا یکتب حدیثہ (ص۲۳۳) کہ جب محدثین کسی راوی کے بارے متروک الحدیث یا واہی الحدیث یا کذاب کہتے ہیں تو ساقط الاعتبار ہوتا ہے اس کی روایت لکھی بھی نہیں جا سکتی۔ اور اس کی شرح تدریب الراوی میں لکھا ہے کہ ولا یعتبر بہ ولا یستشہد (تدریب ص۲۳۳) ایسے راوی کی حدیث کو اعتبار و متابعت اور شواہد کیلئے بھی پیش نہیں کیا جا سکتا لیکن افسوس ہے کہ فریق مخالف نہ صرف یہ کہ اس سے استدلال کرتا ہے بلکہ اس کے بل بوتے پر مسلمانوں کی اکثریت کی نماز کو باطل بے کار اور کالعدم قرار دینے کا ادھار کھائے بیٹھا ہے۔

لکھتے ہیں ابن اسحاق احکام کی روایات میں حجت نہیں ہے خصوصاً جب کہ متفرد ہو۔ اور جب کہ کوئی ثقہ راوی اس کے خلاف روایت کرتا ہو تو ابن اسحاق کی روایت قابل توجہ ہی نہیں ہو سکتی (درایہ ص ۱۹۳) حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ امام احمدؒ نے ابن اسحاق کی روایت کو منکر کہا ہے اور اس کو ضعیف بتایا ہے (زاد المعاد ص ۱۴۳ جلد ۱) علامہ منذریؒ اور حافظ سخاویؒ لکھتے ہیں کہ امام احمدؒ نے فرمایا مغازی میں ابن اسحاق کی روایات تو لکھی جا سکتی ہیں لیکن جب حلال و حرام کا مسئلہ ہو تو اس میں ایسے ایسے راوی یعنی ثقہ اور ثبت درکار ہیں (ترغیب و ترہیب ص ۲۹۰ جلد ۴ و فتح المغیث ص ۱۳۰) قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں کہ ابن اسحاق لیس بحجۃ لاسیما اذا عنعن (نیل الاوطار ص ۲۳۴ جلد ۱) ابن اسحاق کی روایت حجت نہیں ہے خصوصاً جب کہ وہ عنعنہ سے روایت کرتا ہو۔ نواب صدیق حسن خان صاحبؒ ایک حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں کہ در سندش نیز ہماں محمد بن اسحاق است و محمد بن اسحاق حجت نیست (دلیل الطالب ص ۲۳۹) حضرت مولانا شیخ الہند محمود الحسن صاحبؒ (المتوفی ۱۳۳۹ھ) نے ایضاح الادلہ ص ۲۴۵ میں ابن اسحاق پر سیر حاصل کلام کیا ہے اور ان تمام رکیک اور ضعیف تاویلوں کے دندان شکن جوابات دئے ہیں جو اس کو ثقہ قرار دینے کے لئے اختیار کی گئی ہیں۔ طلبہ ضرور اس کا مطالعہ کریں۔ آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ شاید ہی جرح کا کوئی ادنیٰ سے اعلیٰ تک ایسا لفظ ملے گا جو جمہور محدثینؒ اور ارباب جرح و تعدیل نے محمد بن اسحاق کے بارے میں نہ کہا ہو۔ مع ہذا محمد بن اسحاق فریق ثانی کے نزدیک ثقہ ہے۔

اور حضرت امام ابوحنیفہؒ اور ان کے تلامذہ ضعیف ہیں (بدور الاہلہ ص ۲۳۵) فوا اسفا۔ حافظ ابن حجرؒ نے نہایت ضعیف اور رکیک تاویلیں کرنے کی بے جا سعی کی ہے تاکہ ابن اسحاق کو قابل اعتبار بنانے کی کوشش کامیاب ہو سکے مثلاً یہ کہ سلیمان تیمیؒ ائمہ جرح و تعدیل میں نہ تھے اور امام مالکؒ نے اپنے الفاظ سے رجوع کر لیا تھا وغیرہ وغیرہ مگر یہ سب کوشش بیکار اور کالعدم ہے۔ اگر بالفرض سلیمان تیمیؒ ائمہ جرح و تعدیل میں نہ تھے تو کیا ہشامؒ بن عروہؒ، امام الجرح والتعدیل یحییٰ القطانؒ، وہیبؒ بن خالدؒ، امام احمدؒ بن حنبلؒ، یحییٰؒ بن معینؒ، علیؒ بن المدینیؒ، جریرؒ بن عبد الحمیدؒ، امام نسائیؒ، خطیبؒ، ابن نمیرؒ، دارقطنیؒ، ابو زرعہؒ اور علامہ ذہبیؒ وغیرہ بھی ائمہ جرح و تعدیل میں نہیں ہیں؟ اور کیا ان سب نے اپنی جرحی الزامات سے رجوع کر لیا ہے؟ باقی امام مالکؒ کا رجوع کرنا بھی محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ خطیبؒ لکھتے ہیں اما کلام مالکؒ فی ابن اسحاق فمشہور غیر خاف علی احد من اہل العلم بالحدیث (بغدادی ص ۲۲۴ جلد ۱) امام مالکؒ نے ابن اسحاق میں جو کلام کیا ہے وہ کسی بھی ایسے شخص سے مخفی نہیں ہے جس کو فن حدیث کا علم حاصل ہے۔ امام ابن الجوزی الحنبلیؒ (المتوفی ۵۹۷ھ) اپنی کتاب الموضوعات میں لکھتے ہیں کہ اما محمد بن اسحاق فمجروح شہد بکذبہ مالک و سلیمان التیمی و وہیب بن خالد و ہشام بن عروہ و یحییٰ بن سعید و قال ابن المدینی یحدث عن المجہولین

باحادیث باطلۃ (نصب الرایہ ص۲۵ جلد ۲) بہر حال محمد بن اسحق مجروح ہے اس کے جھوٹا ہونے کی امام مالکؒ، سلیمان تیمیؒ، وہیب بن خالدؒ، ہشام بن عروہؒ اور یحیٰیؒ بن سعید القطان نے گواہی دی ہے، اور امام ابن المدینیؒ فرماتے ہیں کہ وہ مجہول راویوں سے باطل حدیثیں بیان کرتا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ اس قسم کی مفسر جرح سے رجوع کا ثبوت امام ابن جوزیؒ کے علم میں نہیں ہے

اور امام بیہقیؒ لکھتے ہیں کہ وکان مالکؒ بن انسؒ لا یرضیٰ، ویحییٰ بن سعید القطان لا یروی عنہ ویحییٰ بن معین یقول لیس ہو بحجۃ، واحمد بن حنبل یقول یکتب عنہ ہذہ الاحادیث اعنی المغازی فاذا جاء الحلال والحرام اردنا قوماً ہکذا یرید اقویٰ منہ فاذا کان لا یحتج بہ فی الحلال والحرام فاولیٰ ان لا یحتج بہ فی صفات اللہ سبحانہ وتعالیٰ وانما نقموا علیہ فی روایتہ عن اہل الکتاب ثم عن ضعفاء الناس وتدلیس اسامیہم فاذا روی عن ثقۃ وتبین سماعہ منہ فجماعۃ من الائمۃ لم یروا بہ باسًا (کتاب الاسماء والصفات ص۲۹) امام مالکؒ اس کو (برائے روایت) پسند نہیں کرتے تھے اور یحیٰی بن سعید القطانؒ اس سے روایت نہیں لیتے تھے اور ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ وہ حجت نہیں۔ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مغازی کی حدیثیں تو لکھی جا سکتی ہیں لیکن حلال وحرام کی روایت میں ہم قوی راویوں کو تلاش کریں گے۔ پس جب حلال وحرام میں ابن اسحاق کی روایت حجت نہیں تو صفات اللہ میں بطریق اولیٰ اس کی روایت حجت نہیں ہو سکتی۔ اور محدثین نے اس پر جو عیب لگایا ہے وہ یہ ہے کہ وہ اہل کتاب سے روایت کرتا ہے اور ضعیف قسم کے لوگوں سے بھی روایت کرتا ہے اور ان کے ناموں میں تدلیس سے کام لیتا ہے جب وہ ثقہ سے روایت کرے اور سماع کی تصریح بھی کرے تو ائمہ کی ایک جماعت اس میں مضایقہ نہیں سمجھتی)

اس سے معلوم ہوا کہ امام احمدؒ نے ابن اسحاق کو جو حسن الحدیث کہا ہے تو مغازی وغیرہ کی حدیثوں سے متعلق کہا ہے نہ کہ احکام اور حلال وحرام کی حدیثوں کے بارے میں۔ اور علامہ ذہبی نے سفیان بن حسینؒ کے ترجمہ میں نقل کیا ہے کہ لا یحتج بہ کمحمد بن اسحاق (محمد بن اسحاق کی طرح اس سے بھی احتجاج درست نہیں ہے اور کتاب العلل میں اس کو صاحب مناکیر وغرائب بتایا ہے، ائمہ جرح وتعدیل نے ان میں جو کلام کیا ہے وہ فن روایت کے رو سے کیا ہے اور محض دیانۃً ہے اس کو حالت غصہ پر حمل کرنا جیسا کہ مؤلف خیر الکلام نے ص۱۹۵ میں کیا ہے صرف رام کہانی ہے اور ص۱۹۹ وص۲۰۰ میں بحوالہ التحفۃ الاحوذی ص۲۵۳ ج۱ بغرض رجوع کے لئے جو قصہ نقل کیا ہے اس سے ان کا صراحۃً رجوع ہرگز ثابت نہیں ہوتا محض کشید ہے۔ ہاں بعد کے بعض محدثینؒ نے اپنے ظن اور تخمینہ سے رجوع پر حمل کیا ہے مگر یہ ان کی اپنی صوابدید ہے الخ

نیلوی: جب احکام میں محمد بن اسحق کی روایت مردود ہے تو عقائد میں کیوں مقبول ہے؟ کیا عقیدہ کا معاملہ معمولی ہے؟

صاحب تسکین کی امام المحدثین بخاریؒ پر جرح

آگے اس سوال کے جواب میں کہ "امام بخاریؒ نے محمد بن اسحٰق کو ثقہ کہا ہے" فرمایا ہے "ایسے کذاب اور دجال راوی کے بارے میں امام بخاریؒ وغیرہ کی رائے کیا وقعت رکھتی ہے؟ خصوصاً جب کہ امام بخاریؒ نے ابن اسحٰق کا زمانہ نہیں پایا......

یہ حضرت امام بخاریؒ کی ذاتی رائے ہے حق وہی ہے جو جمہور نے کہا ہے" (ص۳)

پھر اس سوال کے جواب میں کہ "امام شعبہؒ نے بھی اسے ثقہ کہا ہے" فرمایا کہ "محمد بن اسحٰق کو ائمہ جرح و تعدیل۔ کذاب اور دجال تک کہتے ہیں تو اس کے (بقول شعبہ) امیر المحدثین ہونے سے اس کی ثقاہت کیسے ثابت ہو سکتی ہے"؟ (ص۳)

پھر اس سوال کے جواب میں کہ "علماء احناف نے بعض مسائل میں محمد بن اسحاق سے استدلال کیا ہے" فرمایا "اگر محمد بن اسحاق جیسے ضعیف اور کمزور راوی کی روایت کو احنافؒ نے دلیل بنا کر ایسا کیا ہے تو خطا کی ہے" (ص۳)

پھر محمد بن اسحٰق مدلس کی تحدیث کے جواب میں کہا "اگر محمد بن اسحاق ثقہ ہوتا اور اس پر صرف تدلیس کا الزام ہوتا تو پھر یہ بات صحیح تھی کہ اس کی تحدیث سے تدلیس کا شبہ جاتا رہتا۔ مگر وہ تو پرلے درجہ کا ضعیف کمزور اور متروک ہے۔ لہٰذا وہ تحدیث بھی کرتا ہے اس کی روایت کو کون سنتا ہے" (ص۳)

اس ساری بحث کا ماحصل

نیلوی کہتا ہے کہ یہی محمد بن اسحٰق راوی کذاب دجال محترم جناب مولنا صاحب کی بیان کردہ اپنے دعوی کی ساتویں دلیل میں صاف موجود ہے۔ شاید یہی وجہ ہو کہ جیسے دوسری دلیلوں کی سندیں مع توثیق رواۃ کے ذکر فرماتے آئے ہیں اس حدیث کے ذکر کرنے کے موقعہ پر اسلوب بدل دیا اور سند کا ذکر تک نہیں کیا

بہرحال محترم جناب مولنا صاحب کی اپنی کی ہوئی جرح کے مطابق یہ حدیث کسی طرح: صحیح ہے نہ احتجاج کے قابل ہے نہ احکام میں نہ عقائد میں پھر یہ حدیث جس کا راوی ان کے اپنے اقرار کے مطابق کذاب و دجال ہے پھر اس کی یہ روایت ہے بھی بے لفظ عن محترم جناب لائے کیوں؟ اس کے جواب دہ وہ آپ ہی ہیں یہاں دین دنیا میں جیتے جی یا اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچ کر۔

والی اللہ ترجع الامور۔ سبحٰنک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرک واتوب الیک اللھم صل علی محمد وعلیٰ آل محمد وبارک وسلم علیہ۔

کیا یہ مسئلہ ضروریات دین میں سے ہے

تسکین الصدور کے ایک مقرظ نے بڑی انوکھی بات سپرد قلم فرماتے ہیں جسے محترم نے نقل فرمایا ہے حیاۃ الانبیاء فی القبور کا مسئلہ تو تقریباً ضروریات دین میں سے شمار ہو کر امت کا ایک اجماعی مسئلہ بن چکا ہے (تسکین ص ۳۴) اول تو دعویٰ بلا دلیل ہے پھر یہ اجمال ہے اجمالی طور پر حیات فی القبر کا کوئی منکر نہیں ہے پھر ضروریات دین میں شمار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تقریباً اس کا منکر کافر ہے نیز حضرت نانوتویؒ کے فرمان مذکور در لطائف قاسمیہ ص ۵ کے خلاف ہے آپ نے فرمایا اس عقیدہ کو عقائد ضروریہ میں سے نہیں سمجھتا نہ تعلیم ایسی باتوں کی کرتا ہوں اگر ضروری عقیدہ ہوتا تو تعلیم بھی ضرور کرتے نیز علماء متکلمین عقائد کی کتابوں میں جیسے وفات النبیؐ و قبر النبیؐ کا ذکر کرتے ہیں حیاۃ الانبیاء و حیوٰۃ عنصریہ فی القبور بھی ذکر کرتے نیز محدثین کی کتابوں میں تواتر سے جیسے احادیث وفاۃ النبیؐ ثابت ہیں احادیث احیاء بعد الموت بحیاۃ عنصریہ بھی لکھتے کیا وجہ ہے کہ مسئلہ ہو ضروریات دین میں سے اور خیر القرون کی ضروری کتابوں میں اس کا ذکر مفقود ہو

ص ۲۵ بعد الموت حیاۃ انبیاء کو اُن کی نوم پر قیاس کیا ہے جو قیاس مع الفارق ہے نوم میں وحی بھی آجاتی بھی اور بعد وفات کے کیا وحی منقطع نہیں ہوئی؟ پھر کہا یہاں (موت انبیاء میں) (روح کا جسم سے انقطاع بالکلیہ نہیں ہوا" پھر غسل کفن نماز جنازہ، قبر و لحد میں دیگر اموات کی طرح دفن کیوں؟ پھر آگے اور بات لکھ دی کہ مفارقت روح من الجسد سے تعلق بدن و مفارقت تعلق الروح عن الجسد لازم نہیں آتا" جناب! جب روح کلی طور پر جسد اطہر سے مفارق ہی نہیں پھر اس فقرہ کا کیا مفہوم؟ پھر ⑦ معراج پر قیاس کیا گیا ہے نمبر ⑤ کی طرح یہ بھی قیاس مع الفارق ہے اور پھر نمبر ⑧ میں جو ہے تعدد اشکال میں کیا خود ہستی متعدد مقامات پر ہوتی ہے؟ پھر تو بریلوی سچے ہوئے والعیاذ باللہ

⑨ انبیاء کیلئے حیات بقاء اجساد نقل و حرکت ادراک علم سب چیزیں حاصل ہیں" یہ اجمال ہے۔ عنصری جسد کی نقل و حرکت اگر مراد ہے تو یہ تقریظ مصنف تسکین کی رائے کے خلاف ہے وہ تو ص ۲۵۲ میں لکھ رہے ہیں پس اگر فرض کیا جائے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی کی قبر مبارک کھل گئی ہے تو لوگ ان کو اسی طرح (بے حس و حرکت) دیکھیں گے جس طرح کہ عام دوسرے مردوں کو دیکھتے ہیں جن کو زمین نہیں کھاتی" تو اب رائے تقریظ کرنے والے بنوری صاحب کی مغایر ہے مؤلف تسکین کی رائے سے

التبیان فی الصلوٰۃ القبریۃ بالاذان

تسکین الصدور طبع ۲ ص ۲۴۳ میں مولانا مدظلہ نے فرمایا کہ "بلا جماعت اس منفرد کی نماز نورالانوار ص ۳۶ وغیرہ کے حوالے کے مطابق ادائے قاصر کی مد میں شامل ہوتی ہے جہاں جماعت مسنونہ مل سکتی ہو اور تغافل و کوتاہی کر کے آدمی اس کو حاصل نہ کر سکے"

جناب مولانا صاحب مدظلہ نے عبارت میں غور نہیں فرمایا یا علم اصول پڑھنے کے بعد پھر شاید انہیں پڑھانے کا موقع نہیں ملا۔ مخدوما صاحب کتاب نورالانوار نے ادائے قاصر کی ایک علامت بتائی ہے کہ جہری نماز میں منفرد سے وجوب جہر ساقط ہو جاتا ہے۔ اگر مولانا کی توجیہ تسلیم کریں تو منفرد کو بھی صلوٰۃ جہریہ میں جہراً پڑھنا واجب ہو۔ دوسرے یہ کہ آپ پر نماز فرض تو نہیں ہے۔ فرض ہوتی تو اذان و اقامت کی حاجت ہوتی۔ اور نوافل کیلئے اذان و اقامت سنت نہیں ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ قبر کا معاملہ الگ ہے۔ چلو اچھا یہ ذرا سمجھائیں کہ آپ کے نزدیک اس بات کا کیا کوئی ثبوت ملتا ہے کہ قبری زندگی میں بھی آدمی مکلف ہے کہ اس کے ذمے اذان بھی ہو اور اقامت بھی اگر مکلف نہیں ہیں۔ بغیر مکلف ہونے کے اذان و اقامت بھی ہو

اور کیا یہ بھی قبری زندگی کے احکام میں سے ہے کہ اذان و اقامت کے ساتھ نفل نماز کامل ہوتی ہے اور اگر اذان و اقامت نہ ہو تو نماز نفل قبری زندگی کی ناقص ہوگی؟ جب دنیوی زندگی میں بغیر اذان کے نماز ناقص بایں معنے نہیں ہوتی جیسے بلا جماعت نماز۔ اب اس بات کا ثبوت دینا نہایت ضروری ہے کہ قبری زندگی میں جو نماز پڑھی جاتی ہے وہ اذان و اقامت کے بغیر ناقص ہوگی۔ کسی صاحب کا بغیر دلیل کے لکھ دینا اعتقاد میں حجت نہیں ہے

اگر مکلف نہیں ہیں اور بغیر مکلف ہونے کے اذان و اقامت فرماتے ہیں تو آخر اس کا بھی ثبوت دینا ضروری ہے۔ دنیا میں جب آپؐ رونق افروز تھے اس وقت آپؐ کے صحابی رضؓ بلال رضؓ، عبداللہ بن ام مکتوم رضؓ وغیرہما اذان دیتے تھے۔ رہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بنفس نفیس اذان دینا سو اس میں اختلاف ہے بعض علماء کرام احادیث مبارکہ میں اَذَّنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ دیکھ کر قائل ہو گئے کہ واقعی خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس اذان فرمائی ہے لیکن بعض

دوسرے علماء کرام اس کے معنے یہ کرتے ہیں اُذِّنَ لہ اَمَرَ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاذان یعنی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے کو اذان کہنے کا حکم دیا

اب وفات کے بعد آپ کا اذان واقامت کہنا ثبوت کا طالب ہے آیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبانِ معصوم سے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ وفات کے بعد قبری زندگی میں جو نمازیں میں پڑھوں گا گو وہ نوافل ہوں گی تاہم وہ نوافل بھی اذان اور اقامت خود ہی کہہ کر پڑھوں گا۔ کیوں کہ صرف دنیا میں یہ حکم ہے کہ اذان خاصۃً فرض نمازوں کا ہے عیدین، کسوف، خسوف، استسقاء، تہجد، اشراق، ضحیٰ، تراویح، وتر، سنن اور نوافل نمازوں کے لئے اذان نہیں بلکہ عیدین کسوف تراویح وتر ماہ رمضان استسقاء (عند غیر ابی حنیفہ) کے سوا کسی غیر فرض نماز کی جماعت بھی نہیں اور اذان کا مقصد ہی یہی ہوتا ہے کہ باجماعت نماز پڑھنے کے لئے لوگوں کو جمع کیا جائے نوافل کی جماعت کو علماء نے مکروہ بتایا ہے

وفات کے بعد جب تکلیفی زندگی نہیں ہے تو اس میں ظاہر ہے کہ جو نماز پڑھیں گے وہ خدا کی طرف سے ان پر عائد کردہ فرض تو ہے نہیں نہ واجب ہے وہ تطوع ہے۔ کیا آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ وفات کے بعد قبری زندگی میں نوافل باجماعت پڑھے جاتے ہیں اور وہ بھی اذان واقامت کے ساتھ اور اس نماز میں مقتدی مؤمنین ومؤمنات خصوصًا خیر القرون ہوں گے اور آں حضرت صاحب قرارت کرتے ہوں گے تو سب کے سب آپ کی قرارت کان لگا کر بغور سنتے ہوں گے اور خود مقتدی سامعین مکلفانہ حیثیت سے نہیں بلکہ اس حیثیت سے کہ یہ قراءۃ افصح العرب نبی معصوم کی فصیح معصوم زبان سے جاری ہے شوق اور محبت کے ساتھ سنیں گے اور یہ سب خود خاموش ہوں گے پھر ان آثار کا کیا مطلب ہوگا جن میں آتا ہے کہ فلاں صاحب اپنی قبر میں سورۂ تبارک الذی کی تلاوت فرماتے ہوئے دیکھے گئے اور فلاں صاحب اپنی قبر میں سورۂ یٰسین کی تلاوت فرماتے ہوئے سنے دیکھے گئے اور زائر کے سلام کو سن کر جواب بھی دیتے ہیں اور اُن کو دیکھتے جانتے پہچانتے ہیں۔

نیز جب اذان واقامت لوگوں کو جمع کرنے کے لئے ہوتی ہے تو تمام اقالیم میں دفن شدہ مومنین ومومنات نبی کریمؐ کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے یک جا قبر اطہر کے پاس جمع ہوتے ہوں گے اور عموماً اکثروں کی قبریں اموات سے خالی ہوں گی اور اس وقت جب زائر کسی کی قبر پر جا کر السلام علیکم کہے گا تو آپ لوگوں کے عقیدہ کے

مطابق بُعد مکانی کی وجہ سے انہیں نہ سننا چاہیئے۔ اس لئے کچھ ٹائم ٹیبل ایسا تیار ہونا چاہیئے جس میں زائر کو علم ہو سکے کہ صاحب قبر اس وقت تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھنے گیا ہوا ہے قبر میں حاضر موجود نہیں اس لئے اب قبرستان میں نہ جائیں کہ اب سلام دینا فضول ہے کیونکہ نہ صاحب قبر قبر میں ہے اور نہ میرا سلام سنے گا۔ پھر جب ٹائم ٹیبل کے مطابق معلوم ہو گیا کہ اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باجماعت نماز پڑھا کر فارغ ہو چکے ہیں اور ہر صاحب قبر اپنی اپنی قبر میں واپس آگیا ہے اب قبرستان میں جائیں اور سلام کہیں تاکہ وہ سن کر سلام کا جواب دیں گے۔

لیکن جو سماعِ سلام و اجابت کے قائل ہیں وہ ٹائم ٹیبل نہیں بتاتے کہ فلاں وقت میں قبر کی زیارت کرو کہ صاحب قبر قبر میں تشریف لا چکے ہیں اور فلاں وقت قبر کی زیارت کو جانا ہے تو جا سکتے ہو مگر قبر پہ السلام علیکم نہ کہنا کیونکہ جب صاحب قبر قبر میں تشریف فرما نہیں بلکہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اذان سن کر (جس کی آواز تمام اقالیم ارض کی قبور میں پہنچ جاتی ہے) سب مدینہ طیبہ میں پہنچے ہوئے ہیں تو یہاں سے ہماری آواز نہیں سن سکتے۔ تو جب وہ سن نہیں سکتے تو قبر پہ السلام علیکم کہنا لغو عبث اور بے فائدہ ہوگا

حالانکہ احادیث صحیحہ میں نہ زیارتِ قبور کا ٹائم ٹیبل ہے نہ سلام کہنے کا ٹائم ٹیبل ہے احادیث صحیحہ مطلق ہیں اور مطلق کو اپنے اطلاق پر رکھنا چاہیئے المطلق یجری علی اطلاقہ مسلمہ قاعدہ و اصول ہے

تو آپ کا مندرجہ بالا عندیہ کو دیکھ کر اور احادیث مطلقہ معمول بہا کو دیکھ کر لازماً یہ بات ماننا ہو گی کہ سلام کا جو کہ شرعاً کوئی وقت مقرر نہیں اس لئے جب چاہو قبرستان جاؤ اور السلام علیکم کہو خواہ صاحب قبور اپنی اپنی قبور میں حاضر موجود ہوں یا آن حضرت ؐ کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے مدینہ طیبہ میں پہنچے ہوئے ہوں اور آن حضرتؐ کی تلاوتِ قرآن سننے میں ہمہ تن مصروف و مشغول ہوں

نیز یہ بھی ماننا پڑے گا کہ کلمۂ خطاب کے لئے مخاطب کا سننا ضروری نہیں ہے

اور اس بات کے منوانے پر اگر آپ زور دیتے ہیں کہ خطابی کلمہ اسی وقت استعمال کیا جا سکتا ہے جب مخاطب سنے تو اوّلاً یہ قاعدہ آپ کی سابقہ تحریرات کے خلاف ہے جو بریلوی فرقہ کی تردید میں آپ نے لکھی ہیں اور السلام علیک ایہا النبی کی توجیہ میں بیان فرمائی ہیں

ثانیاً یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ صاحبِ قبر دور و نزدیک ہر جگہ سے سن سکتا ہے تو پھر قبرستان جاکر خصوصیت سے السلام علیکم کہنے کی کیا ضرورت ہے گھر بیٹھے ہی السلام علیکم کہہ دیا بس صاحبِ قبر نے سُن لیا اور جواب دے دیا تلاوت سننے کا شغل اور بُعد مکانی سلام سننے سے مانع نہیں جیسے بریلوی فرقہ گھر بیٹھے ہی اپنے پیروں فقیروں کو پکارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ ہر جگہ سے سن لیتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ محترم مولنا صاحب اپنی سابقہ تحریرات میں اس کو داخلِ شرک کہہ چکے ہیں اب نہ مانیں تو اُن کی مرضی

اور اگر کہیں کہ اذان و اقامت فی القبر دینے کا مطلب یہ ہے کہ اب با جماعت نماز کا وقت ہو چکا ہے سب قبروں والے اپنی اپنی قبروں میں رہائش رکھتے ہوئے ادھر متوجہ ہوں تو حضورؐ کی آواز تو تمام اقالیم کے مقابر میں پہنچ گئی تو کیا بریلوی فرقہ نہیں کہہ سکتا کہ تمام جہان کی قبروں میں جب آپؐ کی آواز پہنچ سکتی ہے تو ظہر الارض کے باشندوں کی آواز آپؐ تک کیوں نہیں پہنچ سکتی کیا خدا اس پر قادر نہیں؟ (والعیاذ باللہ)

اور تسکین ط۲ ص ۲۳۶ میں جو ہے کہ "منفرد کی کامل نماز تو وہی ہوتی ہے جو اذان و اقامت سے ہو" اس نماز سے کونسی نماز مراد ہے فرض یا تطوع اگر فرض مراد ہے تو بعد از وفات تکلیفی زندگی نہ ہونے کی وجہ سے آنحضرتؐ پر نماز فرض نہیں۔ جب فرض نہ ہوئی تو تطوع ہوئی تو متطوع کی تطوع (نفل) نماز بغیر اذان و اقامت کے ناقص ہے؟ اور اذان و اقامت کے ساتھ کامل ہے؟ تو حضورؐ نے فرائض کے لئے اذان کو کیوں مخصوص فرمایا۔ عیدین، کسوف، استسقاء، وغیرہ کے لئے بغیر اذان و اقامت کے آپ نے نمازیں پڑھائیں کیا یہ سب نمازیں ناقص تھیں، آپ تہجد، اشراق، ضحیٰ، وغیرہ نفل نمازیں پڑھتے تھے اور ان کے لئے اذان و اقامت نہ کہتے تھے تو کیا یہ سب نمازیں آنحضرتؐ کی ناقص تھیں؟ کیا ان نمازوں (تطوعات و نوافل) کو کامل کرنے کے لئے آپ یا آپ کے ہم مشرب اذانیں کہتے ہیں؟ اگر نہیں کہتے تو آپ کو کامل نماز کی بجائے ناقص نماز ادا کرنے کے لئے کونسا عذر معقول ہے، پھر غیر مقلد جو تہجدوں کی اذان دیتے ہیں آپ کے اس قاعدہ سے ان کو تائید ملتی ہے۔ شاید آپ ترمذی شریف پڑھاتے ہوئے اپنے شاگردوں کو تلقین فرماتے ہوں گے کہ تہجد کی نماز کے لئے اذان و اقامت کہا کرو۔ کیونکہ تہجد گھر میں بغیر جماعت کے پڑھے جاتے ہیں اور منفرد کی کامل نماز تو وہی ہوتی ہے جو اذان و اقامت سے ہو لہذا اذان و اقامت نماز میں شامل ہیں

پھر فرماتے ہیں قبر کا معاملہ اس سے الگ ہے۔

جناب! یہ دعویٰ تو ہمارا ہے آپ نے قبری نماز کو دنیوی نماز پر قیاس فرمایا ہے اور کتب فقہ کے حوالے سے آپ نے اس کو مؤید فرمایا ہے، ہماری بات تو قدیمی ہے۔ آپ کے پاس متقدمین کی کوئی سند نہیں متاخرین کا قول بے دلیل ہے

نیز آپ کے اس قول کا یہی مطلب ہے کہ قبری زندگی میں آپ اکیلئے اذان واقامت کہہ کر نماز (تطوع نوافل) اذان واقامت کے ساتھ پڑھیں گے تو آپ کی نماز کامل ہوگی اور اگر بغیر اذان واقامت کے پڑھیں گے تو آپ کی نماز ناقص ہوگی پھر اس کا ثبوت نہیں دیا اور بغیر دلیل کے کوئی دعویٰ مسموع نہیں۔ دوسرے اس کی کیا وجہ کہ دنیا میں آپ بیٹھ کر نفل پڑھتے تھے جب بھی آپ کو کامل ثواب ملتا تھا۔ اب قبری زندگی میں بغیر اذان واقامت کے نماز کا ثواب کامل نہیں مل سکتا اس لئے آپ کو اذان واقامت کہنی پڑتی ہے تاکہ ثواب کے کمال میں فرق نہ آئے تو گویا آپ قبری زندگی میں بھی مکلف ہیں جو دنیوی زندگی میں مکلف ہونے سے بھی زیادہ مکلف ہو گئے ہیں۔ دنیا میں بغیر اذان واقامت کے بیٹھ کر نماز پڑھنے سے بھی کامل ثواب ہوتا تھا، لیکن قبری زندگی میں (مولنا کے قاعدہ کے مطابق) اذان واقامت کے بغیر نماز ناقص ہوگی اور بیٹھ کر نماز پڑھنے سے بھی ناقص ہوگی اسی واسطے شاید حضرت موسیٰ علیہ السلام اسی لئے کھڑے ہو کر قبر میں نماز پڑھتے ہیں تاکہ ثواب میں کہیں کمی نہ آجائے نعوذ باللہ من ہذہ التفریعات المتفرعۃ علی القاعدۃ المخترعۃ۔

پھر آپ نے جو ارشاد فرمایا ہے کہ اس منفرد کی نماز اداء قاصر کی مد میں شامل ہوتی ہے جہاں جماعت مسنونہ مل سکتی ہو اور تغافل وکوتاہی کر کے آدمی اس کو حاصل نہ کر سکے اور پھر تکلیفی زندگی ہو۔

محترما جب جماعت مسنونہ نہ مل سکے تو منفرد کی نماز اداء قاصر کی مد میں نہ آئے گی تو پھر کیا وجہ ہے کہ جو قراءۃ بالجہر باجماعت نماز پڑھنے کی صورت میں واجب تھی اب منفرد پر سے وہ وجوب ساقط ہو گیا تاکہ جو ثواب واجب کے ادا کرنے میں ملتا ہے وہ واجب کے ادا نہ کرنے میں نہیں ملتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کا باجماعت نماز پڑھنا اسی لئے اداء کامل ہے کہ اس میں ایک واجب کا اضافہ ہے جس کے ادا کرنے میں ثواب کا بھی اضافہ ہے اور اکیلئے نماز پڑھنا اس لئے اداء ناقص ہے کہ اس میں ایک واجب کی کمی آگئی ہے جس کے نہ ادا ہونے کی وجہ سے ثواب میں بھی کمی ہوگی۔

یہی مطلب ہے صاحب نور الانوار کا رحمہ اللہ۔ اور جو مطلب آپ نے لیا ہے بالکل غلط اور صاحب کتاب کی غرض سے کوسوں دور۔ پڑھنے پڑھانے والے حضرات منظر انصاف بتائیں کہ صاحب کتاب کا وہ مطلب ہے جو محترم نے بتایا ہے یا وہ مطلب ہے جو نیلوی نے بتایا ہے

محترم صاحب اپنا مطلب نکالنے کے لئے ایسی ایسی باطل اور بے محل تاویل کرنے میں پوری طرح مشاق ہیں خواہ آداب کتاب دانی کے خلاف کیوں نہ ہو ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا

مخدوما! آپ کو خوب علم ہے کہ دلائل شرع کے چار ہیں آیۃ قرآنیہ، صحیح حدیث نبوی، اجماع مجتہدین امت محمدیہ، قیاس مجتہدین، یہ تو ہے عام احکام شرع حلال حرام جائز ناجائز صحیح باطل وغیرہ کے لیے۔ اور اعتقاد کے اثبات کے لیے قطعی دلیل کا ہونا ضروری ہے یعنی صریح آیت قرآنیہ یا متواتر حدیث نبوی، یا اجماع امت مجتہدین

اور یہ مسئلہ باب عقائد میں سے ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنے ان عرفی قبور میں بروحہ وجسدہ العنصری الحسی الحقیقی الظاہری اسی طرح زندہ ہیں جس طرح حضرت عیسٰی علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام بروحہ وجسدہ العنصری الحسی الحقیقی الظاہری آسمان پر صحیح سلامت زندہ ہیں۔ جیسے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی غذا وہی ہے جو غذا اہل السماء ملائکہ وغیرہ کی ہے۔ ایسے ہی دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کی غذا بھی وہی ہے جو اہل السماء کی ہے

آپ کو چاہیے تھا کہ جیسے حیات عیسٰی علیہ السلام قطعیہ دلائل سے علماء کرام نے مبرہن فرمایا ہے بعینہ اسی طرح دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی دنیویہ حیات قطعیہ دلائل کتاب وسنت سے مبرہن فرماتے۔ اور ان کا اذان واقامت کہہ کر نماز پڑھنا بھی قطعیہ دلائل کتاب وسنت سے مبرہن فرماتے۔ مگر آپ نے بخل سے کام لیا ہے کہ اس دعویٰ (انبیاء کرام علیہم السلام کا ان متعارف قبور میں اذان واقامت کہہ کر نماز ادا کرنا) کو قرآن حکیم کی ایک آیت سے بھی ثابت نہیں فرمایا اور نہ ہی آپ نے اس دعویٰ کو ثابت کرنے کیلیے کوئی حدیث نبوی پیش فرمائی اور نہ ہی آپ نے خلفاء راشدینؓ میں سے کسی کا ارشاد یاد فرمایا اور نہ دیگر صحابہ کرام رضؓ میں سے کسی ایک صحابیؓ کا قول نقل فرمایا نہ تابعین' تبع تابعین' مجتہدین میں سے

کسی کا قول بتایا۔ الغرض متقدمین میں سے کسی ایک سے بھی کچھ بات بتائی نہیں بتائی نہیں

آپ نے بہت زور لگایا مگر آپ کے ترکش میں سے صرف ۳ دلائل نکلے (جو ہمارے اصول میں انہیں دلیل نہیں کہا جاتا وہ محض اقوال ہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں

۱ منح المنہ ص ۹۲ مصنفہ امام عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ قد صحت الاحادیث انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ یصلی باذان واقامۃ

نیلوی کہتا ہے کہ امام شعرانیؒ کا یہ دعویٰ تہی از دلیل ہے۔ چونکہ اس قسم کی کوئی حدیث نہیں اس لیے محترم صاحب یہاں ہیرا پھیری سے کام لیتے ہوئے لکھتے ہیں" منفرد کی کامل نماز تو وہی ہوتی ہے جو اذان واقامت سے ہو۔ لہٰذا اذان واقامت خود نماز میں شامل ہیں" (تسکین ط ۲ ص ۲۳۶)

اگر محترم کے پاس کوئی ضعیف سے ضعیف حدیث ہوتی تو بڑی جسارت سے پیش فرماتے اور اس حدیث کی صحت پر اپنا پورا زور صرف فرما دیتے جیسے دوسری ضعاف کی تقویت میں ان کی روش رہی وہاں تو اپنے مقتدا مولنا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی بات بھی رد کر دی

۲ فتح الملہم ج ۳ ص ۱۵۱ میں حضرت عثمانی رہ کا حوالہ وانہ یصلی باذان واقامۃ

نیلوی کہتا ہے کہ حضرت جی نے کونسی آیت یا حدیث کا حوالہ دیا انہوں نے بھی عالم کی کتاب کا ہی حوالہ دیا ہے۔ کیا قول عالم کا نام دلیل ہے؟ ہم سے تو مطالبہ ہوتا ہے دلیل کا۔ لیکن جب ہماری باری آتی ہے تو وہیں کسی عالم کا قول بتا کر ٹرخا دیا جاتا ہے۔ مہربانا! یہ بات کچھ اچھی نہیں۔

۳ فیض الباری ج ۱ ص ۱۸۳ میں حضرت سید محمد انور شاہ صاحبؒ کا ارشاد گرامی ان کثیرا من الاعمال قد ثبتت فی القبور کالاذان والاقامۃ عند الدارمی

نیلوی کہتا ہے کہ اور چیزوں کو چھوڑ دو کیا خبر واحد جس کی سند بھی صحیح نہ ہو عقیدہ کا مدار بن سکتی ہے اگر بن سکتی ہے تو آپ کی تحریرات کا کیا مطلب ہوگا کہ عقیدہ کے لیے خبر واحد صحیح بھی کافی نہیں۔

پھر یہ بھی جزئی واقعہ۔ اس کو قاعدہ کلیہ بنا لینا آپ جیسے علماء سے بعید نہیں ہے

پھر تیسری بات یہ ہے کہ کرامت پر قیاس نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ خرق ہوتی ہے۔

اذان واقامت سے نماز پڑھنا تو رہا اپنی جگہ۔ مطلقاً نماز پڑھنے کے بارے کوئی دلیل قطعی آپ کے پاس ہے؟ جب کہ یہ قاعدہ آپ کو بھی مسلم ہے کہ عقیدہ کے اثبات کے لیے خبر واحد صحیح بھی ناکافی ہے۔

ابو یعلی نے جو اپنی مسند میں حدیث بیان کی ہے اس پر بحث گذر چکی ہے وہ دوبارہ اسی حصہ میں دیکھ سکتے ہیں

نیز نماز انبیاء علیہم السلام کا دوامی عمل ہے یا بعض وقتوں کا عمل ہے۔ ابو یعلی والی حدیث سے دائمی اور استمراری عمل معلوم ہوتا ہے کیونکہ یصلون مضارع حال ہے جو دلالت استمرار پر کرتا ہے اور امام بدرالدین بعلی حنبلی رح نے مختصر الفتاوٰی (لابن تیمیہؒ) ص۲۰ میں لکھا ہے وقت یصلون اور اس کے معنے حضرت شیخ الحدیث ابو الزاہد نے تسکین الصدور ما ۲ ص ۲۴۰ میں لکھا اور لبا اوقات نماز بھی پڑھتے ہیں۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کی قبوری زندگی میں نماز دائمی اور غیر منقطع نہیں ہے کبھی نماز نہیں پڑھتے۔ ان دونوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے

ہوسکتا ہے کہ یصلون میں علماء قد مقدر کرلیں تو معنے یہی ہو کہ کبھی کبھار آپ نماز پڑھتے ہیں۔ تو مطلب یہ ہوا کہ جب آپ نماز پڑھتے ہیں تو جیسے کوئی فنا فی اللہ ہوتا ہے اسی طرح آپ اس وقت مستغرق ہوتے ہیں۔ اس وقت آپ کو زائرین اور سلام کرنے والے کا کچھ علم نہ ہو اور جب نماز سے فارغ ہولیں اس وقت آپ کی توجہ زائرین اور سلام کرنے والوں کی طرف ہو۔

اس صورت میں جب نماز کی حالت میں کسی نے آپ کو سلام کہا اور چلا گیا تو وہ بیچارہ محروم آیا اور محروم ہی لیا۔ کیونکہ اس وقت میں آپؐ دیدار الٰہی میں مستغرق ہیں مخلوق کی طرف توجہ نہیں۔ اگر نماز میں توجہ مخلوق کی طرف ہو تو نماز کیسی جس میں غیر اللہ کی توجہ ہے۔

لہٰذا یہ سب قیاسات ہیں کہ آپ اذان واقامت کے ساتھ اس متعارف قبر میں متعارف نمازیں پڑھتے ہیں۔ اس بارے میں نہ کوئی آیت قرآنیہ ہے نہ صحیح حدیث نبوی نہ اجماع امت۔ صحیح وہی ہے کہ انبیاءؑ کرام کے ساتھ ملاء اعلیٰ میں رفیق اعلیٰ کے ساتھ جنت کے اس اعلیٰ مقام میں تشریف فرما ہیں جو خواب میں آپ نے دیکھا تھا اور اندر جانے کی خواہش ظاہر فرمائی تھی اور جسد عنصری آپ کا تر و تازہ صحیح سلامت قبر میں ہے

سلامت اجساد انبیاء امت مسلمہ میں مُسَلَّم ہے

آج وہ فرقہ بھی ظہور پذیر ہو گیا ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کے معطر مقدس مطہر اجساد کے بارے اعلان کر رہے ہے کہ معاذ اللہ وہ مٹی میں مٹی ہو گئے ہیں۔ لہٰذا ہم نے اس کے خلاف قلم اٹھایا

مسند احمد جلد ۴ ص ۸ میں ہے حدثنا عبد اللہ ثنی ابی ثنا حسین بن علی الجعفی عن عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر عن ابی الاشعث الصنعانی عن اوس بن ابی اوس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من افضل ایامکم یوم الجمعۃ فیہ خلق آدم وفیہ قبض وفیہ النفخۃ۔۔ وفیہ الصعقۃ فاکثروا علیّ من الصلوٰۃ فیہ فان صلوٰتکم معروضۃ علیّ۔ فقالوا یا رسول اللہ وکیف تعرض علیک صلوٰتنا وقد ارمت یعنی وقد بلیت قال ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء صلوات اللہ علیہم۔ اسی طرح مسند احمد جلد ۴ ص ۹ و ۴ ۱۰ میں بھی ہے

مستدرک حاکم جلد ۱ ص ۲۷۸ میں ہے حدثنا ابو العباس محمد بن یعقوب ثنا ابو جعفر احمد بن عبد الحمید الحارثی ثنا الحسین بن علی الجعفی ثنا عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر عن ابی الاشعث الصنعانی عن اوس بن ابی اوس الثقفی قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من افضل ایامکم یوم الجمعۃ فیہ خلق آدم وفیہ قبض وفیہ النفخۃ وفیہ الصعقۃ فاکثروا علیّ من الصلوٰۃ فیہ فان صلوٰتکم معروضۃ علیّ۔ قالوا وکیف صلوٰتنا علیک وقد ارمت فقال: اللہ عزوجل قد حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء۔ ہٰذا حدیث صحیح علی شرط البخاری ولم یخرجاہ

التلخیص للذہبی ج ۱ ص ۲۷۸: عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر عن ابی الاشعث الصنعانی عن اوس بن ابی اوس الثقفی قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من افضل ایامکم یوم الجمعۃ فیہ خلق آدم وفیہ قبض وفیہ النفخۃ وفیہ الصعقۃ فاکثروا علیّ من الصلوٰۃ فیہ فان صلوٰتکم معروضۃ علیّ۔ قالوا وکیف تعرض صلوٰتنا علیک وقد ارمت قال ان اللہ عزوجل حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء۔ علی شرط خ (البخاری) اسی طرح مستدرک حاکم وتلخیص ذہبی ج ۴ ص ۵۶۰ میں ہے۔ صرف وہاں ابو العباس محمد بن یعقوب کا استاذ بجائے ابو جعفر حارثی کے ابو البختری عبد اللہ بن

محمد بن شاکر کوفی ہے وہ بھی حارثی کی طرح حسین بن علی جعفی کا شاگرد ہے۔ اور وہاں حاکم و ذہبی نے کہا ہٰذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ۔

منتخب کنز العمال بر حاشیہ مسند احمد جلد ۲ ص ۳۱۸ میں بحوالہ حم (مسند احمد) و د (ابوداؤد) د ہ (ابن ماجہ) و ن (نسائی) و حب (ابن حبان فی صحیحہ) و ک (مستدرک حاکم) روایت کیا عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ان اللہ تعالٰی حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء

السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۴۹ میں بیہقی نے لکھا ہے اخبرنا ابو عبد اللہ وابو سعید بن ابی عمرو قالا حدثنا ابو العباس محمد بن یعقوب انبانا ابو جعفر احمد بن عبد الحمید الحارثی ثنا الحسین بن علی الجعفی عن عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر عن ابی الاشعث الصنعانی عن اوس بن اوس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل ایامکم یوم الجمعۃ فیہ خلق آدم وفیہ قبض وفیہ النفخۃ وفیہ الصعقۃ فاکثروا علیّ من الصلوٰۃ فیہ فان صلوٰتکم معروضۃ علیّ قالوا یا رسول اللہ وکیف تعرض صلوٰتنا علیک وقد ارمت یقولون قد بلیت قال ان اللہ عز وجل حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء۔ وقال ابو عبد اللہ مرۃ ان من افضل ایامکم یوم الجمعۃ۔ اخرجہ ابو داؤد فی کتاب السنن۔

ابو داؤد مع شرح عون المعبود ج ۱ ص ۴۰۵ میں ہے حدثنا ہارون بن عبد اللہ نا حسین بن علی عن عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر عن ابی الاشعث الصنعانی عن اوس بن اوس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من افضل ایامکم یوم الجمعۃ فیہ خلق آدم وفیہ قبض وفیہ النفخۃ وفیہ الصعقۃ فاکثروا علیّ من الصلوٰۃ فیہ فان صلوٰتکم معروضۃ علیّ قال قالوا یا رسول اللہ وکیف تعرض صلوٰتنا علیک وقد ارمت قال یقولون بلیت فقال ان اللہ عز وجل حرم علی الارض اجساد الانبیاء۔

نسائی ج ۱ ص ۱۶۲، باب اکثار الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الجمعۃ مع التعلیقات السلفیۃ اخبرنا اسحٰق بن منصور ثنا حسین بن علی الجعفی...... عن اوس بن ابی اوس عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم ان من افضل ایامکم یوم الجمعۃ...... قال ان اللہ عز وجل قد حرم علے الارض ان تاکل اجساد الانبیاء

ابن ماجہ ص ۷۷، ۱۱۹ میں حدثنا ابوبکر بن ابی شیبۃ ثنا الحسین بن علی ..... قال ع ان اللہ عزوجل حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء۔

فتح الباری ج ۶ ص ۳۵۲ میں حافظ ابن حجرؒ نے صحیح بخاری کے باب قول اللہ تعالیٰ واذکر فی الکتاب مریم اذ انتبذت من اھلھا کے تحت لکھا وعند ابی داؤد والنسائی وصححہ ابن خزیمۃ وغیرہ عن اوس بن ابی اوس رفعہ فی فضل یوم الجمعۃ فاکثروا علی من الصلوٰۃ فیہ فان صلوٰتکم معروضۃ علیّ قالوا یا رسول اللہ وکیف تعرض صلوٰتنا علیک وقد ارمت قال ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء

کتاب الاذکار للنووی ص ۱۰۶ میں ہے وروینا فی سنن ابی داؤد والنسائی وابن ماجہ بالاسانید الصحیحۃ عن اوس بن ابی اوس مرفوعًا ان من افضل ایامکم یوم الجمعۃ ...... قال ان اللہ عزوجل قد حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء

سیوطیؒ نے الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۲۷۹ باب اختصاصہ صلی اللہ علیہ وسلم بعدم بلاء جسدہٗ میں لکھا ہے اخرج ابن ماجہ وابونعیم عن اوس بن ابی اوس الثقفی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من افضل ایامکم یوم الجمعۃ فاکثروا علیّ الصلوٰۃ فیہ فان صلوٰتکم تعرض علیّ قالوا یا رسول اللہ وکیف تعرض صلوٰتنا علیک وانت قد ارمت یعنی بلیت فقال ع ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء

الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۲۸۰ میں ہے واخرج الزبیر والبیہقی عن ابی العالیۃ قال ان لحوم الانبیاء لا تبلیھا الارض ولا تاکلھا السباع

واخرج الزبیر بن بکار فی "اخبار المدینۃ" عن الحسنؒ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کلمہ روح القدس لم یؤذن للارض ان تاکل من لحمہ

القول البدیع ص ۱۵۷ وعن اوس ابن اوس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان افضل ایامکم یوم الجمعۃ فیہ خلق آدم وفیہ قبض وفیہ النفخۃ وفیہ الصعقۃ فاکثروا علیّ من الصلوٰۃ فیہ فان

صلوتکم معروضۃ علیّ قالوا یا رسول اللہ وکیف تعرض صلوتنا علیک وقد ارمت یعنی بلیت قال ان اللہ عزوجل حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء رواہ احمد فی مسندہ وابن ابی عاصم فی الصلوۃ و البیہقی فی حیاۃ الانبیاء وشعب الایمان وغیرہما من تصانیفہ وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ فی سننہم والطبرانی فی معجمہ وابن حبان وابن خزیمۃ والحاکم فی صحاحہم وقال (الحاکم) ہذا حدیث صحیح علی شرط البخاری ولم یخرجاہ. وکذا صححہ النووی فی الاذکار. وقال الحافظ عبد الغنی انہ حسن صحیح وقال المنذری انہ حسن. قال ابن دحیۃ انہ صحیح محفوظ بنقل العدل عن العدل فی کلام لہ فیہ طویل وتہویل.

قلت ولہذا الحدیث علۃ خفیۃ وہی ان حسینا الجعفی راویہ اخطأ فی اسم جد شیخہ عبد الرحمٰن بن یزید حیث سماہ جابرا وانما ہو تمیم کما جزم بہ ابو حاتم وغیرہ. وعلی ہذا ابن تمیم منکر الحدیث ولہذا قال ابوحاتم ان الحدیث منکر. وقال ابن العربی انہ لم یثبت. لکن قد رد ہذہ العلۃ الدارقطنی وقال ان سماع حسین من ابن جابر ثابت. والی ہذا جنح الخطیب. و العلم عند اللہ تعالیٰ انتہیٰ.

فتح الملہم ج ا ص ۴۲۲ میں مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی رحمہ اللہ نے لکھا وعند ابی داؤد والنسائی وصححہ ابن خزیمۃ وغیرہ عن اوس بن اوس رفعہ فی فضل یوم الجمعۃ فاکثروا فیہ علیّ من الصلوۃ فان صلوتکم معروضۃ علیّ. قالوا یا رسول اللہ وکیف تعرض صلوتنا علیک وقد ارمت قال ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء

ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر ج ۳ ص ۵۱۴ میں لکھا قال الامام احمد حدثنا حسین بن علی الجعفی عن عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر عن ابی الاشعث الصنعانی عن اوس بن اوس الثقفی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من افضل ایامکم یوم الجمعۃ فیہ خلق آدم وفیہ قبض وفیہ النفخۃ وفیہ الصعقۃ فاکثروا علیّ من الصلوۃ فیہ فان صلوتکم معروضۃ فیہ علیّ قالوا یا رسول اللہ وکیف تعرض علیک صلوتنا وقد ارمت یعنی وقد بلیت قال ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء. ورواہ ابوداؤد والنسائی و ابن ماجہ من حدیث حسین بن علی الجعفی وقد صحح ہذا الحدیث ابن خزیمۃ وابن حبان والدارقطنی والنووی فی الاذکار. انتہیٰ

فتح الباری ج۱۱ ص ۳۴۴ میں ہے وورد الامر باکثار الصلوٰۃ علیہ یوم الجمعۃ من حدیث اوس بن اوس رفعہ عند احمد وابی داؤد وصححہ ابن حبان والحبان

عمدۃ القاری ج ۶ ص ۶۹ میں ہے صح عنہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الارض لا تاکل اجساد الانبیاء

کتاب الروح ص ۵۴ میں ہے ومعلوم بالضرورۃ ان جسدہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الارض طری مطر

نیز لکھا ہے صح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان الارض لا تاکل اجساد الانبیاء،

مرقاۃ شرح مشکوۃ ج۲ ص ۲۰۹ میں ملا علی قاریؒ نے اسی طرح لکھا

شفاء السقام ص ۳۷ میں علامہ سبکی نے لکھا قال الشیخ الحافظ زکی الدین المنذری ولہ علۃ دقیقۃ اشار الیہا البخاری وغیرہ وقد جمعت طرقہ فی جزء الحدیث المذکور من روایۃ حسین الجعفی عن عبد الرحمن بن یزید بن جابر عن ابی الاشعث الصنعانی عن اوس بن اوس . وہٰؤلاء ثقات مشہورون . وعلتہ ان الحسین بن علی الجعفی لم یسمع من عبد الرحمن بن یزید بن جابر وانما سمع من عبد الرحمن بن یزید بن تمیم وہو ضعیف . فلما حدث بہ الجعفی غلط فی اسم الجد فقال "ابن جابر" . قلت وقد رواہ احمد فی مسند عن حسین الجعفی عن عبد الرحمن بن یزید بن جابر ہٰکذا بالعنعنۃ . وروی حدیثین آخرین بعد ذلک فی ج۴ ص ۹ و قال فیہما حسین ثنا عبد الرحمن بن یزید بن جابر . وہٰذا لا ینافی الغلط ان صح انہ لم یسمع منہ (یعنی اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ واقعی بخاری وغیرہ نے صحیح کہا ہے کہ حسین نے ابن جابر سے نہیں سنا تو ان دو حدیثوں میں جو تحدیث کے الفاظ ذکر ہیں غلط ہو جائیں گی۔

روح المعانی ج۳ ص ۳۱۵ میں علامہ آلوسیؒ نے لکھا ہے قال الامام احمد حدثنا حسین بن علی ... ورواہ ابو داؤد والنسائی وابن ماجہ من حدیث حسین بن علی الجعفی وقد صحح ہٰذا الحدیث ابن خزیمۃ وابن حبان والدارقطنی والنووی فی الاذکار

حدیث آخر قال ابو عبد اللہ بن ماجہ حدثنا عمرو بن سواد .... عن ابی الدرداء فنبی اللہ حی یرزق

ہذا حدیث غریب من ہذا الوجہ و فیہ انقطاع بین عبادۃ بن نسی و ابی الدرداء فانہ لم یدرکہ واللہ اعلم......

و روی مرسلاً عن الحسن البصری فقال اسماعیل القاضی حدثنا سلیمان بن حرب ثنا جریر بن حازم سمعت الحسن البصری یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تاکل الارض جسد من کلمہ روح القدس

مرسل حسن والنووی فی الاذکار۔

الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۲۷۸ میں علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے لکھا ہے واخرج ابن سعد عن الحسن رح قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افرشوا الی قطیفتی فی لحدی فان الارض لم تسلط علی اجساد الانبیاء

البدایۃ والنہایۃ ج ۵ ص ۲۶۶ میں مؤرخ ومفسر کبیر امام ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے۔

واختلف المتاخرون من اصحاب الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فی مشروعیۃ الصلوٰۃ علی قبرہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لغیر الصحابۃ رضی اللہ عنہم اجمعین فقیل نعم لان جسدہٗ علیہ الصلوٰۃ والسلام طری فی قبرہ لان اللہ قد حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء کما ورد بذلک الحدیث فی السنن وغیرھا فھو کالمیت الیوم. وقال آخرون لا یفعل لان السلف ممن بعد الصحابۃ رضی اللہ عنہم لم یفعلوہ ولو کان مشروعاً لبادروا الیہ ولثابروا علیہ واللہ اعلم.

تفسیر مظہری میں ہے اخرج ابن مندۃ عن جابر بن عبد اللہ رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا مات حامل القرآن اوحی اللہ تعالیٰ الی الارض ان لا تاکل لحمہ فتقول الارض یارب کیف آکل لحمہ وکلامہ فی جوفہ. وقال ابن مندۃ وفی الباب عن ابی ھریرۃ وابن مسعود رضی اللہ عنہما۔

واخرج المروزی عن قتادۃ رح قال بلغنی ان الارض لا تسلط علی الجسد الذی لم یعمل خطیئۃ.

اقوالِ فقہاء کرامؒ

ہدایہ ج ۱ ص ۱۶۰ میں ہے وان صلی الولی لم یجز لاحد ان یصلی بعدہ لان الفرض یتادی بالاولی. والتنفل بہا غیر مشروع . ولہٰذا رأینا الناس ترکوا عن اٰخرہم الصلوٰۃ علیٰ قبر النبی علیہ السلام وھو الیوم کما وضع

ابن ہمام رحمہ اللہ نے فتح القدیر ج ۱ ص ۸۵۴ میں لکھا ولو کان مشروعاً لما اعرض الخلق کلہم من العلماء والصالحین والراغبین فی التقرب الیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بانواع الطرق عنہ فہذا دلیل ظاہر علیہ فوجب اعتبارہ

عنایہ شرح ہدایہ برہامش فتح القدیر میں اکمل الدین محمد بن محمود البابرتی رح نے لکھا وقولہ وھو الیوم کما وضع لان لحوم الانبیاء علیہم السلام حرام علی الارض . بہ ورد الاثر .

کبیری ص ۵۴۰ میں ہے ولو شرع التنفل بہا یصلی علیٰ قبرہ علیہ السلام الیٰ یوم القیٰمۃ لانہ الاٰن کما وضع لان الارض لا تاکل اجساد الانبیاء الخ

بدائع صنائع ج ۱ ص ۳۱۱ میں علامہ کاسانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے والدلیل علیہ ان الامۃ توارثت ترک الصلوٰۃ علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلی الخلفاء الراشدین والصحابۃ رضہ ولو جاز لما ترک مسلم الصلوٰۃ علیہم خصوصاً علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لانہ فی قبرہ کما وضع فان لحوم الانبیاء حرام علی الارض . بہ ورد الاثر وترکہم ذٰلک اجماعاً منہم دلیل علیٰ عدم جواز التکرار

مستخلص شرح کنز ص ۵۱ میں ہے انہ فی القبر الیوم کما وضع لان لحوم الانبیاء حرام علی الارض کما فی الہدایۃ (ص ۱۶۰)

اسی طرح بحر الرائق میں ابن نجیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے

اسی طرح ابن عابدین شامی نے رد المحتار ودیگر رسائل میں بھی تحریر فرمایا ہے

حاصل تمام اس بحث کا

۱ اوس ابن اوس ۲ ابوالدرداء ۳ عائشہ صدیقہ ۴ جابر بن عبداللہ ۵ ابوہریرہ ۶ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اجمعین سے مروی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد طیبہ کو مٹی نہیں کھاتی

۱ ابوالعالیہ ۲ حسن بصری ۳ قتادہ تابعین عظام سے بھی یہی مروی ہے

صاحب ہدایہ، ابن ہمام، صاحب عنایہ، صاحب کفایہ، صاحب مستخلص، صاحب کبیری، عینی، کاسانی، ابن نجیم، صاحب درمختار، صاحب ردالمحتار، طحطاوی، صاحب ملتقی الابحر وغیرہ فقہاء کرام کا بھی یہی مسلک ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسادِ طیبہ کو مٹی نہیں کھاتی۔ بلکہ وہ صحیح سلامت اسی حالت میں ہیں کہ جس حالت میں انہیں قبر شریف میں رکھا گیا تھا۔

مسند احمد	علامہ عینی	سید آلوسیؒ	شبیر احمدؒ
حاکم	ابن قیم	زبیر بن بکار	دار قطنی
ذہبی	ملا علی قاری	ابونعیم	ثناء اللہ پانی پتیؒ
ابو داؤد	سبکی	طیبی	امام رازیؒ
نسائیؒ	سخاوی	مفسر ابن کثیرؒ	قرطبیؒ
ابن ماجہ	ابن ابی عاصم	ابن حبان	علامہ تھانویؒ
بیہقی	طبرانی	ابن خزیمہ	امام اسحقؒ
منتخب کنز العمال	حافظ ابن حجر	خطیب بغدادی	ابن حبان
عون المعبود	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	عبدالغنی الحافظ	شافعیہ
نووی	خطابی	الحافظ زکی الدین المنذری	مالکیہ
سیوطی	خلیل احمدؒ	ابن دحیہ	حنابلہ

سب کے سب سلامت اجساد انبیاء کرام علیہم السلام کے قائل ہیں تو یہ مسئلہ مجمع علیہا ہے فللہ الحمد

شبہ نمبر ۱

اعرابی کی حدیث

دفع التوہم عن آیۃ ولو انہم

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا

صاحب تسکین نے ص۱۹۶، ۱۹۷ میں عتبی کی ایک ضعیف روایت نقل فرمائی ہے کہ دیہاتی حضورؐ کی قبر کے پاس آکر کہتا ہے السلام علیک یا رسول اللہ میں نے سنا ہے کہ اللہ فرماتا ہے ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لہم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما اسی لئے میں اپنے گناہوں کی معافی مانگنے کیلئے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی پیش کرنے آیا ہوں انتہی کلامہ

کیا مذہب جمہور کا مدار ضعیف حدیثوں پر ہے

صاحب تسکین جمہور کا بہت دلدادہ ہونے کے باوجود ایک ضعیف حدیث کا سہارا لئے بیٹھے ہیں۔ کیوں جناب جمہور کے مذہب کی مدار ضعیف ہی حدیثوں پہ ہوتی ہے۔ جب عود روح کا مسئلہ آیا تو جمہور کا نام لیا اور ضعاف حدیثوں کا سہارا لیا جب حیات انبیاء کا مسئلہ آیا جب بھی جمہور کا نام لیا اور ضعاف حدیثوں کا سہارا لیا جن کے ضعف کا اقرار خود حضرت نانوتوی کر گئے کیا۔ جب قبر نبی پر سلام و صلوٰۃ کے سماع کا مسئلہ آیا جب بھی جمہور کا نام لیا اور منگھڑت حدیث

کا سہارا لیا اب باری آئی توسّل بالذوات والاموات کی اسمیں بھی جمہور کا نام لے کر اس منگھڑت حدیث کو اپنا مستدل بنایا

ایک تو ضعیف حدیث دوسرے عمل ایک دہاتی کا، دیکھو ناں! جب ایک صحابیِ رسولؐ کا عمل حجت نہیں ہو سکتا تو دہاتی کا عمل کس طرح حجت بن سکتا ہے! تیسری بات یہ ہے کہ یہ واقعہ بھی بیداری کا نہیں ہے بلکہ خواب کا ہے! اور شرع میں یہ بات محقق ہے کہ نبیؐ کا خواب تو حجت ہوتا ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام خواب میں دیکھتے ہیں کہ اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم پارہے ہیں۔ لیکن غیر نبی کا خواب حجت نہیں ہوتا جب تک مؤید بالوحی نہو

کسی عمل کی نکیر منقول نہ ہونا اس کے جواز کی دلیل نہیں

پھر صاحبِ تسکین کا یہ کہنا کہ "خیر القرون کا عہد تھا اور کسی سے اس وقت نکیر منقول نہیں بس حجت ہو گیا" (ص۱۹)

یہ جب درست ہو سکتا ہے جب اہلِ علم تک رسائی ہو، اہلِ علم کو جب ایک واقعہ جزئیہ کی خبر ہی نہ ہو تو اس کا رد یا اس کی تصویب کیسے کریں گے یا پھر بریلویہ کی طرح اُن کو عالم الغیب مانو تب تمہارا اعتراض سجتا ہے۔

تم تو خیر القرون میں سے بھی آخری عہد کی بات کر رہے ہو ہم خیر القرون کا اونچا دور حضرت عمرؓ کا عہد بتاتے ہیں جسمیں اعرابی (دہاتی) حضورؐ کی قبر پہ پہنچ کر بارش کی دعا کرواتا ہے سب علماء نے اسے بدعت میں شمار کیا ہے اگر یہ آپ کی بات حق ہے تو ان تمام علماء کی تغلیط فرمائیے اور شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کا بھی رد فرمائیے اور شاہ اسمعیلؒ شہید کو بدعت کی تعریف سمجھائیے (چھوٹا منہ اور بڑی بات)

اگر نکیر ہونے نہونے پر حجیّت کا توقف ہے تو کتنے واقعات عہد نبوی میں ایسے پائے جاتے ہیں کہ صحابی کا عمل ہوتا ہے اور اس پر نکیر نہیں کی جاتی یا نکیر نقل ہو کر ہم تک نہیں پہنچی تو اس کو حجت کوئی نہیں سمجھتا۔ مثلاً ایک صحابی کو نماز کی حالت میں تیر لگا اُن کا خون بہتا رہا وہ نماز پڑھتے رہے کسی سے ان کی نماز پر نکیر منقول نہیں کہ جناب! آپ نماز کا اعادہ فرمائیں، آپ کی نماز جریانِ دم کی وجہ سے ٹوٹ گئی تھی اسی طرح حضرت ابو محذورہؓ اذان میں ترجیع کے

قائل تھے صحابہؓ میں سے کسی نے ان پر نکیر نہیں فرمائی۔ مسجد نبوی میں ایک کم سن بچہ ایک قوم کی امامت کیا کرتا تھا جس کا سجدہ میں جاتے ہوئے ننگ کھل جاتا تھا مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرامؓ سے یہ حدیثوں میں نقل نہیں ملی کہ انہوں نے اس پر نکیر کی ہو اور کہا ہو کہ اے قوم! اس بچے کے پیچھے تمہاری نمازیں نہیں ہوئی ہیں ایک تو بچہ نابالغ ہے اس کی امامت درست نہیں ہے دوسرے ستر عورت نماز کی شرط ہے جس کے بغیر نماز نہیں ہوتی اور اس بچہ کا سجدہ میں جاتے وقت ننگ کھل جاتا تھا اس لئے پھٹے پرانے کُرتے میں جتنی نمازیں تم نے اس کے پیچھے پڑھی ہیں ان کا اعادہ تم پر ضروری ہے انتہٰی

صاحب تسکین جانتے ہیں کہ اس بچہ کی امامت کا واقعہ حجت نہیں حالانکہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے اس کی نکیر منقول نہیں حالانکہ نبی تھے صاحب وحی تھے اب عہد نبوت ختم ہونے کے بعد عہد خلافت راشدہ میں ایسے واہیوں کا عمل بغیر نکیر منقول ہونے کے بھی حُجّت نہیں تھا۔ اب اس دورِ فتن میں جب کہ خیر القرون کا چراغ سحری ٹمٹما رہا ہے۔ واہیوں کا عمل کس قاعدہ اور کس اصول کے تحت حُجّت ہو سکتا ہے؟۔

محض احتمالات سے حکم نہیں لگایا جاسکتا

اگر کہو کہ ہو سکتا ہے کہ اُس عہد کے علماء کو اس واقعہ کا علم ہو چکا ہو اور پھر انہوں نے سکوت فرمایا ہو اور سکوت صحابہ وسلف بمنزلۂ اباحتِ حکم ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نرے احتمال سے حکم شرع ثابت نہیں ہوتا ہے نیز سکوت ہر عالم کا حجت بھی نہیں ہو سکتا معصومؐ کا سکوت تو ہر حال میں حجّت ہے اور صحابہ کرامؓ کا سکوت اس وقت حُجت ہے کہ صحابیؓ کو اس کے انکار پر قدرت ہو اور اس کام کا کرنے والا مسلمان بھی ہو

نور الانوار صفحہ ۳۰

صحابہ کے بعد دوسرے علماء کا سکوت کوئی حُجت نہیں خصوصاً جب دُورِ فتن ہو اور وُہ زمانہ تھا اعتزال و رفض کا اگر کہو کہ علماء نے اسے مستحسن قرار دیا ہے تو ہم کہیں گے علماء سے مراد مجتہدین ہیں یا دوسرے؟ اگر مجتہدین مراد ہیں تو استحسان علمائے مجتہدین کا صحیح سند سے دکھاؤ۔ ورنہ تو ہم آپ ہی کی کتاب تبریۃ النواظر صفحہ ۱۲ کا شعر پڑھ دیں گے۔

شعر

نیست حُجت قول و فعل ہیچ پیر ❊ قول حق و قول احمد صلی اللہ علیہ وسلم را بگیر

نیز علماء کا استحسان حجج شرعیہ میں سے نہیں اور نہ ہی غیر مجتہدین کا اجماع حجت ہے اور اجتہاد بعد ۴۰۰ھ تک ختم ہو گیا۔[1]

اور تفہیم المسائل ص ۶۹ میں ہے۔ وسوائے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم و خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم فعل کسے حجت نیست کما بتین فی اصول الفقہ

ایک اعتراض اور اس کا جواب

محترم نے اعرابی کے واقعہ کو بڑی اہمیت بخشی ہے اور فرمایا یہ بات پیش نظر ہے کہ اس واقعہ سے استدلال اس رنگ میں نہیں کہ عتبی کوئی بڑے پارسا بزرگ اور ثقہ راوی تھے جن کی اس کارروائی کی پیروی کی جاری ہے۔ فرض کیجئے کہ وہ بادہ مست بھی ہوں جیسا کہ بعض کتابوں میں اس کا ذکر بھی ہے۔۔۔۔ بلکہ استدلال اس انداز سے ہے کہ اس کی اس کارروائی کو ہر مکتب فکر کے علماء کرام کی اکثریت نے مستحسن سمجھ کر اس پر عمل کیا ہے اور تلقی امت اور تعامل علماء و فقہاء سے یہ کارروائی جواز کا درجہ رکھتی ہے (تسکین ط۲ ص ۳۵۲)

الجواب ہماری مندرجہ بالا تقریر سے آپ اس کا جواب سمجھ چکے ہوں گے کہ استحسان علماء غیر مجتہدین حجت شرعیہ نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ محترم کی تقریر سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ علماء و فقہاء امت محمدیہ کا یہی طریقہ رہا ہے کہ بادہ مست کے قول و عمل کو اپنا مستدل بنائیں اور اس پر عمل پیرا ہو جائیں اور اس پر اجماع کریں۔ حالانکہ یہ محض بہتان عظیم ہے ان علماء کرام پر۔ ورنہ کہنا پڑے گا کہ علماء کی اکثریت بجائے قرآن و حدیث کے بادہ مست کی متبع ہے

تیسرے یہ کہ یہ آپ کا قول "اس کی اس کارروائی کو ہر مکتب فکر کے علماء کرام کی اکثریت نے مستحسن سمجھا" اس قول کے معارض ہے جو آپ صفحہ ۳۵۲ میں تحریر فرما آئے ہیں۔ یعنی (تمام یا اکثر علماء نہیں بلکہ) ایک جماعت نے عتبی سے یہ مشہور حکایت نقل کی ہے

چوتھے بلکہ تعجب اس امر پر ہے کہ حکایت جو اس قدر مشہور تھی اس زمانہ کے محدثین دارمی، بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، طحاوی، ابوبکر بن ابی شیبہ، عثمان بن ابی شیبہ، احمد بن حنبل، عبد بن حمید، ذہبی، مزنی رحمہم اللہ وغیرہم نے اس مستحسن امر کو اپنی کتب کی زینت کیوں نہ بنایا

---

[1] القیاس بعد ارجاء، مسعود (تحری ص ۵۵)

(۱) شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا جواب

قبر اطہر پر کھڑے ہو کر آپ کے لئے دعا کرنے کو بعض علماء نے ناجائز قرار دیا ہے۔ بلکہ آپ پر سلام بھیجنے کے لئے وقوف کو بھی ممنوع قرار دیتے ہیں۔ لیکن وفات کے بعد آپ سے دعا کروانا اور آپ سے مغفرت اور شفاعت کی درخواست کرنا ائمہ اربعہ کے علاوہ بھی کسی امام سے اس کا جواز منقول نہیں۔ مسنون دعائیں بھی اس سے خالی ہیں۔ البتہ یہی قبر اطہر پر کھڑے ہو کر ولو انھم اذ ظلموا انفسہم جاء وک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما آیت کی تلاوت کرے۔ الرد علی الاخنائی ۲۲۲

(۲) مولوی نعیم الدین مرادآبادی کا جواب

یہ حکم بزمانہ حیات کریم نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھا نہ بعد وفات شریف۔ خود مولوی نعیم الدین کی مسلمہ مستندہ بوارق بدایونی ص ۲۲۶ میں اس کا ترجمہ مرقوم ہے "اور اگر ان لوگوں نے جس وقت اپنا برا کیا تھا آتے تیرے پاس پھر اللہ سے بخشواتے اور بخشواتا ان کو رسول تو اللہ کو پاتے معاف کرنے والا مہربان" یعنی وہ اپنے نفاق پر نادم ہوتے رسول کے پاس آتے اور خود بھی اللہ سے اپنی مغفرت چاہتے اور رسول بھی ان کے لئے معافی کی دعا مانگتا تو اللہ ان کی دعا قبول فرما لیتا۔ کیونکہ منافقین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج پہنچایا تھا اس لئے حاضر ہونے کو شرط فرمایا گیا۔ یہی اس آیت کا سیاق و سباق ہے چنانچہ تفسیر مظہری میں مرقوم ہے انہم ای المنافقین اذ ظلموا انفسہم بالنفاق و التحاکم الی الطاغوت جاؤک تائبین بالاخلاص فاستغفروا اللہ بالتوبۃ واعتذروا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاخلاص

(۳) عبدالقہار کا جواب

حاشیہ ترجمہ عبدالقہار ص ۱۱۳ میں ہے ف ۱ ابو منصور صباغ نے اپنی کتاب میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر کے پاس بیٹھ کر گناہوں کے استغفار اور شفاعت طلب کرنے کے متعلق جو واقعہ لکھا ہے وہ واقعہ نہ کسی حدیث کی کتاب میں مذکور ہے اور نہ اس کی کوئی صحیح سند جیسا کہ فرقہ غالیہ کا بھی عقیدہ ہے وہ نبی علیہ السلام کے حاضر

ناظر ہونے پر دلیل لیتے ہیں حالانکہ یہ غلط عقیدہ ہے۔ اگر آپؐ ہر کسی کے حال سے واقف ہوتے تو کیا وجہ کہ اپنے عہد کے منافقوں کے حال سے آپؐ کیوں بے خبر رہے؟ اللہ تعالیٰ نے تو آپؐ کو وحی کے ذریعہ ان کے حال کی خبر دی۔ آیت کا یہ حکم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں ہی تھا۔ وصال کے بعد نہیں۔ کیونکہ کسی صحابی سے آپ کے انتقال کے بعد قبر پر کھڑے ہو کر سوال کرنا کچھ مانگنا ثابت نہیں۔ صحیح مسلم میں ہے ہر انسان کا ہر عمل اس کی موت کے ساتھ منقطع ہو جاتا ہے سوائے الباقیات الصالحات کے جس کا ثواب اس کو پہنچتا رہتا ہے

④ شیخ القرآنؒ کا جواب

جواہر القرآن ج ا ص ۲۲۷ ۲۶۲ میں ہے اس آیت کا تعلق حضور علیہ السلام کی زندگی کے واقعہ سے ہے اور اب آپ کی قبر سے استمداد و استشفاع جائز نہیں جیسا کہ حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰقؒ نے شاہ عبد الحق محدث دہلویؒ کی ایک عبارت سے پیدا ہونے والی غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: "وحق آں ہست کہ انکارِ فقہاء عام ہست از آنکہ استمداد از قبورِ انبیاء کنند یا از قبورِ غیر ایشاں ہمہ جائز نیست چنانچہ از عبارت دیگر کتب فقہاء کہ در ایں جواب ایراد کردہ می شود واضح خواہد گردید (مسائل اربعین۔ مسئلہ نمبر ۴۰، ص ۳۳) ترجمہ: اور حق یہ ہے کہ فقہاء کا انکار عام ہے۔ استمداد خواہ انبیاء علیہم السلام کی قبروں سے ہو خواہ غیر انبیاء کی قبروں سے سب ناجائز ہے جیسا کہ فقہاء کرام کی دوسری کتابوں کے حوالوں سے جو ہم اسی سوال کے جواب میں ذکر کریں گے واضح ہو جائے گا۔

⑤ وحید الزمان کا جواب

وحید الزمان حیدر آبادی نے اپنے ترجمہ قرآن کریم کے حاشیہ ص ۱۰۲ میں نے لکھا ہے

تنبیہ: اس جگہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ایک بدوی کی حکایت نقل کر دی ہے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کے پاس آکر یہ آیت پڑھتے ہوئے کہا کہ یا حضرتؐ میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں اور آپ کو شفیع بناتا ہوں۔ اس پر قبر انور کے پاس بیٹھنے والے ایک شخص نے کہا خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ہے کہ اس بدوی کو بخش دیا گیا"۔

لیکن یہ حکایت ہے جو آیت کی مناسبت سے درج کر دی ہے۔ یہ آیت کی تفسیر یا حدیث نہیں ہے۔ الصارم المنکی ص ۲۳۸ میں لکھا ہے کہ اس حکایت کی سند نہایت کمزور ہے۔

آیت سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں آپ سے دعائے مغفرت کرائی جا سکتی تھی مگر آپ کی وفات کے بعد قبر مبارک سے استشفاع پر استدلال کسی طرح صحیح نہیں ہے (ترجمان نواب)

⑥ مترجم ابن کثیر کا جواب

ابن کثیر مترجم میں پارہ نمبر ۵ ص ۷۵ میں مترجم نے بین القوسین لکھا ہے: "یہ خیال رہے کہ نہ تو یہ کسی حدیث کی کتاب کا واقعہ ہے اور نہ اس کی کوئی صحیح سند ہے بلکہ آیت کا یہ حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی تھا، وصال کے بعد نہیں؛ جیسے کہ جاءُوكَ کا لفظ بتلا رہا ہے اور مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ ہر انسان کا ہر عمل اس کی موت کے ساتھ منقطع ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔ مترجم)

⑦ رسالہ فتویٰ عدم جواز یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ

رسالہ فتویٰ عدم جواز یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ کے صفحہ ۱۰ میں ہے "اگر تم یہ کہو گے کہ شفاعت تو شرعاً ثابت ہے ہم کہیں گے یہ ہم نہیں کہتے کہ شفاعت مطلقاً شرک ہے بلکہ ہم قائلِ شفاعت ہیں مگر اس کے لئے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اجازت شفاعت کی دی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "کوئی شفاعت اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہیں کر سکتا مگر جس کو کہ اللہ نے حکم شفاعت کا دیا اور نہ زعم شفاعت پر جس کو تم ندا کرتے ہو یہ وہ نہیں کہ جن کو اللہ نے حکم شفاعت کا دیا مگر ایسے جیسے کہ اللہ نے حکایت مشرکین کی بیان کی ہے" وہ یعنی مشرکین کہتے تھے کہ اصنام ہمارے اللہ کے نزدیک شفیع ہونگے ان کی تردید اللہ نے خود کر دی اتنبئون اللہ تا آخر کے ساتھ (یعنی کیا تم خبر دیتے ہو اللہ کو ایک ایسی شے کی کہ جس کی زمین اور آسمان میں ہونے کی اسے خبر نہیں) اور تمہارے پاس کوئی دلیل خصوص منادی پر نہیں کتاب اور سنت اور اجماع اور قیاس سے۔ قال اللہ تعالیٰ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ لوگ اتباع نہیں کرتے مگر ظن کی اور جس چیز کی نفوس خواہش

کرتے ہیں۔ یا شفیع ہونے کا اعتقاد نہیں کرتا بلکہ ان کے ساتھ استعانت چاہتا ہے تاکہ ان کے لئے دعا کریں یہ بھی چند وجہوں سے باطل ہے وجہ اول اس واسطے کہ وہ استعانت چاہتی ہو ایسے شخص سے جو سنتا نہیں! اگر ان کے سننے کا اعتقاد کرتا ہے تو قرآن شریف اور اجماع کا خلاف کرتا ہے اور بداہت اور دلیل عقلی کا۔ مگر مخالفتِ قرآن جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے "یقیناً موتے نہیں سنتے"

اگر تم یہ کہو گے کہ حدیث میں تو سماعِ موتیٰ آگیا ہے ہم تم سے کہیں گے کہ جو حدیث میں آیا ہے اسی قبیل سے ہے یا وہ اپنے محل کے ساتھ خاص ہے اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا یا اس کی تاویل کی جائے گی

علاوہ بریں اخبارِ آحاد معارضِ متواتر کب ہوتے ہیں۔ اور حجت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کے اوپر تمہارے لئے کافی ہے اس واسطے کہ وہ مقولہ مخصوص اپنے محل کے ساتھ ہے کیونکہ اگر اس کی تعمیم کی جائے گی تو آیت سے معارضہ ہوگا۔ پس جب کہ ہم ان کو اپنے محل کے ساتھ خاص کریں گے، تو گویا ہم نے بعض عموم آیت کے ساتھ عمل کیا یا وہ مؤول ہے تو ایسے ہی ہے کہ معارض آیت کے نہ ہوگی۔ اور معنیٰ آیت کا عمل اللہ کے لئے ہے شاید کہ حصول شعور اور انکشاف نفس اموات کے لئے ہے نہ نفس صوت کا سننا۔

مورد حدیث خاص ہے اس میں کوئی لفظ تعمیم کا نہیں ہے

اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ سلام مشروع اہلِ قبور کے اوپر اور اس کی مثل مشاہدہ قبر کی صورت میں ہے نہ حالتِ غیر میں جو شے کہ نفس کو دیکھنے کے بعد سے لاحق ہوتی ہے وہی شے نفس کو وہم میں ڈالتی ہے کہ وہ سنتے ہیں پس وہ نفس ان اموات کو اس طرح تصور کرتا ہے اس حالت میں کہ دوسری حالت میں ایسا تصور نفس سے ممکن نہیں۔ اس حالتِ خاص میں شارع نے اجازت خطاب کی دی نہ یہ کہ وہ لوگ سنتے ہیں۔ اور غائب کا حاضر کرنا اس لئے ہے تا اس کے لئے دعا کریں اور غائب کو خطاب کرنا کلامِ عرب میں اور شرع میں آیا ہے اور توہم حضورِ صورت شئ اور صورت شے کے ساتھ خطاب کرنے میں فرق ہے جیسے کہ حاضر کو خطاب کرنے میں اور نفس شے کے حضور میں۔ کیونکہ یہ استحضار حضور نفسِ شے کو نہیں چاہتا کہ اس قسم کے استحضار سے توسّل استعانت کی طرف کیا جائے، کیونکہ استعانت نفسِ شے کے حضور کو چاہتی ہے اور اس کے لئے دعا کرنا اور اس کو خطاب کرنا ندا کے ساتھ تاکہ دعا میں مخصوص ہو اس کے لئے صرف حضورِ صورت ہی کافی ہے حضورِ نفسِ شے ضروری نہیں۔

اس سے وہ اعتراض بھی دفع ہو جاتا ہے جو کہ ہم پر یا ایہاالنبی و یا اہل القبور کے ساتھ وارد ہوتا تھا۔ اس میں استحضار بدعو کے علاوہ ویسا استحضار نہیں اور یہ حضور اس حضور کا غیر ہے جس میں اعانت اور صدور فعل کی امید کی جاتی ہے۔

فرض کر لیا

ہم سماع مان ہی لیتے ہیں جب کہ حضورِ قبر ہو مگر تجویز اعانت نہیں مانتے۔ کیونکہ جب بنی آدم مرتا ہے اس کے تمام عمل منقطع ہو جاتے ہیں۔ ہاں تین عمل کا بقاء رہتا ہے ایک تو ولدِ صالح جو کہ اس کے لئے دعا کرے آخر حدیث تک۔

ہم مانتے ہیں امکانِ اعانت دعا کے ساتھ۔ مگر جوازِ استعانت قابلِ تسلیم نہیں۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ استعانت کی شرع میں اصل نہیں۔ بلکہ شارع سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دعا اموات کے لئے ہے حتے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام علی العموم تمام مخلوقات سے افضل تھے ہم حکم کئے گئے ان کی دعا کے لئے؛ ان سے دعا کرانے کا ہمیں حکم نہیں دیا گیا۔ اور طلبِ اعانت کا بھی حکم نہیں ہے مگر آپ کے سامنے؛ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب کہ وہ لوگ اپنے نفسوں پر ظلم کریں اور تیرے پاس آئیں اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہیں اسی حالت میں رسولؐ ان کے لئے مغفرت چاہتا ہے۔

جناب باری تعالیٰ نے نَادُوْكَ نہ فرمایا یعنی تمہیں ندا کریں۔

۲ دوسری دلیل: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلوق سے استعانت چاہنے کو منع فرمایا ہے تم اللہ کو نگاہ رکھو اللہ تمہیں نگاہ رکھے گا۔ اللہ کو نگاہ رکھو گے تو اُسے اپنے سامنے پاؤ گے۔ اللہ کو فراخی میں یاد رکھو تم کو اللہ شدت میں یاد رکھے گا اور جب کہ سوال کرو اللہ ہی سے سوال کرو اور جب کہ استعانت چاہو تو اللہ ہی سے استعانت چاہو۔ تم اس بات کو یاد رکھو کہ اگر تمام امت اس بات پر متفق ہو کر تمہیں کچھ ضرر پہنچائے اور اسے اللہ نے تمہارے لئے نہ لکھا ہو تو ہرگز نہ پہنچا سکیں گے الخ

یہ جواب حضرت مولانا عبدالحکیم اور مولانا محمد طیب صاحب عربی مکی مدرس مدرسہ عالیہ سرکار رامپور رحمہا اللہ نے دیا ہے اور اس پر دستخط ان حضرات کے بھی ہیں المجیب مصیب واللہ اعلم وعلمہ اتم محمد حفیظ اللہ مدرس اعلیٰ مدرسہ عالیہ رامپور ھٰذا الجواب صحیح محمد یعقوب علی مدرس خیر نگر۔ جواب المجیب الیق محمد عبدالفتاح ھٰذا الجواب اصح رحیم بخش ولد شیخ امان اللہ قد اصاب المجیب نظیر حسین یہ جواب صحیح ہے سید ولایت علی

اسی رسالہ کے صفحہ ۱۳۹ میں ہے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ سے جو لکھا ہے پس اول تو وہ بسبب نہ وارد ہونے

کسی اثر صحیح کے معتمد علیہ اور متفق بہ نہیں۔ پھر دوسرے یہ کہ نزدیک بعض کے بہ نظرِ حیاتِ نبی عـہ جائز ہے کیونکہ استعانت احیاء سے امورِ غیر مستبعدہ میں شرعاً ثابت ہے۔ مگر چونکہ غیر نبی کی حیات مثل نبی کے نہیں لہٰذا ان سے استعانت ناجائز ہوگی۔ اسی طرح پر اور جو روایات و حکایات نقل کئے ہیں وہ حجج شرعیہ سے نہیں۔ اور بعض روایات کہ کتب احادیث طبقۂ رابعہ سے نقل کی ہیں اول تو وہ ایسی کہاں ہیں کہ کسی عمل یا عقیدہ کے اثبات میں سند ہو سکیں دوسرے یہ کہ جو کچھ ان روایتوں سے ثابت ہوتا ہے وہ اسی قدر ہے کہ بعض آدمیوں نے ایسا کیا ہے اور سوائے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم و خلفائے راشدین کے فعل کسی کا حجت نہیں کما تبین فی اصول الفقہ۔ ایسے ہی روایاتِ استسقاء کسی شخص کے قبر شریف آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صلاحیت حجت ہونے کی نہیں رکھتی۔ علاوہ ازیں خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فعل مستسقی کو قبیح دیکھ کر تعلیماً فرمایا کہ استسقاء حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے چاہیے

عـہ مگر وہ بعض کا نظریہ مردود ہے

⑧ ابن عبد الہادی کا جواب

الصارم المنکی ص ۲۷۶ میں ہے کہ عتبی کی یہ حکایات نہیں صحیح اس کی اسناد مظلم (تاریک) ہے اور نہ ایسی حکایات سے کوئی حکم شرعی ثابت ہو سکتا ہے۔ اگر یہ حکم جائز اور مشروع مندوب ہوتا تو صحابہ کرام رض و تابعین رح کو اس مسئلہ کا علم بھی ہوتا اور اس پر دوسرے لوگوں سے زیادہ کاربند ہوتے

نیلوی کہتا ہے کہ

جاؤک کہ قرآن پاک میں آیا ہے یعنی وہ تیرے پاس آئیں۔ اس میں یہ کیسے معلوم ہوا کہ تیری قبر کے پاس آئیں جو شخص کسی کی قبر پر اس کی وفات کے بعد جائے تو کوئی یوں نہیں کہتا کہ "میں فلاں آدمی کے پاس گیا ہوں" بلکہ ہر قبر کی زیارت کرنے والا یہی کہتا ہے کہ "میں فلاں کی قبر پر گیا ہوں" اسی لئے حضرت امام مالک رح فرماتے تھے زُرتُ النبیؐ کہنا غلط ہے اور اب جب کہ حضورؐ کی قبر بھی مستور ہو گئی ہے اب زرتُ قبرَ النبی کہنا بھی غلط ہو گیا جیسے حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے اب جب جاؤک ہے تو یہ حکم مختص ہوا زمانِ حیاتِ نبیؐ کے ساتھ۔ یعنی یہ حکم اسی وقت تک ہے جس وقت تک نبیؐ عالمِ دنیا میں اس جسدِ عنصری کے ساتھ رونق افروز تھے۔ اب بعد از وفات اسی آیت کو چسپاں کرنا تفسیر بالرائے ہے اور

عـہ جیسے شیخ عبد الحق نے کہا ہے مگر شاہ محمد اسحاق وغیرہ نے اس قولِ باطل کی پر زور تردید فرمائی ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ فَسَّرَ الْقُرْآنَ بِالرَّأْيِ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ ۔ پھر حیات پر حالِ ممات کا قیاس کرنا بھی کسی مجتہد سے ثابت نہیں ہے بلکہ ایک جاہل لیاقتی کا قیاس ہے جو پر کاہ کے مقدار بھی وقعت نہیں رکھتا اور اگر اس کو دلالۃ النص سے ثابت کرو تو بھی غلط ہے کیونکہ دلالۃ النص میں علت اور وجہ جامع ہر زبان دان سمجھ سکتا ہے، یہ سمجھ اس صورت میں جب واقعہ بھیجنہ سمجھ آتا ہو مشہور ذکی نرکی اور ذہین علماء سے اس علت کے مخفی رہ جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا پھر یہ قرین قیاس نہیں ہے کہ ابن تیمیہ و ابن قیم وغیرہ جیسے ذہین علماء اس علت کو نہ سمجھ سکے ہوں اور ایک نانی ان پڑھ جاہل اس علت کو بھانپ گیا ہو۔

نائی جاؤک ہے نادوک نہیں ہے یعنی خدا پاک نے یہ نہیں فرمایا کہ تیرے پاس آئیں زندگی میں یا آپ کی وفات کے بعد پھر آکر تجھے چلا چلا کر پکاریں اور ندا دیں کہ "یا محمد تم ہمارے حق میں دعا کرو اور استغفار کرو"

بلکہ اللہ پاک فرماتے ہیں فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ وہ اپنی جان پر ظلم کرنے والے آپ بھی خدا تعالیٰ کر مغفرت کا مطالبہ کریں اور رسول اللہ صلعم بھی ان کے حق میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں۔ لیکن اب بعد از وفات پکار کیسی؟ اور حضرت نانوتوی کا قول شیعہ کو الزام دینے کے لئے تھا نہ کہ ان کا اپنا مذہب ہی یہی تھا دیکھو اجوبہ اربعین

○ صاحب تسکین کا اعتراف ○

خود صاحب تسکین "گلدستہ توحید" میں لکھ چکے ہیں ص۱۳۱ "غیر اللہ کو مافوق الاسباب طریق پر (یعنی مُردوں اور غائبوں کو مصیبت کے وقت پکارنا شرک ہے اور یہی شرک مشرکین عرب کا تھا" پھر ص۱۳۱ میں فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ نے مافوق الاسباب سفارش (یعنی غائبانہ اور مُردہ سے) کو بھی شرک کہا ہے"

نیلوی: اب فرمائیے کہ بعد از وفات و دفن نبی سے سفارش کرانا مافوق الاسباب ہے یا ماتحت الاسباب؟ کیا اب قبر پر حضور کو پکارنا پکارنا غائبانہ ہے یا نہ؟ اگر "غائبانہ پکار" بنتی ہے تو شرک کیوں نہیں یا پھر گلدستہ توحید میں شرک کی تعریف غلط لکھی گئی ہے اگر غلط لکھی گئی ہے تو اعلان کرو کہ گلدستہ توحید میں شرک کی تعریف غلط لکھ بیٹھا ہوں یہ مشرکین عرب کا شرک نہ تھا، لہٰذا میں اپنے مسلک سے رجوع کرتا ہوں۔ توبہ میری توبہ!

اگر کہو غائبانہ پکار کا مطلب یہ ہے کہ جس کو پکارا جاتا ہے وہ ہمیں نہ دیکھے جب ہم قبر نبی کے پاس جاتے ہیں تو

وہ ہمیں دیکھ پہچان لیتے ہیں اور ہماری بات سُن لیتے ہیں لہٰذا نہ یہ غائبانہ پکار ہے اور نہ ہی شرک دمتی ہے تو جناب اب فرمایئے کہ جو ہستی اتنی دیواروں اور تہ زمین سے دیکھ سکتی اور آواز سُن سکتی ہے تو ہند چین ترک اندلس کے لوگوں کو دیکھنے اور ان کی آواز سُننے سے کونسا حجاب اور مانع ہے اگر کہو کہ یہاں حدیث رسول وارد ہے گو خلاف قیاس ہے مگر ہم اس کو اپنے مورد پر بند رکھیں گے تو ہم کہیں گے جیسے آپ کے پاس حدیث ہے ہمارے پاس بھی ایک ایسی حدیث ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضورؐ کے حق میں دور و نزدیک سب برابر ہر جگہ سے آپ کو برابر آواز پہنچتی ہے بوادر النوادر میں طبرانی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس میں حدیث ہے فَاِنَّ صَوْتَکُمْ تَبْلُغُنِیْ حَیْثُ کُنْتُمْ تم جہاں کہیں ہو، دنیا کے کسی خطے میں ہو تمہاری آواز مجھ تک پہنچتی رہتی ہے پھر خدا کی قدرت سے کونسی چیز خارج ہے جو وہاں قبۃ الرسولؐ کو بمنزلہ ہوا کے بنانے پر قادر ہے وہ ذات اس بات پر بھی قادر ہے کہ حضورؐ کے آگے تمام دنیا و مافیہا ایسے کر دے جیسے ہتھیلی کے اوپر کوئی چیز دھری ہوتی ہے وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔ **اور** اگر کہو کہ یہ غلط ہے کوئی حدیث ایسی نہیں جس میں یہ لکھا ہو کہ حضورؐ ہر جگہ سے ہر ایک کی آواز سنتے ہیں اور طبرانی کی یہ حدیث یا سنداً غلط ہے یا پھر مُحَرَّف یا مُصَحَّف ہے (۱) تو ہم کہتے ہیں کہ آپ کی بیان کردہ حدیث کی کونسی سند صحیح ہے خواہ مخواہ ابو معاویہ کا سہارا لیتے ہو حالانکہ ابو معاویہ کا اس سند میں نام و نشان نہیں اس حدیث کی سند میں ایک اپنی طرف سے گھڑ گھڑ کر حدیثیں بیان کرنے والا پرلے درجے کا جھوٹا راوی محمد بن مروان ہے اس کے سوا لاکھوں راویوں میں سے کوئی بھی بیان نہیں کرتا یا پھر اس کے ہم معنیٰ حدیث ابو البختری بیان کرتا ہے خیر سے وہ بھی کذاب ہے لمصنف ابو الشیخ اصفہانی سے یا اس کے کاتب سے سہو ہوگیا اس کی اوپر یا نیچے والی سند میں ابو معاویہ لکھا ہوا ہوگا کاتب کی نظر چوک گئی تو دوسری سطر کا لفظ ابو معاویہ عن الاعمش لکھ بیٹھا اس زلّۃ کاتب کا خمیازہ بعد والوں کو بھگتنا پڑا اور ابن عبد الہادی پر اللہ رحمت کی بارش برسائے جس نے اس غلطی پر متنبہ فرمایا۔

(۲) نیز اگر طبرانی کی حدیث غلط ہو سکتی ہے یا محرف و مصحف ہو سکتی ہے تو ابو الشیخ کی حدیث کی صحت پر کونسی نص یا برہان قاطع آپ کو دستیاب ہوئی ہے جس کا غلط یا محرف یا مصحف ہونا ممتنع اور محال ہے۔ ابو معاویہ و اعمش عن ابی صالح پر بحث گزر چکی

(۳) نیز مشرکین جو صلحاء و انبیاء کی قبروں پر انکو پکارتے تھے وہ غائبانہ پکار اس جعلی معنی کی رو سے نہ تھی پھر انہیں مشرک کیوں کہا گیا۔ جناب! شرک تو جبھی بنتا ہے کہ جیسے خدا کو میں نہیں دیکھتا لیکن وہ مجھے دیکھتا ہے وہ میری سنتا ہے میں

اس کو یہ عقیدہ رکھ کر پکارتا ہوں اس جیسے اگر کسی مخلوق کو پکاروں جسے نہیں دیکھ رہا ہوں اور نہ اس کی آواز سنتا ہوں ؛
عقیدہ رکھ کر پکاروں کر وہ مجھے دیکھ پہچان رہا ہے اور میری بات سن سمجھ رہا ہے

اب فرمائیے کہ اس قسم کی مفضی الی الشرک آیت حضور کی معصوم زبان سے نکلی ہوئی حدیث کیسے ہو سکتی ہے ؟ جب
اگر کہو کہ گلدستہ توحید میں ہم نے دو لفظ لکھے ہیں " مافوق الاسباب سفارش (یعنی غائبانہ) اور مردہ سے ، شرک ہے " اب نبی کو
ہم پکارتے ہیں غائبانہ پکار تو ضرور ہے مگر مُردہ سے نہیں بلکہ زندہ سے ہے کیونکہ حضور تو حیات ہیں تم منکر حیات النبی ہو اس
لئے تم ہماری پکار کو شرک کہتے ہو تو ہم کہیں گے حضرت عیسیٰ تو بالاتفاق زندہ ہیں انکو غائبانہ پکارنا جائز ہے ؟ نیز حضور صلی اللہ علیہ
وسلم کے متعلق صاحب تسکین ۲۳۵ میں لکھ چکے ہیں کہ " وفات کا لفظ آپ کے حق میں بولنا بالکل درست اور صحیح ہے "
تو حضور پر جب وفات کا اطلاق بالکل درست اور صحیح ہے تو ہم علی سبیل التنزل کہہ دیں کہ آپ من وجہ حیات ہیں اور من وجہ
وفات یافتہ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا جائز ہوا تو عیسیٰ کو پکارنا بطریق اولیٰ جائز ہوگا کیونکہ وہ من کل الوجوہ زندہ ہیں
اگر عیسیٰ کو پکارنا شرک ہے تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا کیوں شرک نہیں والمیت کالغائب فتہارہ کا مشہور قول ہے

قرطبی کے نزدیک بھی انبیاء کو تو اموات کہہ سکتے ہیں نہ شہداء کو

قرطبی ۲۶۲ ج ۳ میں ہے کہ شہیدوں کو اموات نہیں کہہ سکتے اور وفات کے بعد انبیاء کو اموات کہہ سکتے ہیں روی عن رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال اکرم اللہ تعالی الشہداء بخمس کرامات لم یکرم بہا احداً من الانبیاء ولا انا احدھا ان جمیع
الانبیاء قبض ارواحہم ملک الموت وھو الذی سیقبض روحی واما الشہداء فاللہ ھو الذی یقبض ارواحہم بقدرتہ کیف
یشاء ولا یسلط علی ارواحہم ملک الموت والثانی ان جمیع الانبیاء قد غُسلوا بعد الموت وانا اُغسَّل بعد الموت والشہداء
لا یُغسَّلون ولا حاجۃ لہم الی ماء الدنیا والثالث ان جمیع الانبیاء قد کفنوا وانا اُکفَّنُ والشہداء لا یکفنون بل یدفنون
فی ثیابہم والرابع ان الانبیاء لما ماتوا سُمّوا اموات وا ذا مت یقال قد مات والشہداء لا یُسمّون موتی والخامس ان
الانبیاء لہم الشفاعۃ یوم القیمۃ وشفاعتی ایضا یوم القیمۃ واما الشہداء فانہم یشفعون فی کل یوم فی من یشفعون

صاحب تسکین کی جمہور سے الگ راہ

جمہور اور جم غفیر چونکہ اس مسئلہ کے اندر آپ کے ساتھ تعاون نہیں کرتے اس لئے آپ ان سے رُوٹھ بیٹھے ہیں اب کسی غیر معتبر مفسر کا سہارا ڈھونڈ کر نئی راہ جمہور سے الگ اختیار فرماتے ہیں اور دو آیتیں ایسی پیش کریں کا مطلب اپنا جداہی لکھا جو سلف میں سے کسی نے وہ مطلب بیان کیا نہیں ہے یہاں اگر آپ کو الصارم المنکی ص۲۴۳ اور مکتوبات امام ربانی دفتر اول ص۲۴ کے حوالے فراموش ہو گئے جو تسکین الصدور ص۲۰۴ و ص۲۰۵ میں نقل فرمائے

اب کوئی صاحب تسکین سے پوچھے کہ جاؤک کی تفسیر جو آپ نے اختیار فرمائی ہے یہ تفسیر سلف میں سے کس نے کی جب کسی سے یہ تفسیر ثابت نہیں ہے تو آپ کا مندرجہ ذیل فتوٰے آپ پر لاگو کیوں نہیں ہو سکتا۔ ص۵۰

"قرآن و حدیث کے معنے اور مطلب کے سمجھنے میں سلف صالحین کے فہم پر اعتماد کرنا پڑیگا اور اس کے بغیر چارہ نہیں ورنہ سخت ٹھوکر لگیگی"

اور پھر مدار عتبی کی روایت پر رکھی جسے علامہ آلوسیؒ نے موضوع کہا اور ابن نجارؒ و ابن عساکرؒ و امثالہما کی احادیث تمسک کے قابل ہی نہیں۔ رہی مواہب لدنیہ سو وہ سیرت کی کتاب ہے (اور ہر طرح کی رطب و یابس بھی) حضرت سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں جس طرح امام بخاریؒ و مسلمؒ نے یہ التزام کیا ہے کہ کوئی ضعیف حدیث بھی اپنی کتاب میں درج نہ کریں گے اس طرح سیرت کی تصنیفات میں کسی نے یہ التزام نہ کیا۔ آج بیسیوں کتابیں قدماء سے متاخرین تک کی موجود ہیں مثلاً سیرت ابن اسحاق، سیرت ابن ہشام، سیرت ابن سید الناس، سیرت دمیاطی، حلبی، مواہب لدنیہ کسی میں یہ التزام نہیں (سیرۃ النبی ص۹ ج۱) پھر فرماتے ہیں مواہب لدنیہ مشہور کتاب ہے اور متاخرین کا یہی ماخذ ہے۔ اس کے مصنف قسطلانی ہیں جو بخاری کے مشہور شارح ہیں، حافظ ابن حجر کے ہم رتبہ تھے یہ کتاب اگرچہ نہایت مفصل ہے لیکن ہزاروں موضوع اور غلط روایتیں بھی موجود ہیں (سیرۃ النبی ص۳۶ ج۱)

جواب بطرز دیگر

نائین قبر پر جا کر جو سفارش کو حضورؐ سے کہتے ہیں تو اہل برزخ میں شفاعت کرنے کی اجازت نبی پاک کو ہے؟ اگر اجازت ہے تو قرآن پاک یا صحیح حدیث میں سے اس کا ثبوت چاہیئے پھر کتب طبقہ رابعہ میں سے اسکا ثبوت مقبول نہیں ہے؟

ہر صحاح ستہ میں اس حدیث کے مفقود ہونے کی معقول وجہ کیا ہے اگر اجازت نہیں تو حضورؐ کو کہنا ہی بے سود ہے اللہ پاک فرماتے ہیں مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ، لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَہٗ

پیر طریقت حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کا فرمان

حضرت مولانا حسین علیؒ فرماتے ہیں خلاصہ سورۂ (یونس) کا یہ ہے کافر غیر اللہ کو پکارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو اللہ سے کرا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا غیر اللہ کو مت پکارو وہ لوگ جنکو تم شفعاء سمجھتے ہو کہیں گے ہم کو تمہاری پکار کی کچھ خبر نہیں تھی فَکَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اِنْ کُنَّا عَنْ عِبَادَتِکُمْ لَغٰفِلِیْنَ (ص۲ تفسیر بے نظیر) جن کو پکارتے ہو سوائے اللہ تعالیٰ کے نہ خالق ہیں نہ عالم ہیں۔ ان کو یہ خبر بھی نہیں کہ ہم قبروں سے کب اٹھائے جائیں گے (ص۲) اسحٰقؑ یعقوبؑ اسمٰعیلؑ سب رب کے آگے سجدہ کرتے تھے اور روتے تھے کسی نے نہیں کہا کہ ہم کو پکارو (ص۲) عبادت کا معنے غیر کو اپنی حاجتوں میں پکارنا ہے کتاب اللہ تعالیٰ کی اسی کو شرک کہتی ہے (ص۲) خلاصہ (سورۂ زمر) یہ کہ ہر شے کا پیدا کرنے والا اور ہر شے کا جاننے والا اللہ تعالیٰ ہے غیر کو شرکا اور شفعاء بنا کر مت پکارو (ص۳) خلاصہ (سورۂ احزاب) یہ ہے کہ کفار نے کہا تھا ہم اپنے معبودوں کو شفعاء جانتے ہیں ہم کو منع کر کے تم بنیاد دین کر دو حق تعالیٰ نے فرمایا۔ کافروں کا کہنا مت مانو کہ اعتقاد ان کا غلط ہے (ص۳) ملائکہ کو تم شفیع بنا کر پوجتے ہو، نفع ضرر کے مختار نہیں

سوال ومن الناس من ینکر الشفاعة لقوله تعالیٰ لا تنفعها شفاعة **جواب** اهل السنة والجماعة ان هذا اللفظ یراد به شیئان احدهما انها لا تنفع المشرکین کما قال تعالیٰ فی نقل جوابهم لما قیل لهم ما سلککم فی سقر قالوا لم نك من المصلین ..... فما تنفعهم شفاعة الشافعین فهؤلاء نفی عنهم نفع شفاعة الشافعین لانهم کانوا کفارا والثانی انه یراد بذلك نفی الشفاعة التی اثبتها اهل الشرك ومن شابههم من اهل البدع من اهل الکتب و المسلمین الذین یظنون ان للخلق عند الله من القدر ان یشفعوا عنده بغیر اذنه کما یشفع الناس بعضهم عند بعض فیقبل المشفوع الیه شفاعة شافع لحاجته الیه رغبة ورهبة کما یعامل المخلوق بالمعاوضة فالمشرکون کانوا یتخذون من دون الله شفعاء من الملئکة والانبیاء والصالحین ویصورون تماثیلهم فیشفعون بها ویقولون هؤلاء خواص من الله فنحن نتوسل الی الله بدعائهم وعبادتهم لیشفعوا لنا کما یتوسل الی الملوك بخواصهم لکونهم اقرب الی الملوك من

غیرہم فیشفعون عند الملوک بغیر اذن الملوک وقد یشفع احدہم عند الملک فیما لا یختارہ فیحتاج الی اجابۃ شفاعتہ رغبۃ و رہبۃ فانکر اللہ ھذہ الشفاعۃ فقال من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ وقال تعالیٰ وکم من ملک فی السموٰت لا تغنی شفاعتہم شیئا الا من بعد ان یاذن اللہ لمن یشاء ویرضیٰ وقال تعالیٰ ---- فھذہ الشفاعۃ التی اثبتہا المشرکون للملٰئکۃ والاولیاء والصالحین حتی صوروا تماثیلہم وقالوا استشفاعنا بتماثیلہم استشفاعنا بہم وکذلک قصدوا قبورہم قالوا نحن نستشفع بہم بعد مماتہم لیشفعوا لنا الی اللہ وصوروا تماثیلہم فعبدوہم کذلک وھذہ شفاعۃ ابطلہا اللہ ورسولہ ..... وقد مضت السنۃ ان الحی یطلب منہ الدعاء کما یطلب منہ سائر ما یقدر علیہ

ولا یلزم من جواز الشئی فی حیاتہ جوازہ بعد موتہ قاعدہ جلیلہ ص۱۳۴

واما المخلوق الغائب والمیت فلا یطلب منہ شئ یحقق ھذا الامر ان التوسل بہ والتوجہ بہ لفظ فیہ اجمال و

او ستغاثۃ بالشیوخ الغائبین والمیتین وھذا من اکبر الاسباب التی بہا اشرک المشرکون وعبدۃ الاوثان ص۱۵ قاعدہ جلیلہ

اشتراک بحسب الاصطلاح فمعناہ فی لغۃ الصحابۃ ان یطلب منہ الدعاء والشفاعۃ فیکونون متوسلین متوجہین بدعائہ وشفاعتہ صلعم من اعظم الوسائل عند اللہ عز وجل (ص۳۶) آیاتِ شفاعت چار قسم ہے قسم اول قیامت کو کفار کیلئے شفاعت نہیں قسم دوم اللہ تعالیٰ کے پیارے جن کیلئے اللہ تعالیٰ نے اذن دیا ہے یعنی مومن ہیں اور ان کی شفاعت کرنے پر اللہ تعالیٰ راضی ہے شفاعت کریں گے اور کلام اور شفاعت اور عرض بعد اذن ملنے کے کریں گے لَا یَتَکَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَہُ الرَّحْمٰنُ قسم سوم دنیا میں کفار نے شفعا بنائے ہوئے ہیں اور ان کو پکارتے ہیں - نہ ان کو پکارنے کی اور شرک کی خبر ہے نہ شفاعت کرتے ہیں نہ شفاعت ہے اور نہ نفع ہے قسم چہارم دنیا میں اللہ تعالیٰ کے پیارے جن کی شفاعت کیلئے اللہ تعالیٰ نے اذن دیا ہے یعنی ان کی شفاعت کیلئے اللہ راضی ہے اور جن کے لئے دعا کرتے ہیں مومن ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے پیارے شفعاء اللہ کے بندے مومنوں کیلئے شفاعت کرتے ہیں (ص۳۷) حٰم مومن میں بیان ہے کہ ایک ہی کو پکارو سورۃ حٰم سجدہ میں ہے اس دعویٰ پر پختہ رہو ورنہ شیاطین شبہے ڈالیں گے خواب دکھلائیں گے کہ جو مخالف قرآن کے ہوں گے ان سے پرہیز کرنا۔ پھر حٰم شوریٰ میں یہ بیان آیا کہ لکھا ہوا دکھلا دیں گے کہ غیر کو حاجات میں غائبانہ پکارا جائے ان کو کہہ دینا یہ باغیوں کا لکھا ہوا ہے منزل من اللہ نہیں

بس ہم اب آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ جتنی کتابوں میں یہ مسئلہ قبر پر حضور سے دعا و استغفار و استشفاع کا جو معتبر کتب میں لکھا جا چکا ہے وہ باغیوں کا لکھا ہوا ہے اور بس۔ یہ مسئلہ نہ ابن ہمام نے لکھا اور نہ کسی اور فقیہ عالم نے بعد میں باغیوں نے چپیاں لگائیں۔

مولانا بریلویہ کی شاہراہ پر

جو بات محترم مولانا نے بیان کی ہے یہی بریلویہ کے مفتی بدایونی ثم گجراتی نے تفسیر نعیمی ص ۲۲۳ میں ج۲ لکھی ہے" فائدہ حضور کی شفاعت حضور کی وفات کے بعد بھی تا قیامت بلکہ بعد قیامت جاری رہیگی جیسا کہ اذ کے عموم سے معلوم ہوا۔

حکایت تفسیر مدارک نے اس جگہ فرمایا کہ حضورؐ کے دفن کے بعد ایک بدوی قبر انور پر حاضر ہوا۔ قبر انور کی مٹی اپنے سر پر ڈالی اور بولا یا رسول اللہ! جو کچھ آپ نے فرمایا ہم نے سن لیا اور ہم نے قرآن کی یہ آیت پڑھ لی ولو انہم اذ ظلموا الخ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں اللہ سے معافی مانگتا ہوں۔ حضور! شفاعت فرمائیں کہ رب تعالیٰ مجھے بخش دے۔ قبر انور سے آواز آئی کہ تیری بخشش ہوگئی (تفسیر مدارک وخزائن)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاجات عرض کرنے کے لئے اس کے مقبول بندوں کو وسیلہ بنانا کامیابی کا ذریعہ ہے؛ قبر پر حاجت کے لئے جانا بھی جاء وک میں داخل ہے۔ اور صحابہ میں مروّج تھا؛ مقبولانِ خدا کو یا کہہ کر پکارنا جائز ہے، رب کے مقبول بندے بعد وفات بھی مدد کرتے ہیں، ان کی دعا سے حاجتیں پوری ہوتی ہیں (خزائن)

چھٹا فائدہ حضورؐ کی بارگاہ میں حاضری کے لئے مدینہ پاک جانا ضروری نہیں ہے جہاں سے رہ کر بھی ان کا توسل کیا جائے تو بھی حاضری میسّر ہو جاتی ہے۔ دیکھو یہاں جاءوک تو فرمایا مگر فی المدینۃ کی قید نہ لگائی۔

نعیم الدین بریلوی مرادآبادی

نعیم الدین مرادآبادی نے اس آیہ کی تفسیر میں لکھا ہے

ف: اس سے معلوم ہوا کہ بارگاہِ الٰہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ اور آپ کی شفاعت کار برآری کا ذریعہ ہے۔ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کے بعد ایک اعرابی روضۂ اقدس پر حاضر

ہوا۔ اور روضۂ شریفہ کی خاک پاک اپنے سر پر ڈالی۔ اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ! جو آپ نے فرمایا ہم نے سنا اور جو آپ پر نازل ہوا اس میں یہ آیت بھی ہے ولو انہم اذ ظلموا انفسہم میں نے بے شک اپنی جان پر ظلم کیا اور میں آپ کے حضور میں اللہ سے اپنے گناہ کی بخشش چاہنے حاضر ہوا۔ تو میرے رب سے میرے گناہ کی بخشش کرائیے۔ اس پر قبر شریف سے ندا آئی کہ تیری بخشش کی گئی! اس سے چند مسائل معلوم ہوئے۔ مسئلہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض حاجت کے لئے اس کے مقبولوں کو وسیلہ بنانا ذریعۂ کامیابی ہے۔ مسئلہ قبر پر حاجت کے لئے جانا بھی جاؤک میں داخل اور خیر القرون کا معمول ہے مسئلہ بعد وفات مقبولانِ حق کو یا کے ساتھ نداء کرنا جائز ہے۔ مسئلہ مقبولانِ حق مدد فرماتے ہیں۔ اور ان کی دعا سے حاجت روائی ہوتی ہے۔ (ص ۱۲۷ خزائن العرفان تفسیری حاشیہ کنزالایمان ترجمۂ قرآن از احمد رضا خان

نیلوی: پھر سر پہ خاک ڈالنا بھی سنت اس اعرابی کی ہوگئی

حضرت مفتی اعظم پاکستان محمد شفیعؒ کی لغزش

حضرت مفتی اعظم پاکستان سابق مفتی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ کی تفسیر معارف القرآن ج ۲ پارہ نمبر ۵ ص ۴۵۹ میں ایک لغزش ہوگئی ہے وہ یہ کہ آپ نے ولو انہم اذ ظلموا انفسہم کے تحت لکھا

یہ آیت اگرچہ خاص واقعہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے، لیکن اس کے الفاظ سے ایک عام ضابطہ نکل آیا، کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور آپ اس کے لئے دعائے مغفرت کر دیں اس کی مغفرت ضرور ہو جائے گی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری جیسے آپؐ کی دنیوی حیات میں ہو سکتی تھی اسی طرح آج بھی روضۂ اقدس پر حاضری اسی حکم میں ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کر کے فارغ ہوئے تو اس کے تین روز بعد ایک گاؤں والا آیا، اور قبر شریف کے پاس آکر گر گیا، اور زار زار روتے ہوئے آیۃ مذکورہ کا حوالہ دے کر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وعدہ فرمایا ہے کہ اگر گنہگار رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور رسول اس لئے دعائے مغفرت کر دیں تو اس کی مغفرت ہو جائے گی۔ اس لئے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ میرے لئے مغفرت کی دعا کریں، اس وقت جو لوگ حاضر تھے ان کا بیان ہے کہ اس کے جواب میں روضۂ اقدس کے اندر سے یہ آواز آئی قد غفر لک یعنی مغفرت کر دی گئی تیری (بحر محیط)

حضرت نانوتویؒ کا خیال

حضرت مولانا نانوتویؒ نے آب حیات ص ۳۰ میں فرمایا اس (آیۃ) میں کسی کی تخصیص نہیں آپ کے ہمعصر ہوں یا بعد کے امتی ہوں۔ اور تخصیص ہو تو کیوں کر ہو؟ آپ کا وجود تربیت تمام امت کے لئے یکساں رحمت ہے۔ کہ پچھلے امتیوں کا آپ کی خدمت میں آنا اور استغفار کرنا اور کرانا جب ہی متصور ہے کہ آپ قبر میں زندہ ہوں

الجواب

نعیمی کہتا ہے کہ اگر یہ آیت عام ہے ہمعصر اور بعد کے امتیوں کو تو اولاً صحابہ کرام نے اسے عام سمجھ کر استغفار کے موقع پر آن حضرت ؐ کی قبر اطہر پہ جا کر آپ سے دعا کیوں نہ کرائی۔ بیانِ جواز کے لئے ایک بار تو دعا کروا ہی لیتے مگر صحابہ تابعین و تبع تابعین وائمہ مجتہدین سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ اور نہ ہی کسی امام کا یہ مذہب ہے۔ ثانیاً جس طرح یہ آیت عام ہے اسی طرح یہ آیت (فان تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ والرسول) بھی ہمعصر اور بعد کے امتیوں کو شامل ہے اس میں بھی تخصیص نہیں ہے تو پھر ہر مسلمان کا فرض ہونا چاہئے کہ وہ اپنے فیصلے حاکموں قاضیوں کی بجائے براہ راست آن حضرت ؐ سے براہ راست قبر اطہر پہ جا کر چکایا کریں۔ اگر ان کا اللہ اور روز آخر پر ایمان ہے۔ ایک آیت میں بلا دلیل تعمیم کا قول اور دوسری آیت میں تخصیص کا کیا مطلب؟ کیا آپ شرعی فیصلہ کرنے کیلئے ہمعصر اور بعد کے امتیوں کے بارے یکساں رحمت نہیں؟ کوئی مومن اس بات کی جرأت نہیں کر سکتا کہ آپ بعد کے امتیوں کے لئے رحمت نہیں ہیں والعیاذ باللہ۔ پس وجہ فرق کی کیا ہے کہ ایک آیت کو عموم پر رکھا اور دوسری میں تخصیص کی۔ جب کہ تنازع کا فیصلہ اہم ہے بہ نسبت استغفار کے کیونکہ یہ موقوف علیہ ہے

بہرحال یہ آیت ولو انہم اذ ظلموا انفسہم الآیۃ عہد نبوی کے ساتھ مخصوص ہے۔ جیسے اکمل البیان ص ۲۶۲ میں ہے ورنہ تو فرمان الٰہی یاایہا الذین آمنوا لاتدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا وتسلموا علی اہلہا بھی عام ہے یہاں قبل وفاۃ النبیؐ کی قید نہیں ہے لہٰذا آیت مذکورہ بالا کی طرح آیت ہٰذہ کا حکم بعد وفاۃ النبی ؐ بھی بدستور قائم ہوگا۔ تو جیسے وفاۃ سے پہلے اندر آنے کے لئے باہر سے آنے والا آن حضرت ؐ سے اجازت مانگتا تھا اور بغیر اجازت کے اندر نہیں آسکتا تھا اور اگر کوئی ناواقف بغیر اجازت کے اندر آبھی جاتا تو اسے واپس جانے اور باہر سے

کھڑے ہو کر اجازت مانگنے اور سلام کرنے کا حکم دیتے چنانچہ

کلدۃ بن الحنبل نے روایت کی ہے کہ صفوانؓ بن امیہ نے فتح مکہ کے روز مجھے چھوارے اور چھوٹی ککڑیاں دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا اور آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اعلائے وادی پر تھے پس میں آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلا گیا اور میں نے نہ سلام کیا اور نہ اجازت چاہی تو آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ واپس لوٹ جا اور باہر کھڑے ہو کر کہہ کہ "السلام علیکم کیا میں اندر آجاؤں؟" اور یہ اس وقت کی بات ہے جب صفوانؓ بن امیہ مسلمان ہو چکے تھے۔ رواہ احمد و ابو داؤد والترمذی والنسائی رحمہم اللہ تعالیٰ۔

اور ربعی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بنو عامر میں سے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی آپؐ اپنے گھر میں تشریف فرما تھے تو کہا کہ "میں گھس آؤں؟" پس آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خادم کو حکم دیا کہ باہر باہر جا کر اس شخص کو استیذان سکھا دے کہ کہہ "السلام علیکم۔ کیا میں اندر آؤں" یہ بات اس شخص نے سن لی اور کہا "السلام علیکم کیا میں اندر آجاؤں۔ پھر آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ رواہ احمد و البخاری فی الادب المفرد وابو داؤد والبیہقی

عمروؓ بن سعید ثقفی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی تو کہا میں گھس آؤں یا ہم گھس آئیں؟ پس آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت خادمہ سے جس کو روضہ کہتے تھے فرمایا کہ تو جا کر اس کو سکھلا دے یہ اچھی طرح اجازت کا طریقہ نہیں جانتا۔ تو اس سے یوں کہیو کہ یوں کہے "السلام علیکم کیا میں اندر آؤں؟" یہ بات اس شخص نے سُن لی اور کہا کہ "السلام علیکم کیا میں اندر آؤں" تو آپؐ نے فرمایا کہ اچھا آ۔ رواہ ابن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے سلام پہلے نہ کیا ہو، اس کو اندر داخل ہونے کی اجازت ہی نہ دو۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان

بغویؒ نے لکھا ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اندر آنے کی اجازت طلب کی اور کہا کیا میں اندر آسکتا ہوں؟ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ "نہیں!" ایک شخص نے آنے والے کو مشورہ دیا کہ پہلے سلام کر پھر اندر آنے کی اجازت طلب کر۔ تو مشورہ کے مطابق اس نے سلام کیا پھر اندر آنے کی اجازت

طلب کی۔ تب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اندر آنے کی اجازت دے دی۔

نیلوی کہتا ہے کہ یہ حکم قرآن کا تمام کے لئے عام ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیوت میں بلا اجازت جانے کی ممانعت علیحدہ بھی قرآن پاک میں وارد ہے چنانچہ سورۂ احزاب، رکوع نمبر ۷ میں فرمایا ہے۔ یایہا الذین اٰمنوا لا تدخلوا بیوت النبیّ الّا ان یؤذن لکم یعنی اے مومنو! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں صرف اس صورت میں جاسکتے ہو کہ تم کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اذن دیا جائے۔ بغیر ان کے اجازت دینے کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں جانا منع ہے یہ قرآن شریف کی نص صریح قطعی الثبوت و قطعی الدلالۃ مع کلمۂ حصر موجود ہے۔

اب ان آیتوں اور حدیثوں کی روشنی میں اس حدیث کو دیکھتے ہیں جو قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر کے بعد عوام میں یعنی غیر مجتہدین میں شہرت پذیر ہو کر تواتر اور اجماع کا درجہ پاگئی ہے یعنی من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیا ابلغتہ، عند قبری میں عند کا لفظ قرب کے معنے میں آتا ہے قرب گو حسی و معنوی دونوں میں استعمال ہوتا ہے مگر یہاں قرب حسی ہی مراد ہو سکتا ہے قرب معنوی مراد نہیں کیونکہ نائیا اس کے مقابل میں ہے نیز اگر قرب معنوی مراد لیں تو وہ ہر امتی کو آں حضرتؐ کے ساتھ حاصل ہے خواہ وہ زمین کے کسی خطہ میں ہو تو اس وقت معنے یہ ہوں گے کہ چونکہ ہر مسلمان کے ساتھ میرا تعلق، اتصال و قرب معنوی حاصل ہے اس لئے وہ زمین کے جس کونے میں ہو اور مجھ پر صلوٰۃ و سلام پڑھے تو اسے یوں سمجھنا چاہیے کہ میری قبر کے پاس درود و سلام پڑھ رہا ہے اس لئے میں ہر جگہ سے سنتا ہوں۔ لیکن اس صورت میں دوسرا جملہ بے معنے بن جائے گا کیونکہ قرب معنوی کے ہوتے ہوئے (ہر جگہ سے) بُعد کا کیا مطلب اور دور سے صلوٰۃ و سلام کہنے کا مفہوم کیا ہوگا اور اس کی صورت کیا ہوگی۔ جب یہ مفہوم قرب معنوی والا دوسرے فقرے کو لغو بنا دیتا ہے تو لازماً کہنا پڑے گا کہ قرب سے قرب حسی مراد ہے نہ قرب معنوی۔ اب جب قرب سے قرب حسی مراد ہوا تو وہ قرب حسی اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب حجرۂ شریفہ کے اندر قبر اطہر کے پاس موجود کھڑا ہو۔ کیونکہ جو آدمی مکان سے باہر کھڑا ہو اس کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اندر مکان کے بیٹھنے والے آدمی کے پاس کھڑا ہے۔ سات پردوں کے حائل ہونے کی صورت میں عند نہیں بولتے۔

اب جب یہ بات متحقق ہو گئی کہ عند قبری اس وقت صادق آئے گا جب حجرۂ شریفہ کے اندر چلا جائے۔ لیکن جب فرمانِ خدا و رسول حجرۂ شریفہ کے اندر اجازت حاصل کئے بغیر جانا ممنوع ہے اس لئے پہلے اجازت لینی ضروری ہوئی لہٰذا جب اجازت لینے کے لئے باہر سے کھڑے ہو کر کوئی کہیگا السلام علیکم یا رسول اللہ ءادخل کیا میں اندر آسکتا ہوں؟

تو یہ کہنے والے کا سلام عند قبر النبیؐ نہ ہوا بلکہ نائب ہوا حجرہ شریفہ سے باہر ہوا تو اسی حدیث کی رُو سے ثابت ہوا کہ دُور سے آپ بہ نفسِ نفیس خود سلام نہیں سنتے البتہ فرشتوں کے ذریعے آپ کو حجرہ شریفہ سے باہر سلام کہنے والے کا سلام پہنچا دیا جاتا ہے۔ چلو سلام تو آپ تک پہنچ گیا اب اجازت رہ گئی۔ باہر والے کو یہ کیسے علم ہو گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اجازت دی ہے یا نہیں دی۔ جب تک اندر سے خود حضورؐ یا ان کے صاحبین (دو ساتھی ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) میں سے کوئی ایک اندر آنے کی اجازت نہ دیں گے اندر جانا منع ہو گا اور ظاہر ہے کہ اندر سے اجازت ملنا تو متعذر ہے تو اندر جانا متعذر ہوا پھر عند قبر النبیؐ صلوٰۃ و سلام کہنا متعذر ہوا جب شرط متعذر ہوئی تو جزا خود متعذر ہو گی کیونکہ تعذر سبب تعذر مسبب مستلزم ہے تعذر مسبب کو پس سماع عند قبر النبیؐ بھی متعذر ہوا و ہو المطلوب

نیز صحابہ کرام پہ دو دَور گذرے ہیں ایک قبل وفاۃ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دوسرا دور آپؓ کی وفاۃ کے بعد۔ پہلے دَور میں حجرہ شریفہ کے اندر عند قبر النبیؐ سلام کہنے کے لئے ضروری تھا کہ ام المومنین رضؓ سے اجازت مانگ کر صحابہ رضؓ جایا کرتے مگر ذخیرۂ احادیث میں ہمیں کوئی صحابیؓ ایسا نہیں ملتا جس نے محض اس لئے ام المومنین رضؓ سے اجازت مانگی ہو تا کہ میں عند قبر النبیؐ صلوٰۃ و سلام کہوں اور آپؐ مجھے سلام کا جواب مرحمت فرمائیں گے

دوسرے دَور میں یعنی ام المومنین رضؓ کی وفات کے بعد بھی کوئی ایسا شخص نہیں ملتا جس نے حجرۂ شریفہ کے باہر کھڑے ہو کر اندر آنے کی اجازت مانگی ہو پھر اندر سے اجازت ملی ہو پھر اس نے اندر جا کر قبر النبی صؐ کے پاس جا کر سلام کہا ہو۔ بلکہ خود اس حدیث کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا معمول بھی نہیں ملتا بلکہ ایک دو بار بھی آپ کا یہ عمل منقول نہیں کہ آپ حجرہ شریفہ سے باہر کھڑے ہو کر اجازت مانگیں اور سلام کریں پھر اندر سے اجازت ملنے پر اندر تشریف لے گئے ہوں اور قبرِ اطہر کے پاس جا کر سلام کہا ہو اسی طرح حضرت انسؓ و اوسؓ بن اوسؓ و ابو الدرداءؓ و ابن مسعود رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک سے بھی یہ واقعہ منقول نہیں بلکہ یہ لوگ یہ اتنی بڑی سعادت چھوڑ کر مدینہ منورہ ہی سے نکل گئے حضرت انسؓ نے بصرہ، ابن مسعودؓ نے کوفہ، ابو الدرداء نے دمشق اپنی رہائش گاہ بنالی۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کا فتویٰ در بیان منع استمداد و استشفاع از اموات

فتاویٰ عزیزیہ ج ۲ ص ۱۰۶ میں ہے

(۱) استمداد باہلِ قبور منکر شدند آن را بسیارے از فقہاء۔ می گویند نیست زیارت مگر برائے رسانیدن نفع بدعا و استغفار۔ و قائل گشتہ اند بان بعضے از ایشان۔ یعنی لیکن استمداد اہلِ قبور سے اکثر فقہاء نے انکار کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ نہیں ہوتی زیارت قبروں کی مگر واسطے نفع پہنچانے کے اموات کو دعا اور استغفار کرنے سے۔ گو بعض فقہائے اس امر کے قائل بھی ہیں۔

شاہ عبدالعزیز صاحب کی آخری تحریر دربارہ عدم جواز استمداد و استشفاع از اموات

رسالہ کا اصل متن

پس جب کہ استمداد بمعنے دعا کرانا اموات سے بجنابِ الٰہی ثابت نہیں زمانہ صحابہ (رضی اللہ عنہم) و تابعین رحمہم اللہ سے۔ اسی لئے بے شبہ بدعت فرمایا اور بکثرت فقہاء کا اس کے جواز سے انکار فرمانا ثابت ہوا۔ تو کسی بعض کے قائلِ جواز کا کب اعتبار ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس کی تفصیل بکمال البسط خود جناب شاہ صاحبؒ اپنے مستقل رسالہ دربحث منع استمداد و توسل میں مع دلائل نقلیہ و عقلیہ مع جوابات مجوزین کے قلمیہ غیر مطبوعہ محررہ ۲۱ جمادی الاولےٰ ۱۲۳۹ھ جو چار ماہ قبل از وفات خود ارقام فرمایا ہے جس کی نقل کہنہ کرم خوردہ کتب خانہ مولٰنا سید حسن شاہ صاحب محدث مرحوم ریاست رامپور میں محفوظ ہے درج ذیل ہے

الحمد للہ الظاہر العزیز العلام والصلوٰۃ والسلام علیٰ محمد عبدہ و رسولہ خیر الانام و آلہ و صحبہ و اولیاء امتہ ذوی الاحترام والسلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ الیٰ یوم القیام اما بعد معلوم باد کہ استمداد و استدعا از اشخاص و ارواح غائبہ از نظر حسی باین معنے کہ مدد کنند و دعا نمائید بلا شبہ و بلا خلاف بدعت است ہیچ کس از علماء و اولیاء متقدمین و متاخرین این نوع اموات را سُنت نہ گفتہ است بلکہ بسیار مشائخ ازین بدعت منع فرمودہ اند و ناجائز داشتہ و چونکہ للاکثر حکم الکل فرمودہ اند مردود شدنِ این بدعت سیئہ بودن آن گویا باجماعِ امت ثابت گشت۔ و اخبار نہی اکثر مشائخ

از استمداد باہلِ قبور در میانِ علماء مشہور ہست چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ در ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح (ج ۱ ص ۷۱۲ طبع نولکشور ۱۳۱۹ھ) در باب زیارۃ القبور آوردہ اند۔ واما استمداد باہلِ قبور در غیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا غیر انبیاء علیہم السلام منکر شدہ اند آن را بسیارے از فقہاء و می گویند نیست زیارت مگر برائے دعاء برائے موتیٰ و استغفار برائے ایشان و رسانیدن نفع بایشان بدعاء و استغفار انتہیٰ کلامہ۔ و در فتاویٰ عالمگیری کہ از کتبِ معتبرہ ہست و در عہدِ عالمگیر بادشاہ بحکمِ آن تالیف یافتہ و بسیار علمائے کبار آن را جمع کردہ اند نیز می فرمایند یکرہ عند القبر مالم یعہد من السنۃ والمعہود من السنۃ لیس الا زیارۃ والدعاء عندہ قائما کذا فی البحر الرائق۔ انتہیٰ کلامہ۔ پس ازین معنے دریافت شد کہ تا عہدِ عالمگیر بادشاہ انار اللہ برہانہ ہم بدعتِ استدعاء و استمداد در میانِ علماء زمانہ بلکہ ادنیٰ ازان مکروہ بودہ است و مذہب شان درین باب اختیارِ قول حضرت امام اعظم رحمہ اللہ بودہ کہ قراءتِ قرآن نزدِ قبور مکروہ فرمودہ پس چونکہ منکر و مکروہ بودنِ این بدعت و ادنیٰ ازین قولِ اکثر علماء ثابت ماندہ و در عہدِ عالمگیر بادشاہ غازی باجماعِ علماءِ وقت مکروہ بودنِ زوائد بر زیارۃ معہودہ مسنونہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم و خلفائے وے رضی اللہ عنہم مقرر گردید و مع ہذا الحکم حدیث "کل بدعۃ ضلالۃ" این بدعت ہم ضلالت ہست بے آنکہ حدیث صحیح صریح الدلالۃ معمول بہ در قرنِ صحابہ و قرنِ تابعین و قرنِ تبع تابعین در بابِ اباحتِ استدعاء و استمداد از ارواحِ اہلِ قبور وارد نباشد چگونہ بدعۃ مذکورہ از ضلالت خارج شود و بدعت جائزہ و مباح گردد بے آنکہ منفعت دینی مثل نفعِ کتابتِ اعراب قرآن و مثلِ آن در استمداد و استدعاء از اہلِ قبور واضح نہ شود چگونہ بدعتِ حسنہ شود و موجب مزید قبولیت دعا گردد پس ہرگاہ کہ در استمداد و استدعاء بر خلافِ منفعت در دینِ حضرت تجاوز از حدِ شریعت بالفعل موجود است و مضرت در شرک برائے عوام است کہ اصلاحِ ایشان از مہمات دین ہست بالقوہ مشہود استدعاء و استمداد معلوم بلاشبہ بدعت سیئہ شد و جائز نہ شد برائے علماء آنکہ فتویٰ بہ اباحتِ استدعاء گویند و برائے بدعتِ عوام الناس راہے بکشایند کہ جواب دہی از طرفِ خود ہا اصالۃً و از طرفِ عوام وکالۃً بر ذمۂ ایشان بود.

سہ ؎
بہ نیم بیضہ کہ سلطان ستم روا دارد
زنند لشکریانش ہزار مرغ بسیخ

مخفی نماند کہ استدعاء و استمداد بالدعاء یا تزئین قبور و ترفیع آنہا سر دست پیر پرستی و گور پرستی می شوند.

امادر وسیله بودنِ آن در تحصیلِ پرستی شبهتے نیست پس چیزے که وسیلۂ اشراک بود ادنیٰ بدعات خفیه را که ازان چیزے سبک تر وفتنه بودند اصحاب پیغامبر صلی اللہ علیه وسلم رد کرده باشند چه گونه بدعتِ حسنه یا بدعت مباحه باشد وچرا حرام نه شود فاعلِ آن چرا مبتدع نه گردد واگر بحسنِ تامل نظر نمایند آیتِ کریمه ویتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ما تولی ونصله جهنم در بابِ استدعاءِ مذکور موجبِ مزید خوف شود زیراکه هیچ گاه جمیع مؤمنین از میانِ خلفائے راشدین وامثالِ شان که صحابۂ کبار بودند استدعاءِ بعینی مسطور در مدینه منوره بر قبر شریف آن حضرت صلی اللہ علیه وسلم از آن حضرت صلی اللہ علیه وسلم که بخصوصِ حیاتِ خود (برزخیه ۱۲) در آنجا موجود اند نکرده اند چه جائیکه از دیگر قبور استدعاء کرده باشند۔ ازینجاست که از تابعین صالحین وتبع تابعین که پیشوایانِ امت اند این بدعت دیده وشنیده نه شد۔ بلکه کمترین را ازین قدر رد کرده مانده اند چنانچه بروایتِ ثقاتِ محدثین در کتبِ معتبره مسطور است وبه السنة علماء باللہ مذکور که ان علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنهم رأی رجلاً یجیئ الی فرجة کانت عند قبر النبی صلی اللہ علیه وسلم فیدخل فیها فیدعوا فیها فنهاه فقال الا احدثکم حدیثاً سمعته من ابی عن جدی عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال لا تتخذوا قبری عیداً ولا بیوتکم قبوراً فان تسلیمکم یبلغنی اینما کنتم۔ پس اگر اہلِ اباحتِ استدعاء درین حدیث تامل نماید به یقین که دعاءِ حاجتِ خود بجنابِ حق تعالیٰ هم عند القبر اگرچه قبر پیغمبر علیه السلام باشد جائز نیست ومنهی عنه (دائمه) است چه جائیکه نزدِ قبورِ دیگران به نیتِ استدعاء از ایشان یا دعاء بجنابِ الٰہی بوہمِ مزیدِ قبول در آنجا رفته آید پس اگر هر چهار امامانِ مذاهبِ اربعه حقه برخلافِ نهی آنجناب استدعاء یا دعاءِ خدارا عند القبر جائز می گفتند ومقلد امام زین العابدین رحمة اللہ علیه قولِ ایشان را تصدیق نمی کرد بر آن قول عمل نمی نمود نزدِ اہلِ حق معاتب نمی گشت وهرگاه که یک امام هم از ائمۂ اربعه وامامانِ حدیث رحمهم اللہ تعالیٰ فتویٰ بدین استدعاء ودعاء نگفته است واباحتِ آن ثابت نکرده بچه طور درین چاهِ ضلالت افتیم الخ

متن رسالہ کا ترجمہ

یعنی اما بعد معلوم ہو کہ استمداد اور استدعاء بزرگوں سے اور ارواح غائبہ سے جو نظر میں نہیں آتیں اس طور پر کہ مدد کرو اور دعا کر دو ہمارے لئے بلاشبہ اور بلا خلاف بدعت ہے کسی نے علماء اور اولیاءً

متقدمین اور متاخرین سے اس صورتِ نو ایجاد کو سنت نہیں کہا۔ بلکہ بکثرت مشائخ اس بدعت سے منع فرماتے ہیں اور ناجائز رکھتے ہیں اور چونکہ اکثر کا حکم کرنا مانند کل کے ہے مردود ہونا اس بدعت کا اور سیئہ بدعت ہونا اس کا گویا باجماعِ امت ثابت ہوگیا۔ اور ثبوت ممانعت کا استمداد اہل قبور سے اکثر مشائخ کے درمیان علماء کے مشہور ہے چنانچہ شیخ عبد الحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح در باب زیارۃ القبور میں لائے ہیں "

" لیکن استمداد اہلِ قبور سے سوائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یا سوائے انبیاء علیہم السلام کے منکر ہوئے ہیں اس کے کثرت سے فقہاء اور کہتے ہیں نہیں کی جاتی زیارت مگر واسطے دعاء کے میت کے لئے اور ان کے لئے استغفار اور پہنچانے نفع دعاء اور استغفار کے "

اور فتاوٰے عالمگیری کہ من جملہ کتب معتبرہ کے ہے اور عہد عالمگیر بادشاہ میں ان کے حکم سے اس کی تالیف ہوئی ہے اور بہت سے بڑے بڑے علماء نے اس کو جمع کیا ہے، یوں فرماتے ہیں

" اور مکروہ ہے قبر کے پاس ہر وہ امور جو ثابت نہیں ہیں سنت سے مگر صرف زیارت کرنا قبروں کی اور دعا کرنا اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے قبر کے پاس کھڑے ہو کر۔ اسی طرح بحر الرائق میں ہے "

پس اس کلام سے معلوم ہوا کہ عہد عالمگیر بادشاہ انار اللہ برہانہٗ تک بھی بدعت ہونا استدعاء و استمداد کا درمیان علماء زمانہ کے تھا بلکہ ادنیٰ اس کا مکروہ ہونا ہے اور مذہب ان کا اس بات میں اختیار کرنا قول حضرت امام اعظمؒ کا تھا کہ قرأت قرآن نزدیک قبروں کے مکروہ ہے پس چونکہ منکر اور مکروہ ہونا اس بدعت کا اور ادنیٰ اس سے بطور اکثر علماء کے ثابت ہوا۔ اور عہد عالمگیر بادشاہ غازی میں بالاجماع علماء وقت کے ہونا زائد امور کا سوائے زیارت کے جو طریقہ مسنونہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خلفاء رضی اللہ عنہم اجمعین سے مقرر ہوا ہے مع ہذا بحکمِ حدیث کل بدعۃ ضلالۃ یعنی ہر وہ چیز جو دین میں نو ایجاد ہو گمراہی ہے یہ بدعت بھی گمراہی ہے۔ سوائے اس کے کوئی حدیث صحیح صریح الدلالۃ معمول بہ زمانہ صحابہؓ اور زمانہ تابعینؒ اور زمانہ تبع تابعین میں درباب مباح ہونے استدعاء و استمداد ارواح اہلِ قبور سے وارد نہیں ہوئی ہے کیونکہ بدعتِ مذکورہ گمراہی سے خارج ہوگئی، اور بدعت جائزہ اور مباحہ ہوگئی۔ اور جس طرح منفعت اپنی مثلاً قرآن کے اعراب لکھے جانے میں پائی گئی اس طرح کی منفعت جب تک استمداد و استدعاء اہلِ قبور میں واضح نہ ہو اس وقت اس کو بدعت حسنہ کیسے کہا جا سکتا ہے

اور کیسے سبب ہونے قبولیت دعا کا ہوگا بلکہ استمداد اور استدعا میں بجائے منفعت کے دین میں نقصان اور حد شریعت سے تجاوز کرنا بالفعل موجود ہے اور مضرت پیچ شرک کے عوام کے حق میں ہے کہ اصلاح ان کی مہمات دین سے ہے جیسا کہ مشاہدہ ہے کہ فتوٰی مباح ہونے طلب دعا کا دیویں اور واسطے شرک اور بدعت کے عوام الناس کے لئے راستہ کھولیں سو اس لئے کہ جواب دہی اپنی طرف سے اصالۃً اور عوام کی طرف سے وکالۃً بروز حشر ان کے ذمہ ہوگی۔

ے نصف انڈے کے لئے اگر سلطان ظلم روا رکھے تو اس کے لشکری ہزار مرغ کے کباب بنا دیں

پوشیدہ نہ رہے کہ استدعا و استمداد دعا کے ساتھ یا زیب و زینت اور بلند عمارات قبروں پر براہ راست پیر پرستی اور گور پرستی نہیں ہوتی ہے۔ لیکن وسیلہ ہونا ان کا تحصیل پیر پرستی میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ پس جو چیز وسیلہ شرک کا ہووے اور عجب کہ ادنیٰ ادنیٰ بدعات خفیفہ کو کہ ان چیزوں سے زیادہ ہلکی فتنہ میں ہوں اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم رد فرماتے تھے۔ کیونکر بدعت حسنہ و بدعت مباحہ ہوگی۔ اور کس لئے حرام نہ ہوگی اور فاعل ان کا مبتدع نہ ہوگا ؟

کیوں

اگر اچھی طرح غور و تامل کریں آیت کریمہ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولی ونصلہ جہنم الآیہ میں در باب استدعا مذکور کے زیادہ موجب خوف ہووے کیونکہ کبھی جمیع مؤمنین خلفاء راشدین سے اور مانند ان کے بڑے بڑے صحابہ سے استدعا مذکور مدینہ منورہ میں قبر شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آنحضرتؐ سے کہ اپنی مخصوص حیات کے ساتھ اس جگہ موجود ہیں استدعا مذکور نہ کرتے تھے چہ جائے کہ دوسرے اہل قبور سے استدعا کرتے ہوں

یعنی برزخیہ

اسی سے ثابت ہے کہ تابعین صالحینؒ اور تبع تابعینؒ کہ وہ بھی پیشوایان امت ہیں یہ بدعت انہوں نے نہ دیکھی نہ سنی تھی۔ بلکہ اس سے کمتر درجہ کی بدعات کو رد کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ بروایت ثقات محدثین کتب معتبرہ میں مسطور ہے اور علماء باللہ کی زبانوں پر مذکور کہ حضرت علیؒ بن حسینؓ بن علیؓ بن ابی طالب نے دیکھا ایک آدمی کو کہ وہ آتا ہے ایک شگاف کی طرف جو تھا قریب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پس اس کے اندر جا کر دعا کرتا ہے تو منع فرمایا آپؓ نے اس کو اور فرمایا کیا میں تجھے وہ حدیث نہ سناؤں جو سنی ہے میں نے اپنے والد حضرت حسینؓ سے انہوں نے اپنے والد ماجد میرے دادا حضرت علیؓ بن ابی طالب سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرمایا آپ نے: نہ ٹھیرانا میری قبر کو عید اور نہ ٹھیرانا اپنے گھروں کو قبریں، کیونکہ درود و سلام تمہارا مجھے پہنچایا جاتا ہے جہاں تم ہوگے وہاں سے۔

پس اگر مباح جاننے والے استدعا کے اس حدیث میں صدق دل سے تامل کریں تو دعا حاجت اپنی بجناب

حق تعالیٰ قریب کے قریب اگرچہ قبر پیغمبر کی ہووے جائز نہیں ہے اور ممنوع ہے۔ چہ جائیکہ نزدیک دوسری قبروں کے بہ نیت استمداد ان سے یا دعا بجنابِ الٰہی میں بوجہ وہم زیادہ قبولیت اس جگہ کے کی جاتی ہے۔

پس اگر چاروں امامانِ مذاہب اربعہ حقہ بہ خلاف ممانعت آں جناب کے صلی اللہ علیہ وسلم استمداد یا دعا خدا سے قبر کے پاس جائز کہیں اور مقلّد جناب زین العابدین رحمہ اللہ کے ان کے قول کی تصدیق نہ کرے۔ اہل حق کے نزدیک قابلِ عتاب نہ ہوگا۔ اور جس وقت کہ ایک امام نے بھی ائمہ اربعہ میں سے اور امامانِ حدیث رحمۃ اللہ علیہم نے فتوے اس استمداد اور دعا کے لئے نہ دیا ہے اور مباح ہونا اس کا ثابت نہ کیا ہے کس طرح ہم اس چاہ ضلالت گمراہی میں ڈوب

نیلوی کہتا ہے کس قدر تفصیل کے ساتھ حضرت شاہ صاحب نے اس مسئلہ کو حل فرما دیا۔ کلام کرنے کی ذرہ بھی گنجائش نہیں چھوڑی۔ اب ان کی طرف سے کی جانے والی تاویلاتِ رکیکہ کو کہ جن سے شرک و بدعت کی آبیاری ہو کس طرح باور کیا جا سکتا ہے۔

یاد رہے کہ حضرت شاہ صاحب کی وہ عبارات جو صاحب تسکین الصدور نے جمع فرمائی ہیں بعینہ یہی مبہم عبارات بریلوی خاندان نے اپنے مطلب براری کے لئے آج سے ڈیڑھ صدی پہلے سے جمع کر کے عوام پر رعب ڈالنے کی کوشش کی تھی مگر اہل حق اہل السنۃ والجماعۃ کی طرف سے ان کو دندان شکن جواب ملتا رہا۔ اس لئے دب گئے۔ مگر اب میرے محترم جناب مولٰنا صاحب کی کتابیں دیکھ کر پھر ابھر رہے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کے شرع کے متوالے ابھی ہیں اس ذاتِ یکتا کے محض فضل و کرم اور اسی کی توفیق سے جتنا کہ یہ ابھریں گے اتنا ہی زمین میں دھنسا دیں گے ان شاء اللہ العزیز

مولٰنا کا مؤلف ندائے حق کو بے جا کوسنا کہ قرآن کا محرف ہے اور بلال صحابی رضی اللہ عنہ کو جنگلی کہتا ہے

تسکین الصدور ص ۳۶۹ سطر ۲ میں مؤلف ندائے حق پر اعتراض کیا: مؤلف ندائے حق کا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک اور اسی طرح حضرات شیخین کی قبور کے پاس سفارش کی التجا اور شفاعت کی درخواست کو ہٰؤلاء شفعاؤنا عند اللہ کا مصداق قرار دینا خالص تحریف ہے

نیلوی: سبحان اللہ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ معلوم ہوتا ہے آپ کو قیامت پر ایمان نہیں ورنہ آپ عوام کو خوش کرنے اور ان سے شاباش لینے کے لئے ہرگز یہ خطرناک بات نہ کرتے۔ کیوں جناب! قرآن کے یہ الفاظ

یا احادیث صحیحہ سے یہ بات ثابت ہے کہ نبی پاک ﷺ اور شیخین رضہ سے شفاعت کی درخواست کرنا جائز ہے؟ وہ آیت تو ذرا لکھیں میں بفضل اللہ تعالیٰ قرآن پاک کا حافظ ہوں مجھ پر اعتبار نہ ہو تو آپ اپنے عقیدہ کے حافظوں کو بتا کر وہ خود کہہ دیں کہ واقعی قرآن کی یہ آیت ہے تو مطبوعہ قرآن بھی ہیں دوسرے ملکوں کے حفاظ بھی ہیں وہ آپ کی بات کبھی نہ مانیں گے۔ رہیں احادیث صحیحہ سو وہ بھی کسی حدیث کی کتاب میں سے نہیں دکھا سکتے۔ اگر البدایہ والنہایہ میں یہ بات لکھی ہے تو وہ حدیث کی کتاب نہیں بلکہ تاریخ کی کتاب ہے اور تاریخ کی کتابوں میں صحت اور ضعف کا امتیاز نہیں رکھا جاتا اسی طرح تفاسیر میں بھی موضوع احادیث تک ذکر کی جاتی ہیں اسی طرح فقہ کی کتب میں بھی دیکھو موضوعات کی کتابیں۔

مولٰنا کا تغییر قرآن کا مرتکب ہونا

یہی مبحوث عنہ بات جو البدایہ والنہایہ میں سے آپ نے نقل فرمائی ہے آپ خدا کو حاضر ناظر سمجھ کر کہہ سکتے ہیں کہ یہ صحیح ہے اگر صحیح نہیں ہے تو اس من گھڑت ایک کذاب آدمی کی بات تسلیم کرتے ہوئے اس من گھڑت اور موضوع کے ذریعے قرآن مجید کے عموم میں سے نبی ﷺ و شیخین رضہ کو مخصوص کرنا تو تحریف نہ ہوا اور قرآن مجید کی آیت کو اپنے عموم پر رکھنا یہ تحریف بن جائے یہ عجب انصاف ہے اس طرح تمام احناف فقہاء و اصولی محرف ہوئے جو آیاتِ عامہ کو عموم پر رکھ

آپ نے تو نبی پاک ﷺ اور شیخین رضہ کو مخصوص فرما دیا اس کذّاب کی بات پر اعتماد کر کے۔ جب بابِ تخصیص کھل ہی گیا تو بریلویوں کو موقع مل گیا کہ تمام اولیاء کو مخصوص کر دیا کیونکہ عام مخصوص منہ البعض تو ظنی ہو ہی جاتا ہے اب کوئی علت پیدا کر کے اور بھی مخصوص کئے جا سکتے ہیں تو آپ کو بھی یہ منظور ہے؟ اگر نہیں تو کیوں؟

آپ نے قرآن پر کتنا بڑا ظلم عظیم کیا ہے کہ ایک کذاب اور جھوٹے آدمی کے کہنے میں آ کر قرآن پاک کو بدل دیا اور الزام دوسروں پر دھرتے ہیں کہ وہ محرّفِ قرآن ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون کسی نے سچ کہا ہے ؏

جو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی ؎ نہ قوانینِ شرع کا پاس رکھا نہ قرآن و سنت کا پاس۔ بس یہی ہے فلاں نے یہ لکھا اور فلاں نے یہ لکھا۔ نیز آپ نے صحابہ کرام پر بہتان باندھا کہ ساری عمر حضور ﷺ کی صحبت میں رہ کر پھر وہی جاہلیت والی باتیں ان میں عود کر آئیں۔ کہ جیسے پہلے لات عزیٰ ہبل کو خدا کے ہاں سفارشی مانتے تھے۔ اب ان کی بجائے نبی پاک ﷺ اور شیخین رضہ کو سفارشی ماننے لگ گئے۔ پھر آریہ سماج بھی یہی کرتے ہیں کہ محمد صاحب نے (والعیاذ باللہ

لات عزیٰ منات کی پوجا چھڑا کر اپنی پوجا شروع کروانا چاہا! لاحول ولا قوۃ اِلّا باللہ
قرآن کی تحریف خود کر کے صحابہ کرامؓ پر بہتان باندھ کر خود سچے بھی بنتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نیلوی نے بلالؓ مزنی کو اعرابی کہہ دیا: درحقیقت نیلوی اس بہتان سے مبرا ہے، اس کی زبان ہاتھ کٹ جائیں جو ایسا کہے

نیلوی نے کیا صاحب ندائے حق کا مطالبہ پورا ہوگیا

سوال کیا تھا کہ آپ اس اعرابی کا نام بتائیں؟ تو محترم نے اس اعرابی کا نام بتانے کی بجائے ایک کذاب زندیق بے دین کی تقلید میں البدایۃ والنہایہ کا حوالہ پیش فرمادیا۔ دراصل آپ نے فرمایا کہ وہ اعرابی بلالؓ تھے جو قضیہ شخصیہ ہے چونکہ عکس مستوی قضیہ کو لازم ہوتا ہے اس لئے اس کا عکس ہوا بلالؓ مزنی اعرابی تھے اور اصول ہے کہ اصل سچا ہو تو عکس بھی سچا ہوتا ہے اگر آپ کا قول "وہ اعرابی بلالؓ تھے" سچا ہے تو اس کا عکس "بلالؓ اعرابی تھے" سچا ہوگا جو آپ کے قول سے التزاماً صادق آتے ہوئے آپ ہی کا قول بنتا ہے۔ لیکن میں نے نہ بلالؓ کو اعرابی کہا نہ وہ اعرابی جو قبر النبی ﷺ پر آیا تھا وہ بلالؓ تھا بتایا ہے۔ بلکہ جو روایت آپ نے بیان فرمائی ہے اور اس کی نسبت حضرت بلال مزنی رضی اللہ عنہ کی طرف کی اس میں قبر النبیؐ کا ذکر تک نہیں۔ اور اس سے آگے جس حدیث میں قبر النبیؐ کا ذکر ہے اس میں اعرابی کا نام نہیں۔ مگر باوجود اس کے محترم مولنا بڑے خوشی سے کہتے ہیں کہ لو میں نے مؤلف ندائے حق کا مطالبہ پورا کر دیا۔ اور حضرت محترم کے معتقدین و مقلدین بھی نعرہ تکبیر اللہ اکبر لگاتے ہیں، اور سبحان اللہ کہہ کر آپ کی داد دیتے ہیں اور نیلوی کے ساتھ مناظرہ بلکہ مباہلہ کرنے کو تیار بیٹھے ہیں علم جاننے والے ناظرین البدایہ والنہایہ ذرا اٹھا کر دیکھیں تو تسلی ہو جائے گی کہ محترم مولنا صاحب (اللہ ان کو بھی ہدایت دے اور ہمیں بھی ہدایت پر تادم زیست قائم رکھے) کس قدر چالاکی سے کام لیتے ہیں اور کس طرح عوام کو چکر میں دے لیتے ہیں۔

نیز تحریرات حدیث کا حوالہ دے کر پیر طریقت کو اپنا ہمنوا ظاہر کرنے کی ناکام سعی کی جب اس کے تمام مضامین منتشر ہیں کہیں صرف اعتراضات نقل کر کے چھوڑ دیا گیا ہے۔ اور جو سوال جواب مکمل آپ نے تعزیۂ نظیر میں درج فرمایا ہے محترم نے قصداً اس سے صرف نظر فرمایا کیونکہ مولنا محترم کو تعزیۂ نظیر کی تحریر مضر تھی

حضرت امام علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب کردہ اعرابی کی حدیث

مولانا محمد بشیر صاحب سہسوانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف صیانۃ الانسان ص ۳۱۷ میں فرمایا فرمایا ہے کہ جو حدیث حضرت علی رضہ کی طرف منسوب ہے اس کے متعلق بات یہ ہے وقد وضع لہا بعض الکذابین اسناداً الی علی بن ابی طالب بعض جھوٹوں نے حضرت علی رضہ کیطرف یہ حدیث گھڑ کر نسبت کر دی

اور اس حکایۃ میں ایک راوی ابو صادق ہے اس نے حضرت علی رضہ سے کچھ نہیں سنا۔ نیز اس میں احمد بن محمد الہیثم ہے جو اپنے والد سے روایت کرتا ہے۔ اس کا ذکر نہ تقریب میں ہے نہ تہذیب التہذیب میں نہ لسان المیزان میں جو ابو صادق اور اس ابن ہیثم سے دلیل پکڑے تو اسے چاہئے کہ ائمہ تعدیل میں سے کسی امام سے ان کی توثیق نقل کریں۔ ورنہ بے سند بات کہنے سے باز آئیں۔

حضرت علی رضہ و عتبی کی روایت کے بارے ابن عبد الہادیؒ کی جرح

ابن عبد الہادی نے اعرابی کی روایت کو جو حضرت علی رضہ سے مروی ہے کہا ہے کہ اِنَّ ہٰذا خبرٌ منکرٌ موضوعٌ واثرٌ مختلقٌ مصنوعٌ لا یصلح الاعتمادُ علیہ ولا یحسن المصیر الیہ واسنادہ ظلمات بعضہا فوق بعض،

والہیثم جد احمد بن محمد بن الہیثم اظنہ ابن عدی الطائی فان یکن ہو فہو متروک کذاب والا فہو مجہول الخ۔ الصارم المنکی ص ۲۷۶) یعنی یہ حکایت منکر موضوع من گھڑت اور بناوٹی ہے اعتماد کے لائق نہیں، اس اسناد میں تہ بتہ ظلمتیں ہیں اور اس سند میں ہیثم ہے وہ اگر ابن عدی طائی ہے تو کذاب ہے ورنہ مجہول ہے

اور عتبی کی روایت کے بارے لکھا کہ نہ یہ صحیح ہے اور نہ عتبی سے ثابت ہے اور نہ ایسی حکایت سے حکم شرعی ثابت ہو سکتا ہے خاص کر ایسے امور میں کہ اگر یہ مشروع اور مندوب ہوتے تو صحابہ کرام و تابعین کو ان کا زیادہ علم ہوتا اور ان کے کار بند دوسروں سے زیادہ ہوتے۔

نیلوی کہتا ہے کہ ایسے استشفاع کا ثبوت نہ صحابہ کرامؓ سے ملتا ہے اور نہ تابعین و تبع تابعین سے اور

نہ مجتہدین وسلف صالحین سے اگر یہ حکم تھا کہ خیر القرون وفقہاء ومجتہدین ومحدثین نے اس حکم کو لوگوں سے کیوں چھپایا کیا ان الذین یکتمون الآیۃ کے ماننے والے نہ تھے ؟

ابن عبد الہادی پر جرح اور اس کا جواب

تسکین الصدور ط ۲ ص ۳۵۶ میں ابن عبد الہادی کی جرح پر جرح کردی کہ ہیثم کے بارے ان کو جب تردد ہے کہ وہ اگر ہیثم ابن طائی عدی طائی ہے تو متروک وکذاب ہے ورنہ مجہول پس ان کو موضوع کہنے کا تردد کی صورت میں کوئی حق نہیں ہے

نیلوی کہتا ہے کہ ایسی تردد کی صورت میں آپ کو یہ حق پہنچتا ہے کہ اس کو معمول بہ بنانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگائیں۔ نیز انہوں نے موضوع ہونے کا فتویٰ تو لگا دیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ انکو تحقیق ہے کہ راوی کذاب ہے آگے کہا بالغرض وہ کوئی اور ہی راوی ہو تو وہ مجہول ہے اس سے تردد سمجھ لینا آپ کی خوش فہمی ہے

آپ فرماتے ہیں کہ فضائل وترغیب وترہیب میں ضعیف حدیث کے ساتھ عمل جائز اور مستحب ہے بشرطیکہ موضوع نہ ہو (تسکین ص ۳۵۷ بحوالہ کتاب الاذکار ص ۷)

اوّلاً عرض ہے کہ اگر آپ اس امر کو مستحب سمجھتے ہیں تو اس کے تارک پر نکیر کیوں کرتے ہیں کیا مستحب کے تارک کو ملامت کی جاسکتی ہے ؟ یا مستحب کے منکر کو بدنام کرنا جائز ہے ؟ دیکھو کتب اصول فقہ۔

نیز آپ نے تو استحباب لکھا مگر آپ کی کتاب پڑھنے والے پڑھ کر یہی نتیجہ نکالتے ہیں کہ مستحبات ضروریہ میں سے ہے وہ نہ کرنے والے کو ملامت کرتے ہیں اور گناہ کے حامل بنتے ہیں جس کا اصل مبدأ آپکی کتاب ہے

نیز جب ایک صحابی رضی اللہ عنہ ایک عمل میں متفرد ہو تو وہ حجت ہو نہیں سکتا تو ایک اعرابی کا فعل حجت ہو سکتا ہے ؟

نیز جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اعرابی کو یہ عمل کرتے ہوئے دیکھا تو اس عمل کو مستحسن سمجھا ہوگا تو اس واقعہ کے بعد پورے تیس سال آپ زندہ رہے کیا ایک بار بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس امر مستحسن پر عمل فرمایا یا دوسرے حاضرین میں سے کسی ایک نے اس امر پر عمل کیا کیا وہ صحابہ رضی اللہ عنہم معصوم تھے جنہیں استغفار کی ضرورت نہ تھی ؟ بیان جواز کے لئے کوئی ایک صحابی رضی اللہ عنہ تو اس پر عمل کر ہی لیتا تاکہ نیلوی جیسے منکروں کو یا شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ وابن قیم رحمہ اللہ وابن عبد الہادی رحمہ اللہ وعلامہ آلوسی رحمہ اللہ جیسوں کو بولنے کی جرأت ہی نہ ہوتی اور امام عبد العزیز رحمہ اللہ وشاہ اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ کو بدعت کہنے کا موقع نہ ملتا۔

اگر صحابہ کرامؓ اس کے جواز کے قائل تھے تو صریح نص قرآنی جو کفار کے استغفار کے بارے اتری ہے سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ کا کیا جواب دیا ہو گا پھر ہمارے فقہاء احناف بھی اگر جواز کے قائل ہیں تو انبیاء کرام کو اس آیت سے مستثنیٰ کرنے کی صورت میں جو تغییر کلام لازم ہو جاتی ہے جس کا حق بندہ کو نہیں ہے کیا جواب دیا ہے؟

صاحب صیانۃ الانسان کا بیان

صیانۃ الانسان ص ۱۴۳ میں ہے العمدۃ فی الباب ماجاء عن العتبی وھو مما لا تقوم بہ الحجۃ یعنی اس بارے میں جس بات پر اعتماد کیا ہوا ہے وہ عتبی کی روایت ہے جو حجت قائمہ نہیں ہے واستحباب اہل المذاہب الاربعۃ سلفھم وخلفھم ذلک بعد تسلیم لیس من الحجۃ فی شیء یعنی اگلے پچھلے چاروں مذہب والوں (مقلدوں) کا استحباب اول تو تسلیم ہی نہیں اور اگر بالفرض ان ہی لیں تو اُن کا مستحب کہنا کوئی شرعی دلیل نہیں (کیونکہ غیر مجتہدین کے اجماع کی شرع میں کوئی حیثیت نہیں)

حاشیہ میں ہے (۱) یعنی ان صح النقل عنھم فلیس بحجۃ لانھم مقلدون ومذاھبھم متفقۃ علی ان الحجۃ اجماع المجتہدین وان المقلدین لا حجۃ لھم ولا عبرۃ باقوالھم ولا بافعالھم علی ان مثل ھذا القول لا یصح ثبوتہ الا بنص من الکتاب والسنۃ لانہ لیس من المسائل الاجتہادیۃ یعنی سلفاً خلفاً اہل مذاہب اربعہ سے نقل صحیح بھی ہو پھر بھی دلیل نہیں کیونکہ یہ لوگ مقلد ہیں اور چاروں مذہب والے اس بات پر متفق ہیں کہ مجتہدین علماء کا اجماع ہی حجت ہو سکتا ہے مقلدین علماء کا اجماع کوئی حجت نہیں نہ ان کے اقوال کا اعتبار ہے نہ ان کے افعال کا اعتبار ہے۔ علاوہ اس کے یہ بات بھی ہے کہ اس طرح کے قول کا ثبوت قرآن وسنت کی صریح صاف حکم کے بغیر صحیح نہیں ہے یہاں قیاس کو کوئی دخل نہیں کیونکہ یہ مسئلہ مسائل اجتہادیہ میں سے نہیں ہے

اور اس آیۃ کریمہ کو دلیل میں جو پیش کیا جاتا ہے اس کے بارے صیانۃ الانسان ص ۲۴۷ میں لکھا ہے اقول لیس ھذہ الآیۃ مما تقوم بہ الحجۃ قال فی الصارم المنکی ص ۲۷۶ واما حکایۃ العتبی التی اشار الیھا فانھا حکایۃ ذکرھا بعض الفقہاء والمحدثین ولیست بصحیحۃ ولا ثابتۃ الی العتبی وقد رویت عن غیرہ باسناد مظلم کما بینا ذلک فیما تقدم یعنی بعض فقہاء اور بعض محدثین نے یہ حکایۃ ذکر کی ہے جو نہ صحیح ہے اور نہ ہی اس کا ثبوت عتبی تک ہم پہنچتا ہے اور یہ روایت عتبی کے سوا دوسرے سے بھی ہے اس کی سند بھی مظلم ہے اس میں کوئی روشنی کے آثار نہیں ہیں ہے

اور بعض نے اس کو محمد بن حرب کے طریق سے ابوالحسن زعفرانی سے روایت کیا ہے جو اعرابی سے روایت کرتا ہے جیسے بیہقیؒ نے کتاب شعب الایمان میں مظلم اسناد سے روایت کیا ہے بروایۃ محمد بن روح بن یزید بصری وہ کہتا ہے حدثنی ابو حرب (محمد بن حرب) الہلالی قال حج اعرابی فلما جاء الی باب مسجد رسول اللہ اناخ راحلتہ فعقلہا ثم دخل المسجد حتی اتی القبر الخ ایک اعرابی نے حج کیا تو فوراً مسجد نبویؐ کے دروازہ کے پاس آیا اونٹنی بٹھائی پھر اسکے گھٹنے باندھے پھر مسجد میں داخل ہوا چلتے چلتے قبر نبیؐ تک آیا۔ راوی نے غیر اہم چیز (مسجد کے دروازے کے پاس آنا، اونٹنی کا بٹھانا مسجد میں آنا وغیرہ ذکر کر دیا مگر اہم امر (اجازت مکانِ مقبرہ سے) ذکر نہیں کیا۔ سمجھ کیا حکمت؟ ایسا

مولٰنا کا پٹڑی سے اترنا

تسکین ص ۳۵۶ ط۲ میں کہا علامہ ابن عبدالہادیؒ کا اس کو قطعی طور پر موضوع کہنا صرف ہوائی فیر ہے ....کہ خود ابن عبدالہادی اس راوی کی تعیین ہی میں متردد ہیں تو ان کو اس کا حق کیسے اور کہاں سے حاصل ہے کہ وہ قطعیت کے ساتھ اس حدیث کو موضوع قرار دیں

مخدوما آپ اپنی پہلی کتب کا مطالعہ فرمائیں جہاں لکھا: بہرحال یہ روایت ضعیف ہے اور معاملہ احکام کا ہے۔ اور امام نوویؒ تصریح کرتے ہیں کہ فانہم متفقون علی انہ لا یحتج بالضعیف فی الاحکام! شرح مسلم ج ۱ ص ۱۷ تمام محدثین کرامؒ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ضعیف سے احکام میں احتجاج درست نہیں ہے۔ دیکھو احسن الکلام ج ۲ ص ۱۲۷ ط ۲ ؛ اب اس مسئلہ میں ضعیف حدیث سے احتجاج کیسے درست ہو گیا۔

ہیثم کے بارے جو جرح ہے اس کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ کل ہیثم ہیں

کیا جواز و عدم جواز حکم نہیں ہے؟ اگر حکم نہیں تو کیا ہے؟ اگر حکم ہے تو تسکین ط۲ ص ۳۵۶ میں یہ کیسے لکھ دیا "ذمہ دار حضرات فقہاء کرام محدثین عظام اور متعادل علماء سے ثابت ہے اس لئے جواز کے مسئلہ کے لئے یہ روایت قابل برداشت ہوگی" جب کہ اس مسئلہ کا تعلق صرف احکام فرعیہ کے ساتھ نہیں بلکہ عقیدہ کے ساتھ متعلق ہے جس کی تردید صراحۃً قرآن پاک میں ہے اللہ پاک نے فرمایا قل للہ الشفاعۃ جمیعا نیز فرمایا ویقولون ھؤلاء شفعاؤنا عند اللہ یعنی.... اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے پاس! اور خود لکھتے بھی ہو "محدثین کے ہاں یہ طے شدہ بات ہے کہ عقیدہ کے باب میں خبر واحد صحیح بھی معتبر نہیں"۔

دوسری بات یہ ہے کہ ابن عبدالہادیؒ کو تردد ہے تو اس امر میں تردد ہے کہ وہ ہیثم ابن عدی طائی ہے یا نہ؟ میرا غالب خیال یہ ہے کہ یہ وہی ابن عدی طائی ہی ہے جو کذاب و متروک ہے لیکن مرجوح خیال یہ ہے کہ شاید وہ نہ ہو۔ کوئی اور ہو۔ اب وہ اور ہے مجہول۔ نامعلوم کون ہے۔ جب مجہول راوی ہو تو وہ بھی حجت نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ خود محترم نے احسن الکلام ج ۲ ص ۹۰ میں ارشاد فرمایا ہے کہ "امام بیہقی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس امر کا ہرگز مکلف نہیں ٹھہرایا کہ ہم اپنا دین مجہول اور غیر معروف راویوں سے اخذ کریں (کتاب القراءۃ ص ۱۲۷) امام خطابیؒ فرماتے ہیں شرہا الموضوع ثم المقلوب ثم المجہول (تدریب الراوی ص ۱۹۴) کہ بدترین حدیث جعلی ہے پھر مقلوب اور پھر مجہول"۔

اب جب خود بقولِ محترم مجہول کی روایت کا شمار بدترین حدیثوں میں ہے تو ذمہ دار فقہاء کرام محدثین عظام کے حق میں کون مسلمان تصور کر سکتا ہے کہ اس بدترین حدیث کو اپنے عمل و عقیدہ کی دلیل بنا کر اس پر اپنا تعامل کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسا بھیانک تصور کسی مسلمان کے دل میں نہیں آسکتا جبکہ فقہائے کرام اور محدثین عظام کے دلائل شرع کے چار ہیں۔ قرآن پاک، حدیث صحیح یا حسن، اجماع مجتہدینِ امت، اور قیاس مجتہد کا

مگر محترم تو یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ بدترین حدیث بھی جواز کے لئے حجت ہے ان ذمہ دار فقہائے کرام اور محدثین عظام کے مسلک میں۔ جب کہ پہلے لکھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس امر کا ہرگز مکلف نہیں ٹھیرایا کہ ہم اپنا دین مجہول اور غیر معروف راویوں سے اخذ کریں۔

اب اگر کوئی کہے کہ وہ ہیثم نہ وہ کذاب اور متروک راوی ہے اور نہ مجہول ہے بلکہ یہ ہیثم ابن مالک طائی شامی اعمی ابو محمد موثق ہے یعنی ثقہ ہے جیسے تقریب التہذیب ص ۳۷۰ میں ہے تو ہم کہیں گے کہ اس دعویٰ کے لئے دلیل کی ضرورت ہے اور یہی جواب صیانۃ الانسان ص ۲۴۹ کے حاشیہ میں لکھا ہے

میزان الاعتدال و لسان المیزان میں ایک اور ہیثم طائی بھی ہے جس کا نام الہیثم بن عبدالغفار طائی بصری ہے وہ بھی کذاب ہے

نیز محترم نے راہ سنت ط ۱۰ ص ۲۲۱ میں اباحت کے متعلق لکھا ہے کہ اباحت حکم شرعی ہے جو بغیر اذن

شارع اور جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل کے ہرگز ثابت نہیں ہو سکتی"
اب ظاہر ہے کہ جواز کا سب سے نیچے درجہ اباحت کا ہے جب اباحت بغیر اذنِ شارع اور قول وفعل نبیؐ کے ثابت نہیں ہو سکتی تو استحباب کیسے ثابت ہو سکتا ہے۔ ہاں البتہ یہ بات ضرور ہے کہ جواز کراہت تحریمی اور کراہت تنزیہی کے ساتھ جمع ہوتا رہتا ہے جیسے کتب فقہ پڑھنے پڑھانے والوں پر مخفی نہیں ہے اس واسطے نوویؒ کا کتاب الاذکار ص، میں یہ فرمانا کہ "قال العلماء من المحدثین والفقہاء وغیرہم یجوز ویستحب العمل فی الفضائل والترغیب والترہیب بالحدیث الضعیف مالم یکن موضوعا الخ یعنی محدثین وفقہاء وغیرہ میں سے بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ فضائل اور ترغیب وترہیب کے بارے ضعیف حدیث کے ساتھ بھی عمل کرنا جائز ہے بشرطیکہ موضوع نہ ہو" آپ محترم کو کسی طرح مفید اور سود مند نہیں ہے۔
کیونکہ اول تو یہی محترم راہ سنت ط ۱۰ اص ۲۴۰ میں باین عنوان بریلویہ کو جواب دیتے ہیں

ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی تحقیق

مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں کہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، پھر بھی فضائل اعمال میں حدیث ضعیف معتبر ہوتی ہے (جاء الحق ص ۳۸۳) (جیسے تسکین الصدر میں اب محترم فرماتے ہیں بلکہ)
جواب۔ یہ بھی مفتی صاحب کی غلط فہمی کا نتیجہ ہے؛ یہ کہدینا کہ فضائل اعمال میں ہر قسم کی حدیث غیر مشروط طور پر حجت ہوتی ہے قطعاً غلط ہے۔ امام قاضی ابن العربی المالکیؒ (المتوفی ۵۴۳ھ) وغیرہ تو ضعیف حدیث کے متعلق فرماتے ہیں لَا یُعْمَلُ بِہٖ مُطْلَقًا (القول البدیع ص ۱۹۵) مطلقاً اس پر عمل صحیح نہیں ہے۔"
اور جو عمل کرتے ہیں وہ شرطیں لگاتے ہیں۔ چنانچہ امام ابن دقیق العید (المتوفی ۷۰۲ھ) لکھتے ہیں:
العمل بالحدیث الضعیف مقید بشروط (الامام ج ۲ ص ۱۷۱) ضعیف حدیث پر عمل کرنا چند شرطوں سے مقید ہے۔
وہ شرطیں کیا ہیں؟ امام سخاوی (المتوفی ۹۰۲ھ) اپنے شیخ حافظ ابن حجرؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:۔
ان شرائط العمل بالضعیف ثلاثۃ الاول متفق علیہ ان یکون الضعف غیر شدید فیخرج من انفرد من الکذابین والمتہمین بالکذب ومن فحش غلطہ الثانی ان یکون مندرجا تحت اصل عام فیخرج مایخترع بحیث لایکون لہ اصل اصلا

الثالث ان لا یعتقد عند العمل بہ ثبوتہ لئلا ینسب الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مالم یقلہ (القول البدیع ص ۱۹۵) ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی تین شرطیں ہیں۔ اول جو تمام حضرات محدثین میں متفق علیہ ہے کہ حدیث زیادہ ضعیف نہو۔ لہٰذا جس حدیث میں کوئی کذاب یا متہم بالکذب یا ایسا راوی منفرد ہو جو زیادہ غلطی کا شکار ہو تو اس کی ضعیف حدیث معمول نہ ہوگی۔ دوم یہ کہ وہ عام قاعدہ کے تحت درج ہو۔ اس سے وہ خارج ہوگی جس کی کوئی اصل نہو اور محض اختراع کی گئی ہو۔ سوم عمل کرتے وقت یہ اعتقاد نہ کر لیا جائے کہ یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے تاکہ آپ کی طرف ایسی بات منسوب نہ ہو جائے جو آپ نے نہیں فرمائی

اس سے معلوم ہوا کہ اگر یہ شرطیں مفقود ہوں تو روایت ہرگز قابل عمل نہ ہوگی اور آخری شرط تو خاص طور پر قابل لحاظ ہے۔ کیونکہ جو چیز وثوق کے ساتھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں اس کو آپ کی طرف منسوب کرنا اور پھر اس کو ثابت ماننا سنگین جرم ہے اور یہ درجۂ اول کی متواتر حدیث من کذب علی (الحدیث) کے بظاہر خلاف ہے۔

حضرت مولانا عبد الحی لکھنوی لکھتے ہیں کہ وا ما العمل بالضعیف فی فضائل الاعمال فدعوی الاتفاق فیہ باطلۃ نعم ہو مذہب الجمہور لکنہ مشروط بان لا یکون الحدیث ضعیفا شدید الضعف فان کان کذلک لم یقبل فی الفضائل ایضا (الآثار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ ص ۱۰۳) فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر بھی بالاتفاق عمل کا دعوی کرنا باطل ہے۔ ہاں جمہور کا یہ مذہب ہے۔ مگر اس میں یہ شرط ہے کہ حدیث سخت ضعیف نہ ہو ورنہ فضائل اعمال میں بھی قابل قبول نہیں ہے۔

افسوس ہے کہ مبتدعین حضرات ایسی حدیثوں کے اثبات کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔ انتہی کلامہ، نیلوی کہتا ہے کہ اس تحقیق میں یہ بتایا گیا ہے کہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ بعض تو ضعیف حدیث کو مطلقاً قابل عمل نہیں سمجھتے اور جمہور شرائط کے ساتھ قابل عمل سمجھتے ہیں۔ انہیں بھی ایک شرط متفق علیہ ہے اور دو میں اختلاف ہے لیکن تسکین میں ص ۳۰۷ پر اختلاف کا نام تک نہیں لیتے بلکہ من لعبضہ کا معنے بھی ہضم کر جاتے ہیں۔

نیز نووی صاحب اگر کتاب الاذکار میں یہ لکھتے ہیں تو اس کے خلاف خود نووی شرح مسلم ج ۱

ص ۱۸۱ میں لکھتے ہیں ان السنۃ فی السلام من الصلوٰۃ ان یقول السلام علیکم ورحمۃ اللہ عن یمینہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ عن شمالہ۔ ولا یسن زیادۃ وبرکاتہ وان کان قد جاء فیہا حدیث ضعیف واشار الیہا بعض العلماء ولکنہا بدعۃ اذلم یصح فیہا حدیث بل صح ہذا الحدیث وغیرہ فی ترکہا۔ یعنی نماز سے نکلتے وقت سلام کہنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دائیں اور بائیں کو چہرہ پھیرتے ہوئے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے اور ان الفاظ پر وبرکاتہ کا اضافہ کرنا مسنون نہیں ہے اگرچہ وبرکاتہ کے اضافہ کے متعلق ایک ضعیف حدیث بھی آئی ہے اور برکاتہ کا اضافہ مسنون نہ ہونے کی طرف بعض دوسرے علماء نے بھی اشارہ کیا ہے مسنون نہ ہونے سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ اچھا مسنون نہیں تو وبرکاتہ کا اضافہ کرنا مستحب ہوگا یا کم از کم جائز اور مباح ہوگا۔ وبرکاتہ کا اضافہ نہ سنت نہ مستحب نہ جائز ومباح بلکہ برکاتہ کا اضافہ کرنا بدعت ہے اور بدعت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ کوئی صحیح حدیث اس بارے میں نہیں آئی کہ جس میں وبرکاتہ کا اضافہ ہو بلکہ یہ حدیث اور اس حدیث کے علاوہ دوسری صحیح حدیثوں میں وبرکاتہ نہیں ہے پس وبرکاتہ کا ترک کرنا مسنون ہوا اور اضافہ کرنا بدعت ہوا

نیلوی کہتا ہے کہ بالکل اسی طرح یہ مسئلہ استشفاع وغیرہ کا ہے۔ صاحب تسکین خود تسلیم کرتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے اگر یہ عمل کے قابل ہے اور اس سے جواز اور استحباب ثابت ہو جاتا ہے تو انہیں سلام کے الفاظ میں وبرکاتہ کا اضافہ بھی کرنا چاہئے کیونکہ جمہور کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ ضعیف حدیث سے جواز اور استحباب ثابت ہو جاتا ہے اب اس مقام پر جمہور کو اور آپ کو کونسا امر مانع ہے کہ اپنے مسلمہ جمہوری قاعدہ کو ترک کر کے وبرکاتہ کا اضافہ کرنے کو نہ مستحب سمجھتے ہیں نہ جائز۔ نہ اس پر آپ کا عمل ہے نہ جمہور کا۔ بلکہ صاف لفظوں میں بدعت کہتے ہیں۔

۲ اور امام نوویؒ نے کتاب الاذکار میں تمام علماء ومحدثین کا مسلک نہیں بتایا بلکہ بعض کا مسلک بتایا ہے۔ لیکن ان بعض سے بھی وبرکاتہ کا السلام علیکم ورحمۃ اللہ کے بعد اضافہ منقول نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان بعض کی طرف کسی نے نسبت کر دی ہوگی پھر عمل کا لفظ بھی نہ ہوگا یوں ہی نسبت کر دی ہو

۳ نیز امام مسلمؒ نے مقدمہ ص ۱۲ میں فرمایا سعد بن ابراہیم فرماتے تھے لا یحدث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم الا الثقات اس کا مطلب امام نوویؒ نے یہ لیا معناہ لایقبل الا من الثقات یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب حدیث وہی قبول کی جائے گی جسے ثقہ راویوں نے نقل کیا ہو

اس سے آگے عبداللہ وابواسحاق کا باہم مکالمہ جو نقل ہے وہاں امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حکایت کا مطلب یہ ہے کہ لایقبل الحدیث الا باسناد صحیح یعنی حدیث وہی قبول کی جاسکتی جو صحیح سند کے ساتھ مروی ہو۔ صحیح عام ہے حقیقۃً ہو یا حکماً یعنی حدیث حسن کیونکہ حسن بھی عمل میں اور احتجاج میں صحیح کے حکم میں ہے۔ مگر صاحب تسکین کا ضعیف سے استحباب ثابت کرنا محل خفاء ہے۔

اور حضرت گنگوہیؒ کا جواز لکھنا کراہت کے منافی نہیں اور سمہودی شافعی مورخ تھے ان کا قول نہ دلیل میں پیش کیا جاسکتا ہے نہ تائید میں۔ نیز یہ لوگ نہ معصوم تھے نہ مجتہد چنانچہ خود محترم نے بریلویوں کی ایک دلیل کے جواب میں فرمایا ہے "اور جن علماء سے انہوں نے جواز اور استحباب نقل کیا ہے وہ نہ تو معصوم ہیں نہ مجتہد (راہ سنت ۱۹۱)

اس روایت کو تسلیم کرنا توہین صحابہؓ کو مستلزم ہے

دوسرا امر یہ بھی غور طلب ہے کہ اس روایت میں آیا ہے کہ اس اعرابی نے سر پر مٹی ڈالی۔ یہ بات حضرت امام علی کرم اللہ وجہہٗ دیکھ رہے ہیں جو شرع شریف کے سراسر منافی ہے حضرتؓ خاموش رہے حالانکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ ومن لم یستطع فبلسانہ ومن لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان۔ ہمارا تصور ہی اس طرف نہیں جاسکتا کہ حضرت امام علی رضی اللہ عنہ ضعیف الایمان ہوں مگر اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس ناروا عمل سے اس اعرابی کو منع نہیں فرمایا

مزید برآں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اعرابی کو یہ حرکت کرتے ہوئے دیکھ رہے ہیں اور اس کی فریاد بھی سن رہے ہیں اور باوجود اس کے نہ آپ اسے خواب میں اس ناروا عمل سے منع کرتے ہیں نہ حضرت امام علی رضؓ کو اشارہ فرماتے ہیں۔ الٹا اس اعرابی کو تسلی دے رہے ہیں کہ تیرے گناہ بخش دئے ہیں

پھر اسی ضعیف حدیث کو سامنے رکھ کر مجتہدین نہ بلکہ جعلی اور بناوٹی مجتہدین عصر حاضر نے نبی اکرمؐ کو مقیس علیہ بنا کر بعد کے اولیاء اللہ کو بھی آپؐ کی ذات پر قیاس کرکے یہ کہہ دیا کہ یہ معاملہ اولیاء سے کرنا بھی جائز ہے۔ حالانکہ قیاس کے لئے سات شرائط ہیں جن میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ مقیس مقیس علیہ

کی نظیر ہو۔ اور یہ شرط قیاس کی اس مقام پر مفقود ہے کیونکہ بریلویہ فرقہ بھی اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظیر نہیں ہے بلکہ آپ کے نظیر کا وجود من جملہ محالات کے سمجھتے ہیں کہ جس کے ایجاد پر خدائے قادر علی الاطلاق کو بھی قدرت نہیں اور اس سلسلہ میں بڑی بڑی معرکۃ الآراء کتب بھی تحریر کی گئی ہیں۔ تو جب آپ کی نظیر نہیں تو اولیاء اللہ کو آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پہ قیاس کیوں کر قیاس کیا جاسکتا ہے

پھر ظلم پر ظلم یہ کہ بڑی ڈھٹائی سے لکھا کہ یہ عمل والعیاذ باللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی مروّج تھا اور یہ قول دعویٰ بلا دلیل ہے اور صحابہ کرام رض جیسی ہستیوں پر بہتان عظیم ہے

پھر اور لکھا کہ وہ مدد بھی کرتے ہیں اور ان کی دعاء سے حاجات پوری ہوتی ہیں یہ سب باتیں مشرکین سے لے کر اپنا لیا اور لیبل اسلام کا چسپاں کر دیا۔ اور ہر ذی علم یا علماء کرام کی صحبت میں بیٹھنے والا بلاشک وتردد جانتا ہے کہ صریح آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ کے سراسر معارض ہے

بطرز دیگر۔ تسلیم کریں کہ آیۃ کریمہ عام ہے

نیز اگر ولو انہم... آیت وفاۃ کے بعد بھی معمول بہا ہے تو آیۃ کریمہ اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَاءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُہُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ وَلَوْ اَنَّہُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْہِمْ لَکَانَ خَیْرًا لَّہُمْ بھی بعد الوفاۃ معمول بہا ہوگی تو اب حجرہ مبارکہ سے باہر ہی کھڑے ہو کر یا رسول اللہ سے آپ کو نداء کیا جاتا ہے لہٰذا یہ نداء کرنے والے نصِ قرآنی کی رو سے لا یعقل ہیں۔ نیز بے صبرے بھی ہیں جو حجرہ مبارکہ سے باہر آ بھی نکلے نہیں ہیں پہلے ہی سے طلب شفاعت شروع کر دیتے ہیں جو بجائے تحصیل خیر کے اپنے بارے شر حاصل کرتے ہیں انہیں چاہئے تھا کہ شق قبر یعنی قیامت کے دن تک صبر کرتے

نیز آیۃ کریمہ یا ایہا النبی اذا جاءک المؤمنات یبایعنک علی ان لا یشرکن باللہ شیئا، نیز ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ بھی عام ہے ما بعد الوفات کو وفاۃ کے ساتھ یہ حکم منقطع نہیں ہوا ہر کسی کو عام ہے سفر سے آیا ہو یا الذین عموم کا لفظ ہے تو چاہئے کہ آپ کی وفاۃ کے بعد بھی آپ ہی سے بیعت کریں حالانکہ سلف وخلف میں سے کوئی ایک بھی نہ اس کا قائل ہے نہ اس پہ کوئی عامل ہے جب کہ یہاں بھی جاءک کا لفظ ہے

شبہ نمبر ۲

مسئلہ وسیلہ

القول المحمود

في

ترک التوسل المعهود

ایک اصولی بحث ○ دلالۃ النص اور قیاس میں فرق

محترم جناب مولٰنا صاحب نے تسکین الصدور طا ص ۲۱۲ میں لکھا تھا

تسکین الصدور طا ص ۲۱۲ : جملہ علمائے کرام اس بات پر متفق ہیں کہ نص کے مقابلہ میں قیاس قابلِ قبول نہیں بلکہ مردود ہے جب آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح اور صریح حدیثیں اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ آپؐ کا عند القبر سماع ثابت ہے اور آپ سلام کہنے والوں کا جواب بھی دیتے ہیں تو اس کے مقابلہ میں یہ نرے ڈھکوسلے کیا وقعت رکھتے ہیں کہ جب آپ دروازہ کے باہر لوگوں کی آوازیں دنیا میں نہیں سنتے تھے اور حضرت زینبؓ کی آواز نہ سنی تو وفات کے بعد...... کیوں کر سنتے ہیں ...... یہ سب قیاس فاسد اور مردود ہے

میں نے اس کے جواب میں لکھا تھا اس کا ماحصل یہ ہے

نیلوی عرض پرداز ہے کہ یہاں محترم نے جمہور سے اپنا رشتہ کاٹ کر خصوصاً حنفیہ کے مسلک سے ہٹ کر صرف ایک امام رازیؒ کی بات تسلیم فرمالی اور وہ بھی بلادلیل۔ کیونکہ امام رازیؒ کا خیال ہے کہ دلالۃ النص بھی قیاس کی نوع ہے۔

اور یہ خیال محترم کا تسامح پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ آپ بڑی شد ومد کے ساتھ اس خیال کو کئی جگہ دہرا چکے ہیں مثلاً تسکین الصدور طبع اس ص ۱۳۲ میں بھی مسئلہ حیات النبی کے بارے تحریر فرما آئے ہیں کہ عقلی اور نظری طور پر دلالۃ النص سے بھی ان کی حیات ثابت ہے" تو یہ عبارت بتاتی ہے کہ محترم بھی بیچ مچ ہی دلالۃ النص کو قیاس ہی کی ایک نوع یا صنف سمجھتے ہیں حالانکہ اصولی طور پر یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ نظر کے معنے ہیں توجیہ[عہ] المعقول لتحصیل المجہول جس کی اعلیٰ نوع قیاس ہے اور اس سے ادون تمثیل و استقراء ہیں

عہ یعنی نامعلوم اور مجہول چیز کو حاصل کرنے کیلئے معلومات کی طرف ذہن کو متوجہ کرنا

اور اصطلاح اصول میں قیاس اور دلالۃ النص میں بڑا فرق ہے کیونکہ قیاس کبھی قطعی ہوتا ہے اور کبھی ظنی۔ اگر علۃ منصوصہ سے مستنبط بالقیاس ہو تو قطعی ہوتا ہے اور یہ دلالۃ النص کے مساوی ہوتا ہے قطعیۃ اور اثبات میں (نور الانوار ص ۲۰۱) اور اگر علت مستنبطہ کے ذریعے قیاس ہو تو وہ ظنی ہوتا ہے اور اس قسم کے اوپر (یعنی قیاس پر) مجتہد عالم کے سوا کوئی واقف نہیں ہو سکتا۔

لیکن دلالۃ النص سے جو حکم ثابت ہوتا ہے وہ حکم قطعی اور یقینی ہوتا ہے جیسے وہ حکم قطعی اور یقینی ہوتا ہے جو عبارۃ النص اور اشارۃ النص سے ثابت ہو۔ اور جو علت دلالۃ النص کے ذریعے معلوم ہوتی ہے اس کے لئے نہ اجتہاد کی ضرورت ہے اور نہ ہی خاص علم کی۔ اس علۃ کو تو ہر ذی فہم جو بولی اور لغت سے واقف ہو سمجھ سکتا ہے۔

اسی لئے اصولی دلالۃ النص کی تعریف میں لغۃ کے بعد بطور تاکید کے لا اجتہاداً کا لفظ بڑھاتے ہیں تاکہ ان لوگوں کی تردید ہو جائے جو دلالۃ النص کو قیاس کی ایک نوع قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امتیاز صرف اتنا ہے کہ قیاس خفی ہوتا ہے اور دلالۃ النص جلی۔ حالانکہ ان دونوں کے درمیان فرق بیّن ہے (۱) قیاس ظنی ہے اور دلالت قطعی، (۲) قیاس کی علت مجتہد ہی بیان کر سکتا ہے اور دلالت کی علۃ ہر ذی فہم زبان دان (۳) دلالۃ النص کی مشروعیۃ مشروعیۃ قیاس سے پہلے کی ہے (۴) بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو جوازِ قیاس کے منکر ہیں مگر دلالۃ النص کے جواز کا کوئی بھی منکر نہیں ہے جیسے نور الانوار خود ص ۱۱۹ میں ہے قولہ لا اجتہاداً تاکید لقولہ لغۃ دفیہ رد من زعم ان دلالۃ النص ہو القیاس لکنہ خفی والدلالۃ جلی، وکیف یکون ہذا والقیاس ظنی لا یقف علیہ الا المجتہد والدلالۃ قطعیۃ یعرفہا کل من کان من اہل اللسان وایضا کانت ہی مشروعۃ قبل شرع القیاس ولا ینکرہا منکروا القیاس۔

علماء کرام نے دلالۃ النص کی مثال دی ہے کہ اللہ پاک نے قرآن شریف میں اولاد کو منع فرمایا کہ ماں باپ کو اُف نہ کہو "لاتقل لہما اُف" تو اس ممانعت خداوندی سے ہر ذی فہم لغت دان سمجھ جاتا ہے کہ جب ماں باپ کی عزت و احترام اس حد تک ہے کہ ان کو صرف اف کہنا بھی گناہ ہے تو ان کو گالی گلوچ، مار پیٹ، گھونز نا، قید کرنا، ان پر مقدمہ دائر وغیرہ کلی طور پر حرام ہوگا۔ یہ چیزیں کسی حال میں جائز نہیں ہو سکتیں کیونکہ ایسی باتوں سے ماں باپ کو اذیت پہنچتی ہے۔ اور جن باتوں سے ماں باپ کو اذیت اور تکلیف پہنچے وہ سب حرام ہیں اُف میں تو معمولی اذیت ہے جب یہ معمولی سی اذیت حرام ہے تو مؤخر الذکر تو اذیت میں بڑھ کر ہیں لہٰذا وہ بطریق اولیٰ حرام ہوں گی۔

بعینہٖ یہاں مسئلہ زیر بحث میں معاملہ ہے اور وہ اس طرح کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دنیوی غیر برزخی زندگی میں تھے جس زندگی میں آپؐ پر قرآن مجید اترتا تھا آپ اپنا فریضۂ تبلیغ بحکم اللہ ادا فرماتے تھے آپ جہادوں میں جاتے تھے لوگ آپؐ سے مسائل پوچھتے تھے اور آپ غور سے ان کے سوالات سنتے تھے اور آپ ان کے سوالات کا باری باری جواب مرحمت فرماتے تھے اس وقت تو یہ صورت تھی جیسے حدیث میں آتا ہے کہ جس شخص نے آپ کو حجرہ سے باہر کھڑے ہو کر آواز دی تو یا آپ نے وہ آواز سنی نہیں یا سنی تو ہے مگر پہچانے نہیں کہ یہ کس کی آواز ہے حالانکہ صرف دیوار کا فصل آواز پہنچنے کا قوی مانع نہیں کیونکہ دیوار میں بیسیوں سوراخ ہوتے ہیں جن میں ہوا آر پار ہو جاتی ہے۔ لیکن اب موجودہ صورت یہ ہے کہ آپؐ اپنی آرامگاہ میں بقول آپ کے بہ نفس نفیس بجسدہٖ و روحہٖ تشریف فرما اور عزلت گزیں اعتکاف بیٹھے ہوئے ہیں اور عالم برزخ میں ملکوت کے گرد مشغول بھی ہوا اور مشاہدۂ رب العزت میں منہمک اور مستغرق بھی ہوا پھر آپؐ کی آرامگاہ پر مٹی بھی ہو اور اس آرامگاہ کے ارد گرد حجرۂ ام المؤمنین بھی ہو پھر اس حجرہ کے چاروں طرف حضرت عمرؒ بن عبد العزیز کی چنوائی ہوئی دیوار بھی ہو پھر اس کے ارد گرد ایک ٹھوس بارہ دھاتوں کا روضہ معروفہ ہو جس میں کسی چیز کے جانے کی کوئی صورت ہی نہیں پھر اس روضہ معروفہ کے ارد گرد شبکہ رجالی بھی

توجس نے وہ حدیث سن رکھی ہو کہ عہد نبوی میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ شریفہ سے باہر آواز دینے والے کی آواز اندر والے زندہ لوگوں کو سنائی نہ دیتی تھی یا پہچانی نہ جا سکتی تھی تو وہ اس حدیث کو سن کر کیا مطلب لے گا۔ کیا وہ یہ مطلب سمجھیگا کہ زندگی کی باتیں ہیں لیکن وفات کے بعد جب حواس جواب دے جاتے ہیں ہاتھ پکڑ نہیں سکتے پاؤں چل نہیں سکتے لیٹا ہوا جسم اٹھ کر نہ بیٹھ سکتا ہے نہ کھڑا ہو سکتا ہے لیکن اتنے پردوں میں اندر والا بے حس و حرکت باہر والوں کو دیکھتا ہوتا بھی ہے باوجود آنکھیں بھی بند ہونے کے اور کفن کی چادروں میں لپٹی ہوئی ہونے کے اور آواز بھی باہر والوں کی سن لیتا ہے۔ لیکن باہر والے باوجود اس کے کہ ان کے تمام اعضا پورا پورا کام کر رہے ہیں ہاتھوں میں پکڑنے کی طاقت ہے ستو ہے بڑے بڑے ستون، چھپر اور بوجھ اٹھاتا ہے پاؤں سے چل کر کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے آنکھوں سے دیکھتا پہچانتا ہے اور کانوں سے سنتا ہے ناک سے سونگھتا ہے زبان سے بولتا ہے چیزوں کے مزے چکھتا ہے مگر اندر والے کو نہ دیکھتا پہچانتا ہے اور نہ اس کی آواز سنتا ہے۔

ہمارا تو یہ خیال ہے کہ جس نے وہ پہلی حدیث سن رکھی ہے وہ یہی سمجھتا ہے کہ جو اندر والا زندگی میں باہر والے کی آواز

نہیں سن سکتا وہ بعد وفات کے نہیں سن سکتا۔ اور باہر والے کی آواز اندر والے تک نہیں پہنچ سکتی تو مرنے کے بعد بھی باہر والے کے آواز اندر والے تک نہیں پہنچ سکتی اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللہ

محترم! اب مجھے سمجھائیں کہ اس دلیل میں کونسا نقص ہے۔ دلالۃ النص تو ایسی قطعی دلیل ہے جس سے حدود و کفارات بھی ثابت کئے جاتے ہیں حالانکہ حدود و کفارات ایسے احکام ہیں جو ادنیٰ سا شبہ پڑ جانے سے بھی ثابت نہیں کئے جا سکتے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِدْرَءُوا الْحُدُوْدَ بِالشُّبُهَاتِ ذرہ سا شبہ پڑنے پر بھی حد نہ لگا،

شبہ

اب رہا یہ شبہ کہ دنیا میں کثرتِ مشاغل سماع سے مانع بن سکتے تھے اس لئے حالات مابعد الموت کو حالات ماقبل الموت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا حیاتِ آن جا مماثلِ حیاتِ دنیا نیست

شبہ کا جواب

تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ آپ کی یہ بات اس پہلے قول کے معارض ہے جو فرماتے ہو کہ وہ حیات دنیا کی سی ہے کبھی فرماتے ہو کہ وہ حیات دنیا کی حیات سے بھی اکمل اقویٰ اعلیٰ اور اتم ہے۔ تو اس قول کو اگر بالائے طاق رکھیں تو پھر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے بیان کے خلاف آپ کا بیان جا رہا ہے کیونکہ وہ تو فرماتے ہیں کہ برزخ میں آپ حوالِ ملکوت مشغول ہیں اور مشاہدہ رب العزۃ میں آپ منہمک اور مستغرق ہیں اور بُعدِ مکان الگ سننے سنانے سے رکاوٹ بنا ہوا ہے جیسے کسی عرب نے کہا ع بَلیٰ کُلُّ مَنْ تَحْتَ التُّرَابِ بَعِیْدٌ ؎ کیوں نہیں زیرِ زمین ہر شخص ہم سے دُور ہے

اب اس حدیث شریف کی دلالت سے یہ ثابت کرنا کہ جب پسِ دیوار زندہ زندگی میں نہیں سُن سکتا تو وفات کے بعد پسِ دیوار سننا سنانا نہیں ہو سکتا بالکل قطعی طریق سے استدلال ہوا۔ پھر آپ کا اس حدیثی استدلال کو نزاع سے کہہ کر ٹال دینا آپ ہی کے انصاف کا مقتضا ہوگا ورنہ اہلِ انصاف و اہلِ علم اس استدلال کا انکار نہیں کر سکتے

ہمارا طرزِ استدلال ڈھکوسلہ نہیں

بلکہ اکابر فقہاء کرامؒ کے طرزِ استدلال کے عین مطابق ہے

محترم جناب مولٰنا صاحب ہمارے اس طرزِ استدلال کو ڈھکوسلہ کے ساتھ تعبیر فرماتے ہیں مگر اسی قسم کا طرزِ استدلال پہلے بھی ہوتا رہا۔ ہمارے مشایخ اکابر حنفیہؒ نے اس کو حجت گردانا ہے مشتے نمونہ از خروارے فقیہ النفس قاضی خان رحمہ اللہ اپنے فتاوٰی ص ۸۸۳ میں علم غیب کی بحث میں لکھتے ہیں وہو صلی اللہ علیہ وسلم ما کان یعلم الغیب حین کان فی الاحیاء فکیف بعد الموت یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بھی عالم الغیب نہ تھے جب آپ زندوں میں تھے تو اب وفات کے بعد کیسے عالم الغیب ہو سکتے ہیں۔

اسی طرح اگر ہم یوں کہہ دیں ہو صلی اللہ علیہ وسلم ما کان یسمع وراء الحجرات حین کان فی الاحیاء فکیف بعد الموت یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجروں اور دیواروں کے پیچھے سے بلانے والے کی آواز نہیں سنتے تھے جب آپؐ زندوں میں تھے تو اب وفات کے بعد ۱۰ ہاتھ ہٹ کر سات پردوں کے پرے سے کیسے سنیں گے تو یہ طرزِ استدلال ڈھکوسلہ کیسے ہوگا۔

پھر یہی عبارت فقیہ النفس قاضی خان رحمہ اللہ کی اپنی تائید میں خود جناب محترم نے اپنی کتاب میں بھی نقل فرمائی نیز مسئلہ حیات النبیؐ میں محترم نے بعض کتب کے حوالجات نقل فرمائے ہیں ان کتب میں یہی بتایا گیا ہے کہ حیات الانبیاء کا مسئلہ دلالۃ النص سے ثابت ہے۔ کیونکہ قرآن پاک میں تو نص صریح کے ساتھ صرف شہداء کی حیات ثابت ہے اب حیات انبیاء کا یہاں سے دلالۃ النص کے ذریعے ہی ثابت کرنا پڑا اور اس کو عقلی ڈھکوسلہ کہنا کسی عاقل کا کام نہیں۔ گر مسئلہ سماع میں اسی طرزِ استدلال کو عقلی ڈھکوسلہ کہنا آپ کے قلم سے شاید سج جاتا ہوگا۔

ہمیں تو آپ کسی کھاتے میں شمار نہیں کرتے کیونکہ ہمارے پیچھے نماز کا مکروہ تحریمی ہونا آپ کا اور آپ کے اکابر کا فتوےٰ ہے مگر بریلویوں کے پیچھے تو آپ کی نماز بلا کراہت درست ہے بلکہ وہ چونکہ عاشقِ رسول ہیں اس لئے ان کے پیچھے نماز پڑھنا موجب اجر عظیم ہے (جیسے سرگودھا کے غالیوں کا فتوٰی ہے)

پیر مہر علی شاہ صاحب

چلو عُشّاقِ رسول کے پیرانِ پیر پیر مہر علی شاہ گیلانی گولڑوی صاحب کی بات تو آپ کے نزدیک برو چشم منظور و مقبول ہوگی۔ ذرا آنکھیں کھول کر پڑھیں۔ پیر مہر علی شاہ صاحب نے اپنے مکتوبات طیبات ص ۱۲۰ میں تحریر فرمایا ہے۔

"جب دنیا میں سمع بعیدی نہیں ثابت تو حیاتِ برزخی میں کیونکر ہو سکتی ہے" (آگے حضرت مولانا روم کا شعر لکھا)

شعر انبیاء چوں جنسِ علیین بُدند ؛ سوئے علیین بجان و دل شدند (دفتر اول مثنوی مدد)

انبیاء کرام علیہم السلام چونکہ علیین والوں کے ہم جنس تھے اسی واسطے جان و دل سے علیین ہی کی طرف چلے گئے

نیز یہ فرمائیے کہ جب موت نام ہے انقطاعِ تعلقِ روح عن الجسد العنصری کا تو پھر سماعِ موتیٰ کے کیا معنے؟ جب کہ آپ کو مُسلّم ہے کہ "موت میں جسمانی حواس معطل ہو جاتے ہیں" (تسکین ص۱) کیا سمع حس نہیں یا حس ہے مگر معطل ہونے سے مستثنیٰ ہے۔ اگر مستثنیٰ ہے تو آپ کے حوالہ جات کے مطابق پہچانتے بھی ہیں (زائر کو) دیکھتے بھی ہیں بولتے بھی ہیں اور جنت کی خوشبوئیں سونگھتے ہیں اور نماز، حج بھی ادا کرتے ہیں تو سب حواس موجود ہوئے معطل نہ ہوئے تو یہ ایسا عام مخصوص منہ البعض ہے کہ افرادِ عام میں سے کوئی فرد بعد از تخصیص عموم کے تحت نہیں رہتا جس سے عام کا حکم بالکل منتفی ہو جاتا ہے اور عام کے افراد کے حکم میں اس قدر تخصیص کرنا اصول کے لحاظ سے ناجائز ہے۔

پھر جب حواس زیرِ زمین بدستور اپنا کام کر رہے ہیں کان سن رہے ہیں، آنکھیں دیکھ رہی ہیں، زبان بول رہی ہے، ناک سونگھ رہی ہے، دل پہچان رہا ہے، ہاتھ پاؤں نماز پڑھ رہے ہیں غرض سبھی کچھ ہے۔ زیرِ زمین ایک پورا شہر بس رہا ہے تو موتیٰ (مُردے) کیسے ہوئے؟ وہ تو احیاء (زندے) ہیں۔ سماعِ موتیٰ کیوں کہتے ہو۔ سماعِ احیاء کہو۔ ہاں آپ کی اصطلاح میں احیاء کی دو ٹولیاں ہوئیں ایک احیاء علیٰ وجہ الارض بسنے والے دوسری من تحت التراب (زیرِ زمین) بسنے والے ایک زمین کے اوپر دنیا بس رہی، دوسری مٹی کے نیچے دُنیا بس رہی ہے۔ اُوپر بسنے والی دُنیا زیرِ زمین بسنے والی دنیا کو نہ پہچانتی ہے، نہ دیکھتی ہے، نہ اُنکی آواز سنتی ہے اور نہ اُن سے سوال جواب کر سکتی ہے۔ مگر زیرِ زمین بسنے والی دنیا کی نظر بھی اتنی تیز ہے کہ مٹی سے پار گزر کر زائر تک پہنچ جاتی ہے۔ زمین نہ ہوئی شیشہ ہوا بلکہ بعض نے تو

بالکل صاف لکھ دیا کہ زمین انکے حق میں ہوا کی طرح ہے اور کان کی قوتِ سامعہ اتنی تیز کہ سیکڑوں من مٹی کے نیچے تک باہر والے کی آواز زیرِ زمین بسنے والی دنیا کے کانوں تک پہنچ جاتی ہے حالانکہ باہر والے شیشہ بند کمرے میں بیٹھنے والے تک اور شیشہ بند کمرے میں بیٹھنے والا باہر والوں تک آواز نہیں پہنچا سکتا۔ تو یہ مطلب ہوا کہ مُردوں کے حواس زندوں کے حواس سے قوی تر ہیں سُبحان اللہ ع بریں عقل و دانش بباید گریست ؛

پھر یہ جو کہا جاتا ہے کہ اموات کی حیات ناقص ہوتی ہے اس کے کیا معنے ہوں گے؟ ذرا یہ بھی

نیز یہ بتائیں کہ مُردوں کا سماع مافوق الاسباب ہے یا ماتحت الاسباب۔ امید ہے کہ دار الافتاء فقہ العلوم ماتحت الاسباب سماع کی نفی میں فتویٰ دیگا اگر مافوق الاسباب سماع ہے تو مافوق الاسباب میں مشیت ایزدی کی ضرورت ہے کہ جب اللہ پاک چاہے سُنادے۔ اُسی کی قدرت و اختیار میں ہوا۔ تو سماع موتیٰ نہ ہوا اسماع موتیٰ ہوا پھر وہ بھی مشروط بشرط مشیت ایزدی۔ اور اس اسماع موتیٰ کا کون منکر ہے اور جو منکر ہو وہ خدائی قدرت و اختیار کا منکر ہوا اور کافر ہوا اور اس انکار سے إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَن يَشَاءُ صریح نص قطعی کا انکار لازم آئے مع ہذا جو سماع موتیٰ کا قائل ہے وہ صریح قطعی نصوص إِن تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ اور وَهُمْ عَن دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ کا منکر ہے۔ اور نص قطعی کے علم ہونے کے بعد اس کا انکار کیا حکم رکھتا ہے۔

جب سماعِ موتیٰ مشیت ایزدی پر موقوف ہوا اور مشیت ایزدی کا تحقق ہمیں معلوم نہیں کہ کب ہوتا ہے اور کب نہیں اور کوئی صحیح غیر مؤول حدیث اس باب میں ہمیں ملی نہیں ہے لہٰذا سماع موتیٰ کی نفی قطعی ہوئی جیسے طلاق کے مسائل میں فقہاء لکھتے ہیں کہ أَنْتِ طَالِقٌ إِنْ شَاءَ اللَّهُ کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ شرط مشیت ایزدی معلوم نہیں لہٰذا اصل عدم طلاق تھی ابھی وہی عدم طلاق اپنے اصل پر قائم ہے وانہ بالتعلیق یعدم قبل الشرط والشرط لا یعلم ههنا فیکون اعداما من الاصل (ہدایہ ۲۰۰) حاصلہ ان الجزاء معدوم قطعا لان الجزاء معدوم عند عدم الشرط وههنا لم یعلم تحققہ فبقی علی عدمہ الاصلی (عینی ۲ علی ہدایہ) وقس علیہ مسئلۃ عدم سماع من فی القبور وافہموا ولا تعجلوا فان العجلۃ من الشیطان

الحاصل بعد از وفات عدم سماع کی دلیل دلالۃ النص کے ذریعے جو اہلِ حق بیان کرتے ہیں وہ قطعی ہے اسمیں کسی طرح کا شک نہیں پھر اس دلالۃ قطعیہ کو قیاسِ فاسد مردود اور عقلی ڈھکوسلے کہنا (جیسے صاحب تسکین نے کہا ہے) محض ہٹ دھرمی سینہ زوری تہکم اور اپنے علم پر بدنما داغ لگانا ہے" انتہی الی قدر الحاجۃ

یہ تھا اس جواب کا ماحصل جو ندائے حق میں چھپا تھا

انصاف اور علم کا تقاضا تو یہ تھا کہ میرے اس جواب کا جواب امانۃً دیانۃً احسن طریقہ کے ساتھ سپردِ قلم فرماتے۔ مگر آپ نے اس سوال کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ یہی سوچا ہوگا کہ ایک مجذوب کی بڑ ہے مخدوما! اگر یہ مجذوب کی بڑ تھی تو صرف یہی بحث تو مجذوب کی بڑ نہ تھی بلکہ ساری ندائے حق اور شفاء الصدور مجذوب کی بڑ تھی۔ پھر آپ نے ان کی تردید میں وقت اور پیسہ کیوں ضائع کیا، اور اگر یہ خیال مبارک میں ہو کہ عوام ان کتابوں کو دیکھ کر بدراہ نہ ہو جائیں اس وجہ سے دوبارہ تسکین الصدور لکھی اور سماع الموتیٰ تالیف کی مگر مخدوما اگر عوام کے بدراہ ہونے کا خطرہ ہے تو خواص اور علماء بھی یہ مضمون پڑھ کر بدراہ نہ سہی تردد میں ضرور پڑ جائیں گے۔ اس لئے اس کی تردید ضروری تھی تاکہ خواص کا تردد زائل ہو جاتا اور ایک مجذوب کی بڑ کی وجہ سے جو اشکال پیدا ہوا وہ جاتا رہتا۔

ایک وہم کا ازالہ

اگر کسی کو وہم ہو کہ نص قطعی سے جب عدم سماع ہو گیا تو اس شخص کو کافر کہنا چاہیے جو سماع کا قائل ہو کیونکہ نص قطعی کا منکر تو کافر ہو جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم کفر کا فتویٰ اس لئے نہیں لگاتے کہ عام غیر مخصوص منہ البعض ہم حنفیہ کے نزدیک گو خاص کی طرح قطعی ہے مگر شافعیہ عام غیر مخصوص منہ البعض کو قطعی نہیں مانتے ہیں بلکہ کہتے ہیں ان من عام الا وقد خص منہ البعض۔ ہر عام مخصوص منہ البعض ہوتا ہے اور مخصوص منہ البعض ظنی ہوتا ہے قطعی نہیں ہوتا۔ اس لئے ان کے نزدیک قطعی نہ ہوا۔

پس یہ اختلافِ مجتہدین قول بالکفر سے مانع ہے

جیسے آج کل قائلینِ سماعِ موتیٰ کو کافر اور مشرک کہنے والا فرقہ بھی پیدا ہو گیا ہے اور ہمارے محترم مولانا نے بھی نیلوی کو اسی کا ایک فرد سمجھ رکھا ہے

دلالۃ النص اور مسئلہ توسل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ الذی قال فی کتابہ المجید واذا سالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوا لی ولیؤمنوا بی لعلھم یرشدون وقال قال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جہنم داخرین

خدا پاک اس قدر رؤف و رحیم ہے کہ براہ راست اپنے بندے کی پکار سن لیتا ہے انبیاء اولیاء نے براہ راست خدا کو

اثباتِ توسّل میں صاحبِ تسکین فرماتے ہیں

عبارۃ النص کے طور پر اس حدیث (استسقاء عمرؓ بدعائے عباس عم النبیؐ) سے توسّل ثابت ہے لیکن ...... توسّل کی اصل علّت .... اور وجہ چونکہ بعد از وفات بھی متحقق ہے لہٰذا دلالۃ النص کے طور پر اس سے .... بعد از وفات بھی توسّل ثابت ہے کیونکہ علّتِ جواز مشترک ہو تو حکم بھی مشترک ہوگا (ص ۲۳) پھر تھانویؒ و شوکانیؒ کے حوالے دیئے

جناب! آپ کا کمال ہے کہ عزیرؑ اور زینبؓ والے واقعہ کو دلیل میں لانے کو قیاس اور عقلی ڈھکوسلہ فرمایا اور یہاں اگر قیاس پر دلالۃ النص کا اطلاق فرمایا۔ یہ بتائیے کیا مطلقاً علۃ مشترکہ کے اثبات سے مقیس کے حکم کو دلالۃ النص سے ثابت شدہ حکم تصور کیا جاتا ہے؟

مسئلہ تو یہ ہے کہ دلالۃ النص قطعی دلیل ہے جیسے عبارۃ النص و اشارۃ النص۔ اور اس کی علۃ (وجہ جامع) ایسی عام فہم ہوتی ہے جو ہر زبان دان سمجھ سکتا ہے اور قیاس ظنی دلیل ہے اسکی علۃ (وصف جامع بین المقیس والمقیس علیہ) سے مجتہد عالم کے بغیر کوئی دوسرا عامی مطلع نہیں ہوسکتا اما الثابت بدلالۃ النص فما ثبت بمعنی النص لغۃً لا اجتہاداً ......

وفیہ رد علی من[1] زعم ان دلالۃ النص ھو القیاس لکنہ خفی و الدلالۃ جلی وکیف یکون ھذا و

[1] ھو بعض المدارات قیاس ۔۔۔

[1] وھو الامام الرازی وھو زعم ان ثبوت الحکم فی دلالت النص موقوف علی معرفۃ المعنے اللازم فیوجد اصل کالتافیف مثلاً و فرع کالضرب وعلۃ جامعۃ موثرۃ کہ رفع الاذی فیتحقق معنے القیاس فلما کان ظاھر المنتی حجیۃ ... قمر الاقمار حاشیہ نور الانوار لعبد الحلیم الفرنگی محلی ص ۲۰

القیاس ظنی لایقف علیہ الا المجتہد والدلالۃ قطعیۃ یعرفھا کل من کان من اھل اللسان (نور الانوار ص ۱۳۸)

اب مصنف ناظرین غور فرمائیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بجسدِ عنصری دنیا میں تشریف فرما تھے تو لوگ آپ سے دعا کروالیتے تھے۔ پھر جب آپ دنیا کو چھوڑ گئے تو اس کے بعد کئی بار صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعین کے عہد میں قحط ہوئے مگر کہیں سندِ صحیح سے یہ بات ثابت نہیں کہ خیر القرون میں سے کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر آکر حضورؐ سے استدعا کی ہو یا دعا کروائی ہو۔ حالانکہ صحابہ علیہم الرضوان اہلِ لسان تھے۔ بلکہ اس کے برعکس اعلیٰ اولیٰ افضل و اکمل کو چھوڑ کر مفضول (بالنسبۃ الی النبیؐ) کو پیش بارگاہِ ایزدی میں پیش کرنا اور روحانیت میں آپ سے فائق تھے پھر ان الفاظ سے مافی الضمیر کو تعبیر کرنا اَللّٰھُمَّ اِنَّا کُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّنَا صلی اللہ علیہ وسلم فَتَسْقِیْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِعَمِّ نَبِیِّنَا فَاسْقِنَا واضح دلیل ہے اس امر کی کہ زندگی میں تو حضورؐ سے دُعا کرواتے تھے اب چونکہ حضورؐ وفات پاچکے ہیں اب اُن سے تو دُعا کروا نہیں سکتے اس لئے آپکے چچا محترم سے دعا کرواتے ہیں۔

دلیل اس کی یہ ہے کہ توسُّل بالاموات جائز نہیں سمجھتے تھے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپؐ کی قبر اطہر پر جاکر آپؐ سے براہِ راست قحط کے ازالہ کے لئے دعا نہ کروانا' دو باتوں پر واضح دلالت ہے ایک تو آپ کو صحابہ رضؓ میت سمجھتے تھے دوسرے یہ عمل صحابہؓ کا دلیل اس امر کی ہے کہ توسُّل بالاموات ان کے نزدیک ناجائز تھا

ورنہ حضرت عمرؓ جیسی ہستی بیانِ جواز کیلئے یا اور صحابیؓ یا تابعیؒ یا تبع تابعینؒ میں سے کوئی ایک تو توسُّل بالاموات کرتا حالانکہ کسی ایک سے بسندِ صحیح ثابت نہیں (حالانکہ صحابہ کرامؓ وہ مقتدر ہستیاں ہیں جو امر بالمعروف ونہی عن المنکر ان کو تاہی نہ کرتے تھے وہ عوام تک حق پہنچانا اپنا فرض سمجھتے تھے۔)

اب نامعلوم صاحبِ تسکین کس خیال پر ہوں گے۔ اس سے پہلے تو "راہِ سُنّت" میں کئی جگہ آپ نے یہ قاعدہ بیان فرمایا کہ جو امر صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ کے بعد ایجاد ہو اسپر اعتماد نہیں۔ صحابہ کرامؓ تو جیسے قبرستان سے گذرتے ہوئے بطورِ دعاء کے (نہ بطورِ سماع کے) السلامُ علیکم یا اَھْلَ القبور سنت نبوی سمجھتے ہوئے کہتے تھے ایسی ہی اتفاقاً کوئی حضور اکرمؐ کی قبر اطہر سے گذرتے ہوئے اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ بطور دعاء کے سُنّت نبوی سمجھتے ہوئے کہتا

تو وہاں دعا کرنے کھڑا نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ جلدی سے واپس پلٹنے کی کرتا تھا۔ حالانکہ صحابہ کرامؓ بہ نسبت بعد کے لوگوں کے حضورؐ کے زیادہ جان نثار عاشق تھے جنہوں نے حضرتؐ کے سیکڑوں معجزات اپنی معفوذ آنکھوں سے دیکھ رکھے تھے معہٰذا صحابہؓ کا یہ فعل نہ کرنا دلیل عدم جواز کی ہے نہ جواز کی

راہِ سنت ص۲۳۱ میں صاحبِ تسکین ارقام فرماتے ہیں

"جو کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ و تبع تابعینؒ نے نہیں کیا باوجودیکہ اسکا سبب موجود تھا آج بھی اُس کے کرنے کی مطلقاً کوئی گنجائش نہیں ہے اور نہ کسی صوفی کا کوئی قول وفعل اور خواب معتبر ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ خلیفہ نظام الدینؒ گفتہ است فعلِ مشائخ حجت نباشد (البلاغ المبین ص۵۵) انتہٰی کلامہ فی راہِ سنت

گلدستۂ توحید ص۱۴۳ میں لکھتے ہیں:۔

"اثباتِ عقیدہ کیلئے قطعی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے یعنی قرآن کریم اور احادیثِ متواترہ"

الحاصل اگر جواز التوسل بالاموات دلالۃ النص سے ثابت ہوتا تو صحابہؓ سے یہ حکم کیوں مخفی رہتا جو اہلِ لسان تھے اور عربی زبان جانتے تھے پھر خیر القرون سے یہ حکم کیوں مخفی رہا اُن کا اس امر پر تعامل کیوں نہ تھا حالانکہ انہیں بڑی تعداد مجتہدین عظام کی تھی انکو علّۃ مشترکہ نہ سوجھی؟ اچھی دلالۃ النص ہوئی کہ بجائے ہر زبان دان کے سمجھ جانے کے اور علّۃ جلی ہونے کے اس قدر مخفی ہوئی کہ اہلِ لسانوں کی سمجھ میں بھی نہ آئی نہ مجتہدین صحابہؓ کی نہ تابعینؒ نہ تبع تابعینؒ کی سمجھ میں آئی نہ ابن تیمیہؒ کی سمجھ میں آئی نہ ابن قیمؒ کی نہ آلوسیؒ کی سمجھ میں آئی نہ انور شاہ صاحبؒ کی آدھ علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف خود دلیل ہے علّۃ کے مخفی ہونے کی

علامہ سید آلوسی رحمہ اللہ کا حوالہ

علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ توسل کے جواز کی بابت زندگیِ نبی و وفاتِ نبی کو برابر سمجھنے میں نص کی ضرورت ہے۔ شاید نص اس کے خلاف ہی ہے جناب عمرؓ کے عہد میں جب کبھی قحط پڑتا تھا تو عباسؓ سے دعا کرواتے تھے اگر حضرتؐ کے انتقال کے بعد توسل بالنبی کے جواز کی کچھ صورت ہوتی تو صحابہؓ غیر نبی کیطرف رجوع نہ فرماتے بلکہ یوں کہتے اے اللہ ہم تیرے نبیؐ کو

وسیلہ بناتے ہیں وتساوی حالتیٰ حیاتہ ومماتہ صلے اللہ علیہ وسلم فی ھٰذا الشان (التوسل) یحتاج الی نص ولعل النص علی خلافہ ففی صحیح البخاری عن انس رضی اللہ عنہ ان عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب کان اذا قحطوا استسقی بالعباس رضی اللہ عنہ ... فانہ لوکان التوسل بہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد انتقالہ من ھٰذہ الدار لما عدلوا الی غیرہ بل کانوا یقولون اللّٰھم انا نتوسل الیک بنبینا واستقا (نے بدعاوہ الی دار البرزخ) الی اٰخرہ (روح المعانی ص۱۱۳ پ)

دیکھا اب تو حضرت علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ بھی آپ کے خلاف جا رہے ہیں، انہیں سمجھاؤ کہ تم نے (ہمارے مزعوم) جمہور کا خلاف کیوں لکھا۔ نیز ان کو یہ بھی سمجھا دینا (ان کی قبر پہ جاکھڑے ہوکر۔ کیونکہ آپ کی تو مردے سُن لیا کرتے ہیں) کہ جناب علامہ آلوسی صاحبؒ! توسل بالاموات کا تو سوال پیدا ہی نہیں ہوتا اس لئے کہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تو قبر اطہر میں بروحہ وجسدہ زندہ ہیں۔ صرف آپ تو معتکف کی حیثیت سے اپنی قبر مطہر میں عزلت نشین ہیں۔ آپ نے کتنا بڑا ظلم عظیم کیا کہ معتزلہ کی طرح لکھ دیا" وتساوی حالتی حیاتہ ووفاتہ صلے اللہ علیہ وسلم بلکہ تمام انبیاء و شہداء بلکہ تمام لوگوں کے اجسادِ عنصریہ کیطرف ارواح لوٹائی جاتی ہیں وہ جماد نہیں رہتے زندہ ہوتے ہیں۔ لہٰذا توسل بالاموات کا کوئی فرد باقی نہ رہا۔ ہاں توسل بعد الموت کا لفظ موزون تھا۔

فرمائیے جناب! دلالۃ النص تو قطعی ہوتی ہے اور نص ہی محتاج الی النص ہو وہ کیسے پھر نص اسکے خلاف کیسے؟

ہم کہتے ہیں کہ مطلق نص سے مراد عبارۃ النص ہوتی ہے سیکنڈ نمبر پہ اشارۃ النص ہے جو ماثبت بنظمہ لغۃً لکنہ غیر مقصود ولا سیق لہ النص ولیس بظاھر من کل وجہ۔ اب جب دلالۃ النص کے مخالف اس سے اونچے درجے کی نص ہو تو دلالۃ النص کو ترک کر دیتے ہیں اب آپکے دلالۃ النص کی کیا وقعت رہ گئی۔

حضرت سید محمد انور شاہ صاحبؒ کا تردد توسل بالاموات کے بارے میں

نیز حضرت سید محمد انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ توسل بالاموات کا مسئلہ مختلف فیہ ہے اور میں اس مسئلہ میں متردد ہوں" اگر یہ مسئلہ دلالۃ النص سے ثابت ہوتا تو اسمیں تردد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ھٰذا النحو جائز عند المتاخرین ومنع

حافظ ابن تیمیہ وانی متردد فیہ تردد کا مقام تو قیاس ہی ہو سکتا ہے کیونکہ قیاس ظنی ہوتا ہے۔ پھر قیاس حجت بھی اسی وقت ہے جب کسی مجتہد عالم کا ہو۔ غیر مجتہدین کا قیاس غیر معتبر ہے۔ اور ایسے ظنی مشتبہ امور سے منع ہی کرنا چاہئے نبیؐ کا ارشاد ہے دع ما یریبک الی ما لا یریبک وقال من ترک الشبہات مخافۃ الوقوع فی الحرام الخ۔

وقال من اتقی الشبہات استبرأ لدینہ وعرضہ ومن وقع فی الشبہات وقع فی الحرام لا یبلغ العبد ان یکون من المتقین حتی یدع ما لیس بہ باس حذرا لما بہ باس قال صلی اللہ علیہ وسلم الاثم ما حاک فی النفس وتردد فی الصدر وان افتاک الناس

سید محمد انور شاہ صاحبؒ کا رجحان عدم جواز کی طرف نیز ان کا فرمان کہ حدیث سے کوئی ثبوت نہیں

حضرت شاہ صاحبؒ گو متردد ہیں مگر آپکا رجحان عدم جواز ہی کیطرف ہے چنانچہ اسی حدیث کے تحت جس سے صحابؓ تسکین بدلالۃ النص جوازِ توسل بالاموات ثابت کرتے ہیں آپؒ اس کی تردید فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتا۔ فرماتے ہیں :-

قولہ اللہم انا کنا نتوسل الیک بنبینا صلی اللہ علیہ وسلم لیس فیہ التوسل المعہود الذی یکون بالغائب حتی قد لا یکون بہ شعور اصلاً بل فیہ توسل السلف وہو ان یقدم رجلا ذا وجاہۃ عند اللہ ویامرہ ان یدعو لہم ثم یحیل علیہ فی دعائہ کما فعل بعباس عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولو کان فیہ توسل المتاخرین لما احتاجوا باذہاب عباسؓ معہم ولکفی لہم التوسل بنبیہم بعد وفاتہ ایضا او بالعباسؓ عند عدم شہودہ معہم (فیض الباری ص۲۹۹)

شاہ صاحب کے نزدیک جب یہ مسئلہ حدیث سے ثابت نہیں تو نہ ظاہر ہوا نہ نص نہ مفسر نہ محکم۔ بلکہ خفی سے اوپر مشکل مجمل ہے جسمیں آپ متردد ہیں مگر آپ کی عجیب ہی دلالۃ النص ہے جس کی علت مشترکہ ان محققین پر بھی مخفی رہ گئی یا للعجب

اگر دلالۃ النص سے تنزل کریں اور قیاس سمجھیں تو قیاس کے جواز کی بھی کوئی صورت نہیں بچند وجوہ ایک تو یہ کہ قیاس

کیلئے شرط ہے کہ قیاس سے حکم اصل (مقیس علیہ) برقرار رہے نیز فرع اصل کی نظیر ہو وغیرہ کما ہو مقرر فی کتب الاصول اور یہاں فی میں اصل و فرع نظیر نہیں بلکہ یہ قیاس نری جہالت ہے

چنانچہ علامہ بشیر الدین سہسوانی رح نے فرمایا ہے وَجۂ الجهل فی هٰذا انہ یقیس حیاۃ البرزخ علی حیاۃ الدنیا وعالم الغیب علی عالم الشہادۃ وھو قیاس باطل عند علماء اصول الشرع وعند جمیع العقلاء (صیانۃ الانسان ملا)

قیاس صحیح نہ ہونے کی دیگر وجوہ

اور قیاس ہو تو کیونکر ہو۔ زندہ کے متعلق تو یہی ہے کہ زندہ دعا کرے اگر میت کی بابت بھی یہی کہیں کہ وہ میت زندوں کے حق میں دعا کرے جو فرع ہے اس کے قدرت سمع بصر فہم اور ادراک کا امور دنیا کی بابت جو خود محل نزاع ہے مثبتا و منکم کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ مُردہ کو امور دُنیا سے کچھ تعلق نہیں رہتا (کما قال انانوتوی) نہ دنیا کے لوگوں کو دیکھتا پہچانتا ہے اور نہ دنیا کے لوگوں کی باتیں سنتا ہے اور نہ دنیا کے باشندوں سے گفتگو کرتا ہے نہ دنیا کے لوگوں کی باتیں سُن کر اور انکی فریادیں اور درخواستیں سن کر اللہ تعالیٰ کے ہاں پیش کرنے کی انہیں قدرت ہے نہ دنیا کے باشندوں کے حق میں اللہ سے دعا کرنے کی انکو طاقت ہے۔ ہاں مُردے عالم برزخ میں زندہ ہیں۔ برزخ والوں کو دیکھتے پہچانتے ہیں باہمی گفتگو کرتے سنتے سناتے ہیں۔ برزخ میں غمی خوشی محسوس کرتے ہیں۔ سعداء، شہداء، انبیاء عالم برزخ میں کھاتے پیتے بھی ہیں جنت کی سیر بھی کرتے ہیں۔ انہیں اُڑنے کی بھی طاقت ہے۔ ہاں اللہ چاہے تو جیسے آدمؑ کو جنت میں رہتے ہوئے زمین سے شیطان کی آواز پہنچا دی تھی اور آدمؑ نے آواز سُن لی تھی۔ اسی طرح برزخ والوں کو اہل دنیا کی باتیں سنا دے تو یہ اسکی قدرت ہے، نبی صلعم کو بیداری میں برزخ کی سیر کرائی جنت دوزخ دکھائی موسیٰؑ ابراہیمؑ آدمؑ یوسفؑ وغیرہ کی زیارت کرائی، زانیوں، شرابیوں، سود خوروں، غیبت کرنے والوں وغیرہ مجرموں کو سزا پاتے ہوئے دکھا دیئے۔ یہ سب قدرت ہے جسکا منکر کافر ہے۔ مگر یہاں بحث قدرت سے نہیں۔ بحث ہے تو قاعدہ سے ہے۔ اللہ کو قدرت ہے کہ آگ کو گلزار بنا دے جیسے ابراہیمؑ کے حق میں اس قدرت کا اظہار فرمایا مگر قاعدہ اور ضابطہ نہیں۔ اللہ کو قدرت ہے کہ پانی میں غرق ہونے والا محفوظ اور صحیح سلامت رہے جیسے حضرت یونسؑ مچھلی کے پیٹ میں صحیح سلامت محفوظ رہے۔ مگر

قاعدہ نہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ عصا کو سانپ بنا دے جیسے موسیٰؑ کیلئے اس قدرت کا اظہار فرمایا مگر قاعدہ نہیں۔ اللہ کو قدرت ہے کہ مار کر اسی دنیا میں دوبارہ زندہ فرما دے جیسے عزیرؑ و بعض بنی اسرائیل کو دوبارہ اسی دنیا میں زندہ فرمایا۔ عزیرؑ کا گدھا دوبارہ جلایا مگر قاعدہ نہیں ہے۔ اللہ کو قدرت ہے کہ دنیا میں بسنے والے کی آواز عالم برزخ میں بسنے والوں کو سنا دے جیسے نبی اکرمؐ کی آواز اُن کافر مُردوں کو سُنا دی جو بدر کے میدان میں قتل ہو کر گڑھے میں پھینک دئے گئے تھے۔ مگر یہ قاعدہ نہیں۔ اسی طرح تمام معجزاتِ انبیاء اور کراماتِ اولیا کا یہی حال ہے۔ اور جو لوگ معجزات و کرامات و دیگر خرقِ عادات پر قیاس کر کے ایک قاعدہ کلیہ گھڑ لیتے ہیں وہ اصولِ فقہ سے جاہل ہیں یا متعصب ہیں۔ صحتِ قیاس کی یہ بھی ایک شرط ہے کہ مقیس علیہ معدول عن القیاس نہ ہو اور ظاہر ہے کہ معجزہ اور کرامت و دیگر خرقِ عادات کسی قاعدہ کے ماتحت نہیں ہیں جن پر قیاس کیا جا سکے۔ فافہم

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری ج ۶، ص ۴۴۳ طبع مصر میں لکھا ہے قلت اذا کان الذی وقع حینئذ من خوارق العادۃ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم حینئذ لم یحسن التمسک بہ خلاصہ یہ ہے کہ معجزہ سے دلیل نہیں پکڑی جا سکتی۔

شرائعِ من قبلنا

فرماتے ہیں "اصولِ حدیث و اصولِ فقہ کا یہ اتفاقی مسئلہ ہے کہ جب قرآن و حدیث میں پہلی قوموں کی باتیں ایسے انداز سے نقل کی جائیں کہ انکی تردید نہ کی گئی ہو تو وہ ہمارے لئے بھی جائز اور حجت ہوتی ہیں۔ اور اس مقام پر توسل کی تردید نہیں کی تو وہ لامحالہ ہمارے حق میں بھی جائز اور درست ہوگا" (تسکین ص ۲۲۴)

الجواب

یہ اصولی قاعدہ پہلی قوموں کی باتوں کی بابت نہیں بلکہ پہلی قوموں کی شریعتوں کا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جو احکام پہلی امتوں پر نازل فرمائے ہیں اُن کا تذکرہ اگر قرآن و سنت میں بلا تردید آ جائے تو وہ حجت ہے اور ملحق بالکتاب و السنۃ ہے واما شرائع من قبلنا فملحقۃ بالکتاب والسنۃ (نور الانوار ص ۲۱۶) ان ہذہ الشرائع انما تلزمنا

اخا قصہ اللہ ورسولہ من غیر انکار کقولہ تعم وکتبنا علیہم فیہا ان النفس بالنفس ..... وھٰذ الکلہ باقٍ علینا فہو علی الاول ملحقۃ بالکتاب وعلی الثانی ملحقۃ بالسنۃ فتم الحصر (قرأۃ قارث ۲۴) اور اگر شرعی حکم نہ ہو ویسے ہی اُن کا عمل بیان ہو تو وُہ کیسے حجت بن سکتا ہے۔

اب فرمائیے کہ آپ کو یقین ہے کہ توسل بنبیٔ آخرالزمان صلعم انکی توریت کا شرعی حکم تھا جس کے وہ کاربند تھے۔ کیا آپ کو اُن یہود ونصاریٰ پر کلی اعتماد ہے کہ اُن کا ہر عمل توریت انجیل کے موافق تھا۔ کیا خبر کہ انہوں نے بھی آج کل کے بدعتیوں کی طرح توسل بالنبیؐ والی بدعت بھی نکالی ہو اور بظاہر معلوم بھی ایسا ہی ہوتا ہے ورنہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے توسّل بالذوات وبالاموات کا ثبوت بیاناً للجواز ضرور ملتا یا صحابۂ کرامؓ یا خیرالقرونؒ کے تعامل سے کچھ تو ثبوت احادیث وآثار میں ملتا مگر ذخیرۂ احادیث کو چھاننے کے باوجود کسی صحیح سند سے توسل بالذوات یا بالاموات کا تعامل نہ مل سکا ومن ادعیٰ فعلیہ البیان

نیز اگر یہ شرعی حکم تھا تو فقہاءؒ اور مجتہدینؒ کے جمّ غفیر کو کیا حق پہنچتا تھا کہ جائز حکم شرعی ثابت بالکتاب والسنۃ کو مکروہ کہیں جبکہ خود صاحبِ تسکین نے ان الفاظ میں اقرار فرمایا "دیگر فقہاء کرامؒ نے عموماً اور فقہائے احنافؒ نے خصوصاً یہ بیان کیا ہے کہ توسّل کے موقع پر "بحقِ فُلاں" لفظ استعمال کرنا مکروہ ہے (تسکین ص۲۲۵)

مولانا کا ایک اور تسامح

پھر آپ کا فرمانا کہ "توسل کرنا بنی اسرائیل کا قرآن وحدیث سے ثابت ہے"

محلِ نظر ہے پیش کردہ آیت میں کونسے لفظ کے معنے توسل کے ہیں

علامہ آلوسیؒ نے دو معنے بتائے ہیں ایک ان ینصرھم بہ علی المشرکین اور بہ میں ب بمعنے توسل ہونے کا کیا ثبوت ہے کیوں نہیں ہو سکتا کہ یہ ب ایسی ہو جیسے اِنَّمَا تُرْزَقُوْنَ بِضُعَفَائِکُمْ میں ب ہے یعنی برعایۃ ضعفائکم (فیض الباری ص۴۲۹) یا بدعاء ضعفائکم جیسے ابن عساکر کی روایت میں ہے صرح بہ السیوطی فی جامع الصغیر یعنی تمہیں ضعیفوں کی رعایت میں روزی دی جاتی ہے۔ یہ معنے نہیں کہ تمہیں ضعیفوں کے وسیلے سے روزی ملتی ہے بلکہ یہ مطلب کہ ضعیف تمہارے واسطے دعاء کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی دعاء قبول کر لیتا ہے پھر تمہیں روزی ملتی ہے

اور حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے قاعدہ جلیلہ ص ۱۱۱ میں اس حدیث شریف کے یہ معنے بیان فرمائے ہیں بدعائہم وصلوٰتہم واخلاصہم یعنی کمزور اور ضعیف لوگ آپ کے حق میں دعا کرتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں اور ان کی دعا اور نماز میں خلوص ہے اس لئے آپ کو روزی ملتی ہے۔ اور یہ مطلب نہیں کہ چونکہ آپ ضعیفوں کو وسیلہ بناتے ہوا پنی دعا میں' اس لئے آپ کو روزی ملتی ہے۔ یہ مطلب بریلوی تو لے سکتے ہیں۔ کیونکہ ان کا مشن ہی یہی ہے لیکن اہل السنۃ والجماعت میں سے کوئی عالم اس حدیث کا یہ مطلب نہیں لیتا صاحب تسکین بھی اب بریلویہ کے نقش پر چلنے لگے ہیں

تنبیہ

یاد رہے کہ جو معنے حضرت شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بیان فرمائے ہیں یہ تاویل محض نہیں ہے بلکہ یہ تفسیر خود حدیث پاک میں صراحۃً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ چنانچہ امام سیوطی رحمہ اللہ نے جامع صغیر ج ۲ ص ۱۹۴ میں' ابونعیم کی کتاب حلیۃ الاولیاء کے حوالے سے آپ کی حدیث اس طرح لکھی ہے ہل تنصرون الا بالضعفاکم بدعوتہم واخلاصہم۔

سندِ حدیث پر بحث

رہی سدی کی روایت سو بلا سند ہے جو حجت میں پیش نہیں کی جا سکتی۔ مع ہذا صاحب تسکین نے خود اپنی کتاب "ازالۃ الریب فی مسئلۃ علم الغیب" میں سدی کی روایتوں پر جرح فرمائی ہے۔ ص ۳۲۲ و ص ۳۲۳ دیکھو

اور ایک روایت وہ ہے جس میں عبد الملک بن ہارون راوی ہے جو کذاب ہے فہو من اضعف الناس وھو عند اہل العلم بالرجال متروک کذاب[۱] (قاعدہ جلیلہ ص ۱۱)

---

[۱] قال الدارقطنی ہما ضعیفان وقال احمد عبد الملک ضعیف وقال یحییٰ کذاب وقال ابوحاتم متروک ذاہب الحدیث وقال ابن حبان یضع الحدیث لا یحل ... (لسان المیزان) وقال صالح بن محمد عامۃ حدیثہ کذب ... وضعفہ یعقوب بن سفیان ..... قال مسعود السجزی عن الحاکم ذاہب الحدیث جداً واتہم فی المدخل روی عن ابیہ احادیث موضوعۃ وذکرہ الساجی والعقیلی وابن الجارود وابن شاہین فی الضعفاء وقال ابونعیم الاصفہانی یروی عن ابیہ المناکیر (لسان ص ۷۱ ج ۴)

اب کذّاب کی روایت کو حجت بنانا صاحبِ تسکین ہی کا کام ہے

جیسے بلال مزنی رض کی روایت کذاب راوی کی تقلید میں صحیح بنا دکھائی، اس کی بحث ان شاءاللہ تعالیٰ اپنے مقام پر آجائے گی۔

متداول تفاسیر کا صحیح مفہوم

اور متداول تفسیروں میں جو مطلب آیا ہے اسکی تلخیص حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے موضح قرآن میں فرمائی کہ آنحضرتؐ کی بعثت سے قبل مشرکین و یہود کی لڑائی میں یہود جب غلبہ کافروں کا دیکھتے تو دعا مانگتے کہ نبی آخرالزمان شتاب پیدا ہو۔ جب پیدا ہوا تو آپ ہی منکر ہوئے۔

یستفتحون کے معنے ہیں اللہ تعالیٰ سے فتح طلب کرتے کہ نبی آخرالزمان تشریف لائیں تو ہم اُن کے ساتھ ہوکر مشرکینِ عرب پر فتح حاصل کریں۔ یہ صحیح تفسیر آیت کی یہی ہے

بعض تفاسیر کی زلّت

اور صاحبِ تسکین جس بعض کی تفسیر کو اپنی تائید میں پیش فرما رہے ہیں اُسی بعض کی تفسیر پر بریلویہ بھی بڑے نازاں ہیں چنانچہ نعیم الدین مرادابادی نے تقویۃ الایمان کے رَدّ میں جو کتاب بنام اطیب البیان بتردید تقویت الایمان لکھی ہے اسکے صفحہ ۲۱ میں لکھا ہے کہ

"اللہ ربُ العزت تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا (پارہ ۱) یعنی حضورؐ کے رونق افروز ہونے سے پہلے یہودی حضورؐ کے نام مبارک کے وسیلہ سے کافروں پر فتح و نصرت طلب کرتے تھے اور حضورؐ کے نام کی برکت سے اللہ تعالیٰ انہیں مہمات میں کامیاب فرماتا تھا"

اب ناظرین بتائیں کہ صاحبِ تسکین اور نعیم الدین ایک ہی شاہ راہ پر گامزن ہیں یا نہ؟

جب قرآن مجید میں توسل کا ذکر نہیں اور نہ کوئی صحیح حدیث توسل کی بابت موجود تو تردید کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا پھر بحث اور جواز کیسے؟۔

اگر توسل کا ذکر ہوتا بھی تو یہ کہاں کا اصولی مسئلہ ہے کہ اسکی تردید کا بھی متصل اسی جگہ ذکر کرنا لازم ہے۔

کیا حضرت آدم علیہ السلام کے آگے فرشتے جھکے نہ تھے۔ اب بتائیں کہ غیر اللہ کے آگے تعظیما انحناء کی تردید قرآن پاک میں اسی جگہ ساتھ ہی موجود ہے؟ ہرگز نہیں! بلکہ سارے قرآن مجید میں کہیں بھی انحناء تعظیمی کی تردید نہیں آئی۔ البتہ حدیث پاک میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انحناء سے منع فرمایا۔

نیز یہ بتائیں کہ تردید قولی ہی ضروری ہے یا تردید عملی بھی کفایت کر جاتی ہے اگر تردید قولی ضروری ہے تو یہود ونصاریٰ کے ہر ایک عمل کی قولاً تردید کا دکھانا آپ کے ذمے ہے۔

صاحب تسکین کا دلائل اربعہ سے باہر نکلنا

پھر فرماتے ہیں:۔

"قاضی شوکانی نے جو کچھ فرمایا ہے دلائل اور کثرت امت کے تعامل سے ہی قوی اور صحیح ہے اور ایسے مسائل کے لئے اس سے زیادہ قطعی دلائل کی ضرورت بھی نہیں ہوتی" (تسکین ص۲۲)

جناب من! دلائل شرع کے چار ہیں ان میں سے کونسی دلیل آپ کے سامنے ہے قرآن وحدیث تو آپ کے ساتھ نہیں صرف زبان سے کہہ دینا نہ دلیل ہے نہ کافی ہے۔ اجماع بھی نہیں ہے۔ رائے مجتہدین کی بھی آپ کے خلاف ہے۔ پھر کس دلیل کے بل بوتے پر آپ نازاں ہیں

کیا قاضی شوکانی کا قول آپکے نزدیک قطعی دلیل ہے؟ اگر ہے تو ان کی بابت بھی ایک دو باتیں سن لیجئے۔

قاضی شوکانی کا ترجمہ

حضرت مولنا عبدالحی صاحب لکھنوی فرماتے ہیں "علامہ شوکانی جنکا انتقال ۱۲۰۵ھ یا ۱۲۵۵ھ میں ہوا ہے گو علم ادب میں ان کی تحقیق اچھی ہے مگر ان کا اجتہاد اور فتویٰ ائمہ اربعہ اور مجتہدین سابقین رحمہم اللہ کے اجتہاد اور فتویٰ کے مقابلہ میں اعتبار کے قابل نہیں (معلم الفقہ ص۲۶۱)

شوکانی کے بارے عبداللہ قصیمی کی رائے

پھر عبداللہ بن علی القصیمی نے بھی شوکانیؒ پر ردّ فرمایا کہ غار والوں کی حدیث سے توسّل بعمل الغیر کے بارے دلیل پکڑنے میں شوکانی کو وہم ہوا حدیث اس پر دال نہیں الشوکانی قد وھم فی استدلالہ بحدیث اصحاب الغار لانہ لایدل الا علی توسل المرء بعمل نفسہ فحسب واما عمل غیرہ فالحدیث لم یدل علیہ (منار الحق)

یعنی قاضی شوکانیؒ کو اصحابِ غار کی حدیث سے استدلال کرنے میں وہم ہوا ہے کیونکہ اس حدیث میں تو صرف اس بات کی دلیل ہے کہ آدمی اپنے عمل کا وسیلہ بنا سکتا ہے۔ لیکن کسی دوسرے آدمی کے عمل کا وسیلہ پکڑنے پر یہ حدیث کسی طرح دلالت نہیں کرتی۔ صیانۃ الانسان ص۱۹۶ میں بھی شوکانی کا وہم بتایا

شوکانی کا حال تو معلوم ہو ہی چکا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے قیاس اور دلالۃ النص کے درمیان فرق ہی نہیں سمجھا۔ اس کی تقلید صاحبِ تسکین نے کی اور دلالۃ و قیاس میں اشتباہ ہو گیا۔ اور کیوں نہ اشتباہ ہوتا جب بڑے بڑے علماء پر اشتباہ ہوتا آیا اور کئی جگہ دلالۃ النص کی مثال دینے میں چوک گئے۔ قیاس کی مثال دلالۃ النص پر چسپاں کر دی۔

مثلاً

علما کہتے ہیں کہ جماع سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور کفارہ واجب ہوتا ہے یہ حکم تو حدیثِ نبوی کی عبارۃ النص سے ثابت ہے اس کے بعد حنفی فرماتے ہیں کہ قصداً کھانے پینے سے بھی روزہ ٹوٹتا ہے اور روزہ توڑنے والے پر کفارہ واجب ہو جاتا ہے۔ وجہ اکابر حنفیہؒ نے جو بتائی ہو گی وہ اپنے مقام پر ہو گی مگر اُن کے شاگردوں نے فرمایا کہ یہ حکم دلالۃ النص سے ثابت ہوا۔ اس طرح کہ جس کے آگے یہ مسئلہ رکھو کہ وطی سے کفارہ واجب ہے تو وہ یہی سمجھیگا کہ روزہ توڑنے سے کفارہ آیا۔ اب چونکہ روزہ میں قصداً کھانے پینے کی صورت میں بھی یہی علت روزہ توڑنے کی موجود ہے لہٰذا دلالۃ النص کے ذریعے اس پر بھی کفارہ واجب ہو گا۔

شاگردانِ اکابرِ احنافؒ نے یہ طرزِ استدلال تو بیان فرمایا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کفارہ کا حکم قصداً کھانے پینے والے پر قیاس ہے۔ دلالۃ النص نہیں ہے۔ کیونکہ دلالۃ النص تو وہی ہے جس کی علت ہر لغت دان سمجھ لے مگر امام شافعیؒ جو قریشی ہیں اور اہلِ لسان خالص عرب ہیں انکو یہ علت معلوم نہیں ہوئی وہ بغیر وطی کے کھانے پینے سے کفارہ کے قائل نہیں تو اس علت کے موجود ہونے سے

دلالۃ النص کیسے بن گئی اسی واسطے ملا جیون رح فرماتے ہیں والشافعی انکر ھذہ الدلالۃ ویقول لا تجب الکفارۃ الا بالجماع فالعلۃ عندہ

لیس افساد الصوم بل الجماع فقط ولھذا قالوا ان عد امثال ھذہ الاحکام فی الدلالۃ لا یحسن لان الشافعی لم یعرف

(وتو بعض نے مشہورہ عنہ تعلیت بمعالم علت لا غیر قیاس دلیلیں)

ھذا مع انہ من اھل اللسان وکان ینبغی ان یُعَدَّ فی القیاس (نور الانوار ص۱۴۵)

مسئلۂ توسل میں یہی بات ہے۔ شوکانی[۲۸] و من سلک مسلکہ نے اس قیاس کو دلالۃ النص سمجھا۔ اگر دلالۃ النص سے توسل بالاموات ثابت ہوتا تو اہلِ لسان صحابہ کرام علیہم الرضوان نے توسل بالاموات سے کیوں اجتناب کیا۔ پھر تابعینؒ و تبع تابعینؒ کا تعامل کیوں نہ تھا

نوٹ: قاضی شوکانی تو متاخرین میں سے ہیں۔ حضرت حافظ الحدیث ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی دلالۃ النص اور قیاس میں فرق نہیں سمجھا تفصیل کے لئے دیکھو بذل المجہود ج۱ ص ۴۷

توسل فی الدعاء انبیاءؑ و صحابہؓ کا طریقہ نہ تھا

پھر قرآن پاک میں جس قدر انبیاء کرام کی اَدْعِیہ منقول ہیں کسی میں توسل کا نام تک نہیں۔ نبی صلعم سے کتاب الدعوات تقریباً ہر حدیث کی کتاب میں مروی ہے کسی میں توسل بالذوات یا بالاموات نہیں صحابہ کرامؓ سے دعائیں منقول ہیں کسی میں (بالذات و بالاموات) بسند صحیح مذکورہ توسل منقول نہیں جب اُن کو توسلِ مذکور کا علم تک نہیں تو بعد کے لوگوں کا قیاس کیا درجہ رکھتا ہے۔ وہ بھی اس صورت میں جب قیاس کرنے والوں میں اجتہاد کا مادہ ہی نہ ہو۔ بلکہ اس کے برعکس مجتہدین سے ممانعت منقول ہو اور جمہور ممانعت کے قائل ہوں

مجتہدین اور جمہور منع کرتے ہیں

محمد بشیر الدین سہسوانی رح نے فرمایا ہے نَصَّ علی المنع منہ جمھور اھل العلم (صیانۃ الانسان ص۱۸۲)

واما التوسل وھو ان یقول اللھم انی اتوسل الیک بجاہ نبیک محمد او بجاہ عبادک الصالحین ونحو ذلک فھو من البدعۃ المذمومۃ اذ لم یرد بذلک نص (صیانۃ الانسان ص۱۸۵) منھم من یقول للغائب او المیت من عباد اللہ الصالحین یا فلانُ ادعُ اللہ لیرزقنی کذا ویزعمون ان ذلک من ابتغاء الوسیلۃ .... وکل ذلک

بعید عن الحق بمراحل (۶) من جلاء العینین لابن الآلوسی ..... اما اذا کان المطلوب منه میتا او غائبا فلا یستریب عالم انه غیر جائز وانه من البدع التی لم یفعلها احد من السلف (۷) لم یرو عن احد من السلف انه دعا کذلک (بجاہ فلان) (۸) لم یعهد التوسل بالجاہ والحرمة عن احد من الصحابة ولعل ذلک کان تحاشیا منهم عما یخشی ان یعلق به فی اذهان الناس اذ ذاک وهم قریبو عهد بالتوسل بالاصنام شیء ثم اقتدی بهم من خلفهم من الائمة الطاهرین ... عند الحنابلة فی اصح القولین (اللهم اسألک بحق فلان عبدک او بجاهه او حرمته او نحو ذلک) مکروہ کراهة تحریم ... نقل القدوری وغیرہ من الحنفیة عن ابی یوسف انه قال قال ابو حنیفة لا ینبغی لاحد ان یدعو الله الا به وذکر العلائی فی شرح التنویر عن التاتارخانیة عن ابی حنیفة انه لا ینبغی لاحد ان یدعو الله الا به وفی جمیع متونهم ان قول الداعی المتوسل بحق الانبیاء والاولیاء او بحق البیت والمشعر الحرام مکروہ کراهة تحریم وهی کالحرام فی العقوبة بالنار عند محمد وعللوا ذلک کلهم بقولهم لا حق للمخلوق علی الخالق (صیانة ص٢٠١) وقال ابن بلدجی فی شرح المختار ویکرہ ان یدعو الا به ولا یقول اسألک بملائکتک او بانبیائک او نحو ذلک لانه لا حق للمخلوق علی خالقه (صیانة ص٢٠٥) وفی فتاوی ابن عبد سلام کذلک (۷) وکرہ قوله بحق رسلک وانبیائک و اولیائک او بحق البیت (در مختار ص٢٣٣) وکرہ الدعاء ... بحق فلان (کنز الدقائق ص٣٤٣) وکذا بحق انبیائک واولیائک و بحق رسلک و بحق البیت او المشعر الحرام لانه لا حق للخلق علی الله وانما یختص برحمته من یشاء من غیر وجوب علیه (زیلعی علی الکنز ص٢٣٣) یکرہ ان یقول فی الدعاء بحق فلان و بحق محمد لانه لا حق لاحد علی الله تعالی (بزازیه بر عالمگیری) یکرہ بحق فلان او بحق رسلک وانبیائک (سراجیه ص) (شرح وقایه ص٥٩) (ہدایہ آخرین ص٤٤٣) وکرہ الدعاء بحق فلان بالاجماع (معدن بر حاشیه کنز ص١٨٤) ویکرہ ان یقول فی دعائه بحق فلان وکذا بحق انبیائک واولیائک او بحق رسلک او بحق البیت او المشعر الحرام (کذا فی التبیین عالمگیری ص)

ترجمہ

یعنی اے اللہ میں تیرے نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جاہ کے ساتھ یا تیرے نیک بندوں کے جاہ کے

ساتھ (وغیرہ وغیرہ) میں تیری طرف وسیلہ پکڑتا ہوں ایسا کہنا مذموم بدعت ہے کیونکہ اس بارے میں کوئی نص نہیں آئی

بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے نیک بندے غائب یا میت کو یوں کہہ کر پکارتے ہیں کہ اے فلاں! اللہ سے دعا کر کہ مجھے اتنا رزق دیدے اور یہ سمجھ کر کہتے ہیں کہ ایسا کہنا ابتغاء وسیلہ کے قبیل سے ہے ... اور حالانکہ یہ سب کا سب حق سے کوسوں دور ہے

ابن آلوسیؒ کی کتاب جلاء العینین میں ہے کہ جب مطلوب منہ غائب ہو یا میت تو توسل فی الدعاء کے عدم جواز میں کوئی عالم شک نہیں کرتا اور حقیقت یہ ہے کہ یہ توسل فی الدعاء بدعات میں سے بدعت ہے سلف میں سے کسی ایک نے بھی توسل فی الدعاء والا کام نہیں کیا

سلف میں سے کسی ایک سے بھی یہ روایت نہیں ملتی کہ اس نے بجاہِ فلاں کہہ کر دعا کی ہو

کسی ایک صحابی سے بھی یہ بات معہود نہیں کہ کسی کی جاہ یا کسی کی حرمت کے ساتھ انہوں نے وسیلہ پکڑا ہو شاید وہ اسلئے بچتے تھے کہ انہیں اس بات کا خطرہ محسوس ہو رہا تھا کہ لوگوں کے ذہن میں یہ چیز نہ لگ جائے کیونکہ ان (اصحابِ رسول ص) کا زمانہ ان بت پرستوں کے زمانہ کے قریب تھا جو اصنام (بتوں) کو اپنی دعا میں وسیلہ پکڑتے تھے۔ ان (صحابہ) کے بعد ائمہ طاہرین نے بھی انہی کی پیروی فرمائی اور توسل فی الدعاء کے جواز کا حکم نہ دیا اور امام احمدؒ بن حنبل کے پیروکاروں کے دو قول ہیں جن میں سے صحیح قول یہی ہے کہ اللھم انی اسالک بحق فلاں یا بجاہ فلاں یا بحرمۃ فلاں یا ان کے قریب قریب لفظ مکروہ تحریمی ہیں

امام قدوریؒ اور ان کے علاوہ حنفی علماء نے امام قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ سے نقل فرمایا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ سے دعاء مانگو تو کسی کا وسیلہ نہ پکڑو۔

شرح تنویر میں امام علائی نے تتار خانیہ سے امام ابو حنیفہؒ سے روایت نقل فرمائی ہے کہ اللہ کی ذات کے ساتھ دعا مانگتے وقت کسی اور کو وسیلہ نہ پکڑو۔

اور حنفی علماء کی تمام متون کی کتابوں میں لکھا ہے کہ دعا مانگنے والے کا توسل بحق انبیاء و اولیاء اور بحق البیت یا بحق المشعر الحرام مکروہ تحریمی ہے اور عذاب نار جہنم کے استحقاق میں امام محمدؒ کے نزدیک حرام کی طرح ہے اور اس

حرمت کی دلیل سب نے یہی دی کہ خالق پر مخلوق کا کوئی حق نہیں ہوتا

ابن بلدجی نے شرح مختار میں یہی لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کسی اور کے وسیلہ کے ساتھ دعا مانگنا مکروہ ہے اور اس طرح بھی نہ کہا جائے تیرے فرشتوں یا تیرے نبیوں کے یا اور ان کے وسیلہ سے میں تیرا سوالی ہوں۔ کیونکہ خالق پر مخلوق کا کوئی حق نہیں

اور ابن عبد السلام کے فتاوی میں بھی اسی طرح مذکور ہے

امام حصفکی نے در مختار ج ۲ ص ۲۴۸ میں لکھا ہے کہ بحق رسلک، بحق انبیائک، بحق اولیائک، بحق البیت کہنا مکروہ ہے

کنز الدقائق ص ۳۷۳ میں ہے کہ بحق فلان کہہ کر دعا کرنا مکروہ ہے

زیلعی علی الکنز ج ۶ ص ۳۷۳ میں ہے اسی طرح بحق انبیائک، بحق اولیائک، بحق رسلک، بحق البیت، بحق المشعر الحرام کہنا مکروہ ہے اس لئے کہ اللہ پر کسی مخلوق کا کوئی حق نہیں ہے۔ وہ آپ ہی ہے جس کو چاہے اپنی رحمت کے ساتھ مختص فرما دیوے اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔

بزازیہ (علی ہامش الفتاوی الہندیہ عالمگیریہ) میں ہے دعا میں بحق فلان یا بحق محمدؐ کہنا مکروہ ہے کیونکہ مخلوق کا اللہ تعالیٰ پر کوئی حق نہیں

سراجیہ ص ۷۶ و شرح وقایہ ص ۵۹ ج ۴ و ہدایہ اخیرین ص ۳۷۴ میں ہے کہ بحق فلان، بحق رسلک، بحق انبیائک کہنا دعا میں مکروہ ہے

معدن حاشیہ کنز ص ۴۰۷ میں ہے سب علماء کا اجماع ہے اس پر کہ بحق فلاں کہہ کر دعا مانگنا مکروہ ہے۔ شرح فقہ اکبر ص ۱۴۱ میں ہے قال ابو حنیفہؒ وصاحباہ یکرہ ان یقول الرجل اسالک بحق فلان او بحق انبیائک و رسلک و بحق البیت الحرام والمشعر الحرام ونحو ذلک فتاوی عالمگیری ص ۱۷ میں بحوالہ تبیین لکھا ہے کہ دعا میں بحق فلان، بحق انبیائک، بحق اولیائک، بحق رسلک، بحق البیت، بحق المشعر الحرام کہنا مکروہ ہے

وفی الجامع الصغیر یکرہ ان یقول فی دعاءہ بحق نبیک ولکن یقول بدعوۃ نبیک، وفی بعض النسخ لا ینبغی ان یقول بحق نبیک ولم یذکر لفظ الکراھۃ، والصدر الشہید لم یذکر ھذہ المسئلۃ فی

نسخہ (خلاصۃ الفتاوی ج ۴ ص ۳۳۶)

ترجمہ

خلاصۃ الفتاوے ج ۴ ص ۳۲۶ میں ظہیر الدین نے فرمایا ہے
کہ جامع صغیر میں ہے کہ دعا میں بحق نبیک کہنا مکروہ ہے لیکن بدعوۃ نبیک کہہ سکتا ہے۔ اور بعض نسخوں میں ہے کہ بحق نبیک کہنا نہ چاہئے سو وہاں کراہت کا لفظ ذکر نہیں کیا۔ اور صدر الشہید نے یہ مسئلہ اپنے نسخہ میں ذکر نہیں کیا

لایسع لاحد ان یقول اسئلک بحق فلان او بحق انبیاءک ورسلک ونحوہ (نصاب الاحتساب)

یکرہ ان یقول اعطنی بحق فلان کذا وبحق محمد لانہ لاحق لاحد علی اللہ تعالی (مختار الفتاوی و فتاوی غرائب)

یکرہ ان یقول فی دعاءہ بحق فلان او بحق رسلک وانبیاءک کذا ذکر فی تجرید رکن الدین ابی الفضل الکرمانی رحمہ اللہ تعالی

نصاب الاحتساب میں ہے کسی کو یہ کہنے کی شرعی گنجائش نہیں کہ کہے اسالک بحق فلان یا بحق انبیاءک ورسلک اور اس قسم کے الفاظ

مختار الفتاوے اور فتاوے غرائب میں ہے کہ اس طرح کہنا مکروہ ہے کہ اے اللہ بحق فلان مجھے فلاں چیز دے۔ اسی طرح بحق محمد کہہ کر دعا مانگنا مکروہ ہے

فتاوے عجیب میں تجرید رکن الدین ابو الفضل کرمانی کا حوالہ دے کر لکھا ہے کہ دعا میں بحق فلان، بحق رسلک یا بحق انبیاءک کہنا مکروہ ہے۔

جامع العلمین الشریفین میں لکھا ہے: مکروہ است گفتن در دعا بمعقد العز من عرشک وبحق رسلک وانبیاءک کہ موہم است تعلق عزاو تعالی را بعرش، وہیچ کس را بر خدا حق نیست؛ ونزد ابی یوسف اول جائز است برائے دعائے ماثورہ قال علیہ السلام فی دعائہ اللہم انی اسالک بمعقد العز من عرشک ومنتہی الرحمۃ من کتابک وباسمک الاعظم وجدک الاعلی وکلماتک التامۃ؛ ما می گوئیم کہ این خبر واحد است پس احتیاط در امتناع است۔

ایک وہم اور اس کا ازالہ

قالؒ ابن عابدین قد یقال انہ لاحق لہم وجوبًا علی اللہ لکن اللہ جعل لہم حقًا من فضلہ او یراد بالحق الحرمۃ والعظمۃ فیکون من باب الوسیلۃ وقد قال اللہ تعالیٰ وابتغوا الیہ الوسیلۃ وقد عد من اداب الدعاء التوسل علی ما فی الحصن وقد جاء فی روایۃ اللھم انی اسألک بحق السائلین علیک وبحق ممشای الیک فانی لم اخرج اشرا ولا بطرا الحدیث اھ ط . . . . ویحتمل ان یراد بحقہم علینا من وجوب الایمان بہم وتعظیمہم وفی الیعقوبیۃ یحتمل ان یکون الحق مصدرًا لا صفۃ مشبہۃ فالمعنی بحقیۃ رسلک فلا منع فلیتامل اھ ای المعنی بکونہم حقا لا بکونہم مستحقین

(کلمہ ضعف و تمریض ۱۲) (الجزری الشافعی ۱۲)

ترجمہ ابن عابدین رحؒ نے کلمہ تمریض کے ساتھ (جو قول کے ضعیف ہونے پر دلالت کرتا ہے) بیان کیا کہ کراہت کی یہ وجہ جو بیان کی جاتی ہے لاحق لہم علی اللہ اس کا یہ مطلب نہیں جو قائلین کراہت مراد لیتے ہیں کیونکہ یہ بات تو مسلم ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا حق واجب نہیں ہوتا۔ لیکن وہ اپنے مقبول بندوں کو محض اپنے فضل و کرم سے حق دیتا ہے۔ تو اسی تفضلی حق کے وسیلہ سے دعا مانگنے میں کچھ کراہت کی وجہ معلوم نہیں ہوتی دوسرے یہ کہ حق کے حقیقی معنے یہاں مراد نہیں بلکہ حق سے مراد حرمت یا عظمت ہے تو اس طرح جائز وسیلہ کے قبیل سے ہو گیا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وابتغوا الیہ الوسیلۃ۔ اور توسل کو آداب دعا میں شمار کیا جاتا ہے جیسے علامہ جزریؒ شافعی مسلک والے نے حصن حصین میں لکھا ہے اور روایت میں بھی آچکا ہے اللھم انی اسالک بحق السائلین علیک وبحق ممشای الیک الخ نیز اس قول کے مکروہ ہونے کی وجہ اس لئے بھی ٹھیک نہیں کہ اس قول سے مراد یہ بھی نکل سکتی ہے کہ کہ ان نیک ہستیوں کا حق جو ہم پر پہنچتا ہے نہ کہ خدا پر واجب ہے۔ اور وہ حق ان نیکوں کا جو ہم پر واجب ہے وہ یہ ہے کہ ان پر ایمان لانا اور ان کی تعظیم کرنا ہم پر واجب ہے؛ نیز بحق فلاں کہنا اس لئے بھی مکروہ نہیں ہو سکتا کہ اس کے معنے حقیت کے ہیں (اس صورت میں حق مصدر ہوئی نہ صفت مشبہ کا صیغہ) تو مطلب یہ ہوگا کہ اس عقیدہ سے میں دعا کرتا ہوں کہ تیرے رسول سب برحق ہیں (بحقیۃ رسلک) نہ اس عقیدہ سے کہ اللہ پر ان کا کوئی حق واجب ہے اور اس کے مستحق ہیں۔ تو ان تاویلوں کے ہوتے ہوئے بحق فلاں کے منع ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ پھر سوچ کہ قول اور یہ توجیہیں جواز کی کہاں تک صحیح ہیں یعنی سوچ بچار کرنے کے بعد تجھے

سمجھ آجائے گی کہ بحق فلاں کے جواز کے لئے جو تاویلیں (ہیرا پھیری) کی گئی ہیں ان کا کوئی اعتبار نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ علامہ شامی رح ان توجیہات ضعیفہ اور تاویلاتِ رکیکہ و سخیفہ کے بیان کرنے کے بعد اپنا سنہری فتوئی صادر فرماتے ہیں

مسئلہ توسل کے بارے علامہ شامیؒ کا سنہری فتویٰ

اقول لکن هٰذه کلها احتمالات مختلفة مخالفة لظاهر المتبادر من هٰذا اللفظ و مجرد ایهام اللفظ ما لا یجوز کاف فی المنع کما قدمناه فلا یعارض خبر الاٰحاد فلذا والله اعلم اطلق ائمتنا المنع علی ان ارادة هٰذه هذه المعانی مع هذا الایهام فیها الاقسام بغیر الله وهو مانع اٰخر تامل (ص ۳۵۰ ج ۵)

یعنی میں (ابن عابدین شامی) کہتا ہوں کہ بیشک بحق فلاں کا جواز ثابت کرنے کے لئے بعض نے یہ احتمالات نکالے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ بحق فلاں کا لفظ بول کر جو متبادر (ذہن جن کو جلدی اپیل کرے) معنے معلوم ہوتے ہیں یہ احتمالات ان کے سراسر مخالف ہیں اور شرع شریف کا ایک مشہور قاعدہ ہے کہ جو لفظ اس قسم کا ہو جس کے کئی معنے ہو سکتے ہیں ان معنوں میں سے ایک معنے ایسا بھی ہے جس کی رُو سے وہ لفظ بولنا ناجائز ہو جاتا ہے تو یہ معنے اس لفظ کی ممانعت اور عدم جواز کے لئے کافی ہے جیسے ہم پہلے بیان کر آئے ہیں اس لئے خبر آحاد معارضہ میں پیش نہیں کی جا سکتیں۔ اسی واسطے ہمارے علماء نے مطلقاً اس قول سے منع فرمایا ہے۔ دوسری بات بھی ہے کہ ایسے معنے کے ہوتے ہوئے ایک وہم قسم لغیر اللہ کا پیدا ہو جاتا ہے تو ممانعت کی یہ دوسری وجہ ہوگی

مجموعۃ الفتاوٰے (برحاشیہ خلاصۃ الفتاوٰے) ص ۳۳۲ ج ۴ میں مولانا عبدالحی صاحب لکھنویؒ نے فرمایا

این چنیں عبارات کہ محتمل معنے غیر مشروع باشند اگرچہ مراد از آنہا معنے صحیح باشند تکلم بآن ناجائز است و نقل کفر اگرچہ کفر نیست لیکن خالی از سوء ادبی نیست

ذرا تھوڑا سا دب کر مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمہ اللہ نے بھی آخر کار اپنے فتاویٰ امداد المفتین ج ۲ ص ۱۵۲ میں لکھ دیا۔ صاحب مزار کو وسیلہ بنا کر دعا کرنا بھی مجمع میں نہ چاہئے

لیکن شامی کا فتوئی بڑا صاف ہے جس سے صاف صاف اس توجیہ کی تردید ہو جاتی ہے جو صاحب

فیوضاتِ حسینی نے بیان فرمائی ہے کہ فقہاء نے جو بحق فلاں کہنے سے منع فرمایا تھا دراصل ان کا مقصد تھا معتزلہ کی تردید کرنا الخ

نیز صاحبِ فیوضاتِ حسینی کو یہ علم نہیں کہ عدمِ علت مستلزم عدمِ حکم کو نہیں اگر بالفرض وہ علت منتفی ہے تو کسی اور علت کیوجہ سے وہ حکم ثابت ہو سکتا ہے

نیز صاحب ہدایہ کی دلیل آپ کی دلیل کے خلاف ہے کیونکہ اُس نے یہ دلیل نہیں دی کہ معتزلہ یوں کہتے ہیں اس لئے ہم منع کرتے ہیں بلکہ اس سے پہلے مسئلہ بمعقد عز سے کا جواب جو کہ حدیث سے ثابت ہے اس طرح دیا لکنا نقول خبر الواحد و کان الاحتیاط فی الامتناع تو جس بارے میں حدیث وارد ہے اس کا جواب اس طرح دیا تو جس بارے حدیث صحیح کا نشان تک نہیں اس کو صاحب ہدایہ کس طرح جائز کہہ سکتا ہے۔ یہ تو صاحبِ فیوضاتِ حسینی کی خوش فہمی ہے کہ اپنے ذہن سے صاحبِ ہدایہ کی دلیل گھڑ کے اپنے آپ ہی جواب دینے بیٹھ گئے یہ نہ سوچا کہ صاحبِ ہدایہ کا انداز بیان کیا ہے

اگر کہو گے کہ اس بارے میں عثمان بن حنیف والی حدیث صحیح وارد ہے تو صحت یا ضعف کی بابت بحث تو اپنے مقام پر آئیگی سرِدست ہم وہی جواب دیتے ہیں جو صاحبِ ہدایہ نے دیا (برتقدیرِ صحتِ حدیث) خبر الواحد والاحتیاط فی الامتناع۔ یعنی جس حدیث سے جواز معلوم ہوتا ہے وہ خبر واحد ہے اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ ایسے الفاظ نہ کہے جائیں

اگر کہو کہ عہدِ نبوی میں توسل بالنبی ہوا تھا تو اسمیں دو معنوں کا احتمال ہے توسل بذاتہ، توسل بدعائہ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔ جب احتمال کئی معنوں کا ہو تو ایسی عبارت کو دلیل میں پیش کرنا باطل ہے

حضرت عمرؓ کے واقعہ کو اگر الٹا کر کے یوں بیان کرے کہ اس واقعہ سے اس وہم کو رفع کرنا مقصود تھا کہ شاید غیر نبی کا توسل منع ہو اسلئے عمرؓ نے عباسؓ کی دعا کا توسل کر کے جواز بتایا مطلب یہ ہوا کہ افضل کے سوا مفضول سے بھی توسل جائز ہے تو اس کے جواب میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اوّلاً یہ مفہوم کسی معتبر عالم نے بیان نہیں کیا یہ مفہوم یار لوگوں کا خانہ زاد ہے ثانیاً یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ بھی وہم پیدا ہوتا ہے کہ جسکی دعا کا توسل اسکی حیات میں جائز تھا اب اسکی وفات کے بعد اس میت کی دعا یا ذات سے توسل جائز ہے یا نہ اس وہم کا دفعیہ بہ نسبت پہلے کے اہم ترین تھا اہم کو چھوڑ کر غیر اہم پر زور دینا صحابہؓ کی شان سے بعید ہے خصوصاً ایسا

اہم جبیں مظنہ ہو سوئے اعتقاد اور اختلاف بین العباد کا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں کتنی بار قحط کا وقوع ہوا کم سے کم ایک ہی دفعہ بیانِ جواز کیلئے توسل بالنبی ﷺ کر لیتے۔ مگر نامعلوم کونسا مانع تھا جسکی وجہ سے نہ حضرت عمرؓ نے اس طرف توجہ کی نہ دیگر صحابہؓ نے نہ تابعینؒ نے توجہ کی نہ تبع تابعینؒ نے بلکہ ائمہ مجتہدینؒ کو سلام علی النبی ﷺ و صاحبیہؓ کے بعد وہاں کھڑا ہونا بھی گوارا نہیں تھا چہ جائیکہ اُن سے توسل یا استغفار یا استشفاع کی گنجائش مل سکے۔

اور اصول کا مشہور قاعدہ ہے کہ اصل اشیاء میں حرمت ہے یا توقف ماھو المنصور من ان الاصل فی الاشیاء التوقف (در مختار ج۲) وکذا فی طوالع الانوار حاشیۃ در المختار علی ماھو المنصور ای المؤید بالادلۃ القویۃ من ان الاصل فی الاشیاء التوقف فلا یعرف اباحۃ المباح الا بقولہ وفعلہ علیہ السلام وھو مذھب ابی بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ واشباھھم من الصحابۃؓ **والصحیح** ان الاصل فی الافعال التحریم وھو مذھب علیؓ وائمۃ اھل البیت ومذھب الکوفیین منھم **ابوحنیفۃ**ؒ (راہ سنت ص۱۰۲) عندھم (الجمہور) الاصل ھو الحرمۃ ...... وعند الشافعیؒ الاصل ھو الحرمۃ فی کل حال (احمدی ص۶) والاباحۃ رأی المعتزلۃ (در مختار ج۱ ص۳۳۵) راہ سنت ص۱۰۳

یہ حوالے صاحب تسکین کی پہلی تصنیف راہِ سنت سے اس لئے دیئے کہ معلوم ہو سکے کہ بریلویہ کے رد میں آپ کا طرز استدلال تو یہ تھا لیکن اب واللہ اعلم کا سانس بدلا ہوا کیوں دکھ رہا ہے اب اباحت چھوڑ استحباب کے فتوے دئے جا رہے ہیں آہستہ آہستہ شاید تمام بدعات سئیہ کے درجے تک پہنچ جائیں اعاذنا اللہ منہا

آمدم برسر مطلب توسل بذات المیت یا بدعا المیت یا بذات النبی ﷺ بعد الوفات کو یا حرام کہنا پڑیگا یا سکوت اختیار کرنا پڑیگا جیسے قاعدہ کر اور حضرت ... یعنی علماء کھلے طور کسی شرعی قاعدہ کی رو سے جواز کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا اور جو حدیث اس کے جواز کے بارے وارد بھی ہے ضعیف ہونے کے علاوہ اس سے تعامل صحابہؓ ثابت نہیں ہو سکتا اسی لئے شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ نے اسے بدعت کہا اور شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ نے بھی ایضاح الحق الصریح ص۳۳ میں شاہ صاحب کے فتوی کی تصویب فرمائی۔ اور جہاں فتح العزیز میں بحث کی ہے جس سے جواز مستفاد ہوتا ہے سو اسمیں ایک وجہ عدم جواز کا فقدان بتایا ہے جس کا عدم عدم حکم کو مستلزم نہیں بہرحال اس لفظ کو موہم بتایا ہے اور موہم کے استعمال سے شریعت منع کرتی ہے

چنانچہ عنقریب اس کی بحث آئندہ اوراق میں آرہی ہے۔

الحاصل اگر قرآن سے توسّل بنی اسرائیل بنبی آخر الزمان صلعم ثابت بدلالۃ النص ہوتا تو صحابہؓ تابعینؒ تبع تابعینؒ اس پر عمل کیوں نہ کرتے اور ابو حنیفہؒ، ابو یوسفؒ، محمدؒ، مالکؒ، احمد بن حنبلؒ۔ قدوریؒ، علائیؒ، ابن بلدجیؒ، ابن عبد السلامؒ، زیلعیؒ ابن تیمیہؒ ابن قیمؒ۔ صاحب کنزؒ۔ صاحب بزازیہؒ۔ صاحب سراجیہؒ۔ صاحب شرح وقایہؒ۔ صاحب وقایۃ الروایۃؒ۔ صاحب ہدایہؒ، صاحب تبیینؒ۔ صاحب در مختارؒ۔ صاحب تنویرؒ۔ صاحب عالمگیریہؒ۔ شامیؒ۔ شاہ عبد العزیزؒ۔ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ۔ علامہ آلوسیؒ۔ ابن آلوسیؒ انور شاہؒ۔ صاحب معدنؒ۔ بشیر الدین قنوجیؒ و سنبھلیؒ کیوں اس عمل سے روکتے صیانۃ الانسان میں ہے کہ جمہور منع کے حق میں ہیں۔ مگر صاحب تسکین کے جمہور سبکی اور سبکی کی تقلید میں سمہودی۔ شوکانی۔ سعدی اور کچھ صوفیا کی جماعت جنکا قول شرع میں معتبر نہیں، اور کچھ شعراء جواز کے قائل ہیں

ناظرین خود فیصلہ کریں کہ کس جمہور کو مانیں فقہاء مجتہدینؒ ابو حنیفہؒ مالکؒ، احمد بن حنبلؒ ابن تیمیہؒ، ہدایہؒ والے اصحاب محققین کی مانیں یا سبکیؒ شوکانیؒ اور شاعروں صوفیوں کی؟ جب کہ حرمت کا حکم حلت پر راجح ہوتا ہے الخ بلفظہ

فرمان حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں۔ عمل صوفیہ در حل و حرمت سند نیست ہمیں بس نیست کہ ما ایشاں را معذور داریم و ملامت نکنیم و امر ایشاں را بحق سبحانہ وتعالیٰ مفوض داریم۔ اینجا قول امام ابی حنیفہؒ و امام ابی یوسفؒ و قول امام محمدؒ معتبر است نہ عمل ابو بکر شبلیؒ و ابی حسن نوریؒ صوفیان خام ایں وقت عمل پیران خود را بہانہ ساختہ سرود و رقص را دین و ملت خود گرفتہ اند و طاعت و عبادت ساختہ اولئک الذین اتخذوا دینہم لہواً ولعباً (ص ۳۳۵ مکتوبات دفتر اول مکتوب نمبر ۲۶۶) پس تقلید علمائے مجتہدینؒ باید کرد و اصول دین را موافق آرائے ایشاں باید جست و صوفیہ آنچہ گویند و کنند مخالفین آرائے علمائے مجتہدین آنرا تقلید نباید کرد و حسن ظن از طعن ایشاں لب باید بست (ص ۳۴۷) باید دانست کہ در ہر مسئلہ از مسائل کہ علماء و صوفیہ دراں اختلاف دارند چوں نیک ملاحظہ می نماید حق بجانب علماء می یابد (ص ۳۴۵) سالک را باید کہ پیش از وصول بحقیقت کار با وجود مخالفت کشف و الہام خود تقلید علمائے اہل حق را لازم داند و علماء را محق و خود را مخطی انگارد ۔۔۔۔ اعتقاد بموجب کتاب و سنت ضروری است عمل بمقتضائے آنہا نیز بیکہ ائمہ مجتہدینؒ از کتاب و سنت استنباط فرمودہ اند و استخراج احکام از آنہا نمودہ از حلال و حرام و فرض و واجب

وسنت ومستحب ومکروہ ومشتبہ وعلم بایں احکام نیز ضروری ہست. مقلد را نمی رسد کہ خلاف رائے مجتہد از کتاب وسنت احکام اخذ کنند و
بر آں عامل باشد و در عمل قول مختار را از مذہب مجتہدے کہ خود را تابع او ساختہ اختیار کند و از رخصت اجتناب نمودہ بعزیمت عمل نماید
(ص۳۴ ج۱) بہرحال تاویل یا شش اسکی کلام بزرگوں میں ضروری ہے اور جو کسی کے فہم میں معنے مراد نہ آویں تو سکوت کرنا چاہئے مگر ان کے کلام سے نہیں ہے
حجت کلام اللہ وسنت ومجتہدینؒ کے اقوال سے ہے (ص۶ ج۲ فتاوی رشیدیہ)

شیخ عبدالحق محقق ومحدث دہلویؒ نے تکمیل الایمان ص۳۲ میں لکھا ہے "در معتقدات واحکام کفر وایمان از سواد اعظم (نہ سوادِ اکثر) بیروں نہ باید رفت وتابع ائمہ مجتہدین باید بود خصوصاً در مادۂ اتفاق واجماع ودر آداب واخلاق تابع مشائخ باید بود وحسن ظن واعتقاد بر ایشاں باید داشت وتوجیہ وتطبیق کلام ایشاں با کلام علماء ومجتہدین باید نمود؛

حکم الالفاظ الموہمہ

قال اللہ تعالیٰ یٰٓاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَقُوۡلُوۡا رَاعِنَا نہی المؤمنین سدٌ للباب وقطعا للالسنۃ وابعادًا عن المشابھۃ (روح المعانی ص۳۴۳) وقد نہانا اللہ تعالیٰ عن استعمالِ لفظ موہم لامرٍ غیر جائز... قال الامام العلامۃ ابو الطیب صدیق حسن القنوجی دام فیضہ فی تفسیرہ فتح البیان وفی ذالک دلیل علی انہ ینبغی تجنّب الالفاظ المحتملۃ للسب والنقص وان لم یقصد المتکلم بہا ھذا المعنی المفید للشتم سدًّا للذریعۃ وقطعا للمادۃ المفسدۃ و التطرق الیہ (صیانۃ الانسان ص۳۰۳) فبالجملۃ جاء نہی الدعاء عن القبر غائبًا فی سورۃ کیف یقابل بھذا الحدیث الموہوم ثبوتہ الموھوم معناہ الذی یریدون بہ (تحریرات حدیث)

یعنی مؤمنین کو راعنا کہنے سے منع فرمایا باوجودیکہ اس لفظ کے صحیح معنے بھی بن سکتے ہیں تاکہ آیندہ کے لئے دوسرے مفہوم سے لفظ بولنے کا دروازہ بند ہو جائے (کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری) اور یہود کی زبان طعن کٹ جائے اور یہود کی مشابہت سے بھی دور دور رہے

صیانۃ الانسان ص ۲۰۳ میں ہے کہ اللہ نے ہم کو ایسے لفظ کے استعمال کرنے سے روکا ہے جس سے ناجائز بات کی طرف وہم جاتا ہو۔ نواب صدیق حسن قنوجی نے فتح البیان میں فرمایا کہ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ ایسے الفاظ بولنے سے بچنا چاہئے جس میں گالی گلوچ اور کسی قسم کے نقص کا احتمال ہو اگرچہ بولنے کا مقصد دل میں مراد نہ ہو جو نقص یا گالی والا ہے تاکہ فساد کا مادہ جڑ ہی سے کٹ جائے اور غلط مفہوم کی طرف جانے والا رستہ ہی بند ہو جائے۔

حضرت پیر کامل رح کی تحریرات حدیث میں ہے کہ ۵۰ سورتوں میں غیر اللہ سے غائبانہ پکارنے سے روکا گیا ہے ہم ان کے مقابلے میں ایسی حدیث کیسے پیش ہو سکتی ہے جس کا ثبوت موہوم اور اس کے معنے مرادی موہوم ہیں

حضرت دریابادی رح نے فرمایا آیت سے ظاہر ہے کہ مرتبہ رسالت کا ادب، صرف معنوی حیثیت ہی سے نہیں، لفظی حیثیت سے بھی ضروری ہے۔ فقہاء رح نے لکھا ہے کہ جن الفاظ سے احتمال بھی اہانت کا نکلتا ہے ان سے احتیاط لازم ہے بلکہ امام مالک رح کے ہاں تو ایسے الفاظ پر حد واجب ہو جاتی ہے۔ فقہاء حنفیہ رح نے جو اپنی باریک بینی کے لئے سب سے ممتاز رہے ہیں یہیں سے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ اس بحث کا فیصلہ کہ فلاں مقام پر مراد امر خیر ہے یا شر، متکلم کی نیت کے لحاظ سے ہوگا، تابع کی رائے سے نہیں۔ صحابہ کرام رض ظاہر ہے کہ سوءِ ادب کے قصد سے بالکل بری تھے ممانعت جو کی گئی، وہ یہود کی نیت پر حکم کر کے۔

مولانا گنگوہی رح کے فتوے

موہم الفاظ کا پڑھنا بھی بے جا و معصیت ہے (رشید یہ ص ۱۶۴) قاعدہ شریعت کا ہے جو چیز بھلائی برائی سے ملی ہوئی ہو اس کو شریعت حکم برائی کا دیتی ہے۔ اس کی بھلائی پر نظر نہیں ہوتی ظاہراً اسکی ایسی مثال ہے۔ ایک مٹکی دودھ میں ایک چلّو پیشاب گر جائے تو اس کو نجس کہیں گے۔ دودھ کا اعتبار نہ کریں گے اور اس کو حلال نہ کہیں گے (رشید یہ ص ۱۵۲) جو کلمہ ایسا ہو کہ اس کے معنے اچھے اور برے دونو ہو سکتے ہوں اس کو بولنا منع ہے ایسے موہم لفظ کا استعمال درست نہیں جیسے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا۔ رَاعِنَا کے معنے ایک اچھے تھے جس کو مسلمان مراد لیتے تھے۔ دوسرے معنے برے تھے جس کو یہود مراد لیتے تھے۔ سب مسلمانوں کو منع کر دیا کہ ایسا لفظ مت بولو۔ خالص اچھے معنوں کے لفظ کہو (رشید یہ ص ۱۸) حالانکہ صحابہ رض کی نیت میں کوئی معنے قبیح نہ تھے مگر مشابہت اور موہم معنے قبیح کے یہ الفاظ ممنوع ہو گئے (رشید یہ ص ۵)

مولنا تھانوی رح کے فتوے

مولنا تھانوی رح سے سوال ہوا "ندائے غیر اللہ بدوں صیغہ صلوٰۃ کلام اکابر میں لاتعد ولاتحصی موجود ہے صرف ندا ہی نہیں اسکے ساتھ استشفاع استعانت استمداد بحوائج مختلفہ موجود ہے..... توآپ نے جواب دیا

الجواب قال اللہ تعالیٰ لا تقولوا راعنا وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقولن احدکم عبدی وامتی ولا یقل العبد ربی رواہ مسلم عن ابی ہریرۃ کذا فی المشکوٰۃ وقال صلی اللہ علیہ وسلم لا تقولوا ما شاء اللہ وشاء فلان رواہ احمد وابوداؤد وفی روایۃ لا تقولوا ما شاء اللہ وشاء محمد رواہ فی شرح السنۃ کذا فی المشکوٰۃ الفاظ مذکورہ ہر دو سوال بالیقین ایہام شرک میں ان الفاظ منہی عنہا فی الکتاب والسنۃ سے بدرجہا زائد ہیں خواہ نہی کا کوئی درجہ ہو اسکی تعیین مجتہد کا کام ہے لیکن ہر حال میں ناپسندیدہ ہے حضرت شارع علیہ السلام کے نزدیک جب اخف ممنوع ہے تو اشد بدرجہ اولیٰ ممنوع ہوگا بلکہ ممنوعیت میں اشد ہوگا....

آگے چل کر فرماتے ہیں تجویز تاویل سے تجویز ارتکاب لازم نہیں آتا (امداد الفتاوی جلد ۴ صفحہ ۱۰۹)

شامی میں۔ قاعدہ لکھا ہے کہ جہاں تغیر مشروع ہو یا ایہام جاہل ہو وہاں کراہت ہوگی پس عوام الناس تغیر مشروع کیوجہ سے رد کے جاتے ہیں اور خواص ایہام جاہل کی وجہ سے (ص ۸۴ امداد الفتاوی)..... اور یہ ظاہر ہو چکا کہ مفسدے دو ہیں تغیر مشروع اور ایہام جاہل. سو ایک عالم کے عقائد میں ایسا فساد کہ تغیر مشروع کی نوبت آجائے اگر مستبعد بھی ہو، مگر ایہام جاہل یعنی ان کے عمل سے عوام مبتلائے فساد ہو جائیں ہرگز مستبعد نہیں (ص ۸۶ امداد الفتاوی)

قاعدہ ہے کہ جو امر شرعاً مطلوب و مقصود ہو اور اسمیں مفاسد منضم ہو جائیں تو اس امر کو ترک نہ کریں گے خود ان مفاسد کا انسداد کریں گے اور جو امر مقصود نہ ہو اسمیں غلبہ مفاسد سے خود اس امر کو ترک کر دیں گے۔ (امداد الفتاوی ص ۲۷۶ ج ۴)

جہاں صحیح العقیدہ سلیم الفہم کیلئے جواز کی گنجائش ہو سکتی ہے تاویل مناسب کر کے، اور سقیم الفہم کیلئے بوجہ مفاسد اعتقادیہ وعملیہ کے اجازت نہیں دی جاتی۔ چونکہ اکثر عوام بدفہم اور کج طبع ہوتے ہیں انکو علی الاطلاق منع کیا جاتا ہے (ص ۹۴ ج ۶) قال فی الهندیة اذا سجد واحد لهؤلاء الجبابرة فهو کبیرة من الکبائر! هل یکفر؟ قال بعضهم یکفر مطلقا وقال اکثرهم هذا علی وجوه ان اراد به العبادة یکفر وان اراد به التحیة لم یکفر ویحرم علیه ذلک وان لم یکن

لہٰ ارادہ کفر عند اہل العلم وفی شرح الفقہ الاکبر قال فی التعدیل ان لم یثبت انہ کفر فلا اقل ان یکون حراما ۔

مجرد ایہام المعنی المحال کاف فی المنع عن التلفظ بہذا الکلام (ملہ ش ۲۳۳ درمختار)

تقبیل ارض بھی موہم ہے وکذا مایفعلونہ من تقبیل الارض بین یدی العلماء والعظماء فحرام والفاعل والراضی

بہ اثمان لانہ یشبہ عبادۃ الوثن (درمختار ص ۲۹۹) ولایضع یدہ علی جدار التربۃ (ای تربۃ النبی صلعم) (عالمگیری ص ۹۶)

ندا کسی کو کرنا مبنی بر علم وتصرف منادی کے ہے (رشیدیہ ص ۶)

تفسیر مظہری کا مطلب بھی یہی ہے کہ ندا اور استعانت اولیاء سے نہ حیات میں روا ہے نہ بعد موت (ص)

نیلوی کہتا ہے

اِن تمام حوالجات کو جمع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ فقہاء کا کلیہ قاعدہ " جو کام یا کلام کرنا یا کہنا اس کا بعض وجوہ اور بعض مقاصد سے کفر، شرک یا معصیت ہو اور بعض دیگر وجوہ سے کفر، شرک اور معصیت نہ ہو تو باوجود قصد معنے موجب عدم کفر و معصیت کے وہ قول و فعل ممنوع اور ناجائز ہوگا

اس قاعدہ کے تحت توسل بھی داخل ہے لہٰذا اس سے احتراز ہی چاہیے

بحق کہنے میں شیعہ اور معتزلہ کے ساتھ مشابہت ہے

رشید احمد صاحب گنگوہی

سوال دعا میں بحق رسول اللہ و ولی اللہ کہنا ثابت ہے یا نہیں بعض فقہاء و محدثین منع کرتے ہیں اسکا کیا سبب ہے ؟ الجواب بحق فلاں کہنا درست ہے اور معنی یہ ہیں کہ جو تو نے اپنے احسان سے وعدہ فرمایا ہے اس کے ذریعے سے مانگتا ہوں ۔ مگر معتزلہ اور شیعہ کے نزدیک حق تعالیٰ پر حق لازم ہے اور وہ بحق فلاں کے یہی معنے مراد رکھتے ہیں ۔ سو اس واسطے معنی مُوْهِم اور مشابہ معتزلہ ہو گئے تھے لہٰذا فقہاء نے اس لفظ کا بولنا منع کر دیا ہے ۔ تو بہتر ہے کہ ایسا لفظ نہ کہے جو رافضیوں کے ساتھ تشابہ ہو جائے (ص ۶۳ رشیدیہ)

آخری نقطہ غور سے پڑھئے اور فرمائیے کہ حسب زعم آپ کے اگر عقیدۂ اعتزال دُنیا سے ناپید ہو چکا ہے کیا رافضی اور بریلوی بھی مر گئے ہیں تشبہ بالاعتزال نہ سہی تشبہ بالرفض و البریلویت تو کہیں نہیں گیا۔ اگر کہو کہ اہل سنت والجماعت اس اعتقاد سے نہیں پڑھتا لہٰذا اسے جائز ہے تو خدا کو سمجھاؤ کہ جب مسلمان صحیح اعتقاد سے رَاعِنَا کہتے تھے تو انہیں رَاعِنَا کہنے سے کیوں روکا۔ آپ کا نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ خدا بھی مجرم ٹھہیرا لاحول ولا قوۃ الا باللہ

آج کل صاف ظاہر ہے کہ رفض اور بریلویت کا عروج ہے اِس وقت اس قدر نرمی برتنا اُن کے مذہب کو فروغ دینا ہے اور انہیں کے مذہب کو مضبوط کرنا ہے : شعر

سرِ چشمہ شاید گرفتن بمیل ؛ چو پُر شد نہ شاید گزشتن بہ پیل

رافضی تو حد سے گذر چکے ہیں بریلوی کہاں پیچھے ہیں مشتے نمونہ از خروارے ان کی بھی سُن لیجئے۔

میرا عبد القادر قادر ہے مینوں ہور کسی دی لوڑ نہیں ؛ بغداد دیاں گلیاں کافی نیں مینوں مکے کعبے دی لوڑ نہیں

بیٹھتے اُٹھتے مدد کے واسطے ؛ یا رسول اللہ کہا پھر تجھکو کیا

اِمداد کُن امداد کُن از بندِ غم آزاد کُن ؛ در دین و دنیا شاد کُن یا شیخ عبد القادرا

برائے چشم بینا از مدینہ بر سرِ مُلتان ؛ بشکلِ صدر دیں خود رحمۃ للعٰلمین آمد

ان اولیاء کرام کو دور و نزدیک سے پکارنا سلف صالح کا طریقہ ہے (بہار شریعت ص ۹۶)

بیشک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے (الاستمداد ص ۵۲)

اللہ عزوجل حضور اقدس صلعم کو حکم دیتا ہے کہ تم سب کو اپنا بندہ کہو اور اُن سے یوں ارشاد فرماؤ کہ اے میرے گنہگار بندو اپنے رب کی رحمت سے نا امید نہ ہو (الاستمداد ص ۵)

حضور صلعم تملیکِ الٰہی جنت کے مالک ، کارخانہ الٰہی کے مختار ہیں ، ضمانتیں فرماتے ہیں ، بیع کر دیتے ہیں ، ہر عاقل جانتا ہے کہ بیع وہی کریگا جو خود مالک ہو یا مالک کی طرف سے ماذون و مختار - ورنہ فضولی ہے جس کا قصد فضول اور عقد بیکار۔

الی آخرہ (الامن والعلی صفحہ ۱۱۰) حضور کو خداوند عرب کہہ کر ندا کر سکتے ہیں (ملفوظات صفحہ ۱۱) دنیا و آخرت حضور کی عطا کا حصہ ہے
احکام تشریعیہ حضور کے قبضہ میں کر دیئے گئے جس پر جو چاہیں حرام فرمائیں اور جس کیلئے جو چاہیں حلال کر دیں اور جو فرض چاہیں،
معاف فرمائیں (بہار شریعت صفحہ ۲۲)

سید احمد سعید کاظمی بریلوی نے اپنے رسالہ تسکین الخواطر ص ۲۳ میں لکھدیا باعطائے الٰہی مقربین خدا،
عالم الغیب قادر و متصرف ہیں اگرچہ دیوبندی اس کو شرک کہتے ہیں
اور ص ۸ میں لکھا: وہو بکل شئ علیم سے مراد نبی ہیں۔ آپ نے تمام اول و آخر ظاہر و باطن کا احاطہ فرمایا

کیوں جناب! جب خدا نے حضور کو سب کچھ دیدیا ہے اور حضور مختار و ماذون ہیں اور خدا خود رسول کی اطاعت کرتا ہے
یعنی جو کچھ حضور کہیں خدا کو چار و ناچار وہی کرنا پڑتا ہے خواہ خدا کا ارادہ نہ ہو تو یہی مطلب نکلا کہ خدا پر لازم ہو گیا کہ
حضور کا کہا مانے - اب کہنا کیسے درست ہے کہ

اب جبکہ وہ (معتزلہ) اور ان کے عقائد معدوم ہو گئے تو اسکا اشتباہ بھی معدوم ہو گیا (فیوضات حسینی صفحہ ۸)

انتباہ

بہرحال ایسے امور سے اجتناب کرنے کا ہی حکم لگانا زمانہ حال میں ضروری ہے جیسے پہلے زمانہ میں ضروری تھا۔
محمد فضل حق خیرآبادی فرماتے ہیں آیات اور احادیث صحیحہ اسی پر دال ہیں کہ مصیبت اور حاجت اور مرض وغیرہ میں حق تعالےٰ
ہی سے دعا کرنی چاہیئے۔ خدا تعالیٰ نے جناب رسول اللہ صلعم اپنے حبیب کو اسی واسطے مبعوث فرمایا تھا کہ اس زمانہ میں مخلوق
اپنے خالق کو چھوڑ کر انبیاء اور اولیاء اللہ کی تصویریں بنا کر اُن سے التجا کرتے تھے اور ان کو اپنا وسیلہ سمجھتے تھے خدا نہیں
جانتے تھے لیکن معاملات انکی قبور اور تصاویر سے ایسے کرتے تھے جو خدا تعالیٰ سے کرنے چاہئیں، ان رسوم کو جناب خاتم
النبیین صلعم نے نیست و نابود کر کر خدا پرستی پر سب کو لگایا۔ اب چند عرصہ سے بوجہ جہالت کے لوگ پھر انہیں رسوم کے پابند
ہو گئے پس علماء کو ضرور ہے کہ ایسے رسوم سے منع کرتے رہیں (صفحہ ۲۲ فتویٰ عدم جواز یا شیخ) مولانا کا مشورہ ملحوظ ہے
اسی قسم سے دوسرے وظائف بھی مبتدعین نے جاری کئے ہیں چنانچہ پڑھتے ہیں یا غوث مدد مدد کہتے ہیں یا خواجہ شمس الدین

زک پانی پتی مشکل کشائے حاجت روا شیئاً للہ وغیرہ (فتویٰ ص۶۳)

امام رازی رحمہ اللہ کی تحقیق انیق

ونظیرہ فی ھذا الزمان اشتغال کثیر من الخلق بتعظیم قبور الاکابر علی اعتقاد انہم اذا عظموا قبورہم فانہم یکونون شفعاء لہم عند اللہ (رازی ج ۳ ص ۱۹۸)

نقول الکلام الذی ذکرہ الکفار لائق بالعقلاء، اما بغیر العقلاء فلا یلیق، بیانہ من وجہین الاول ان الضمیر فی قولہ و ما نعبدہم ضمیر للعقلاء فلا یلیق بالاصنام، الثانی انہ لا یبعد ان یعتقد ذلک الکفار فی المسیح والعزیر والملئکۃ ان یشفعوا لہم عند اللہ ...... ویمکن ان یقال ان العاقل لا یعبد الصنم من حیث انہ خشب او حجر، وانما یعبدونہ لاعتقادہم انہا تماثیل الکواکب او تماثیل الارواح السماویۃ او تماثیل الانبیاء والصالحین الذین مضوا، ویکون مقصودہم من عبادتہا توجیہ تلک العبادات الی تلک الاشیاء التی جعلوا ھذہ التماثیل صورا لہا، وحاصل الکلام لعبادۃ الاصنام ان قالوا ان الالٰہ الاعظم اجل من ان یعبدہ البشر، لکن اللائق بالبشر ان یشتغلوا بعبادۃ الاکابر من عباد اللہ مثل الکواکب ومثل الارواح السماویۃ: ثم انہا تشتغل بعبادۃ الالٰہ الاکبر فہذا ھو المراد من قولہم ما نعبدہم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ (رازی ج ۳ ص ۲۳۰)

صاحبِ تسکین کی تصدیق.

خود صاحب تسکین نے تفسیر کبیر ص۱۸۸ کے حوالے سے گلدستۂ توحید ص۵ میں لکھا ہے کہ "اس (اصنام پرستی) کی نظیر اس زمانہ میں یہ ہے کہ بہت سے لوگ بزرگوں کی قبروں کی اس اعتقاد سے تعظیم کرتے ہیں کہ اس طریقہ سے وہ بزرگ اللہ تعالیٰ کے ہاں اُن کی سفارش کرتے ہیں۔ اور بحوالہ حجۃ اللہ البالغہ ص۵۹ شاہ ولی اللہ رح کی عبارت لکھ کر ترجمہ کیا "مشرکین کا مسلمانوں کے ساتھ اس امر میں اتفاق رہا ہے کہ بڑے بڑے کاموں کی تدبیر صرف اللہ ہی کرتا ہے اور ایسے ہی وہ کام بھی جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے پختہ فیصلہ کر دیا ہے اس نے کسی اور کو انہیں اختیار نہیں دیا لیکن تمام امور میں مشرک قوم مسلمانوں کے

ساتھ متفق نہیں رہیں۔ ان کا مذہب یہ رہا ہے کہ ان سے پہلے جو نیک بندے گذرے ہیں انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بندگی کی ہر اور اُسکا تقرب حاصل کیا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے انکو اُلوہیت اور حاجت روائی کا عہدہ دیدیا ہے سو وہ مخلوق کی طرف سے عبادت کے مستحق ہونگے ...... اور مشرکین نے کہا کہ وہ صالحین اب بھی سنتے اور دیکھتے ہیں اور اپنی عبادت کرنے والوں کی سفارش کرتے ہیں الخ (گلدستہ توحید ص۲۶) اب محترم سوچیں کہ نبی و شیخین صالحین ہیں یا نہ اگر ہیں تو اب آپکا عقیدہ؟

پھر فرماتے ہیں حضرات! ..... اللہ تعالیٰ نے ایک طرف مشرکین کی (دعا یدعو کے الفاظ کو سامنے رکھ کر) تردید فرمائی ہے کہ جن کو تم پکارتے ہو وُہ نہ نفع کے مالک ہیں اور نہ نقصان کے اور نہ ہی انکو تمہاری تکلیفوں اور مصیبتوں کی اطلاع ہے۔ اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلعم اور مومنین کو یہ حکم ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ کے نیچے کسی کو نہ پکارو (ص۱۲ گلدستہ توحید) پھر فرماتے ہیں مافوق الاسباب طریق پر امید نفع و دفع مضرت کے وقت غیر اللہ کو پکارنا اس لئے شرک ہے کہ شرک کے اصولوں پر تین ستون ہیں (۱) یہ کہ پکارنے والے کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ جس کو میں پکار رہا ہوں وہ میرے حال سے آگاہ اور میری مصیبت کی اسکو خبر اور علم ہے یعنی عالم الغیب یا عالم ما کان و ما یکون ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ کے نیچے دوسروں کو قیامت تک بھی اگر پکارا جائے تو اُن کو اس کی خبر نہیں ہو سکتی وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ اور اُن کو خبر نہیں اُن کے پکارنے کی (۲) یہ کہ پکارنے والا سمجھتا ہے کہ جسکو میں پکارتا ہوں وہ میری حالت کو دیکھتا اور میری آواز کو سنتا ہے یعنی حاضر و ناظر ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ اگر تم انکو پکارو وُہ سنیں نہیں پکار تمہاری۔ اور اگر سنیں پہنچ نہ سکیں تمہارے کام پر الخ (گلدستہ توحید ص۱۳۲) اللہ تعالیٰ نے مافوق الاسباب سفارش (یعنی غائبانہ و مُردہ سے) کو بھی شرک کہا ہے (گلدستہ توحید ص۱۳۱) مشرکین مکہ و عرب کا بڑا شرک یہی تھا کہ وہ غیر اللہ کو مافوق الاسباب طریق پر پکارتے تھے الخ (ص۱۳۴)

اب دیکھنا یہ ہے کہ انبیاء کو انکی قبروں پر جا کر اس عقیدہ سے پکارنا کہ وُہ ہمیں دیکھ پہچان رہے ہیں اور ہماری آواز سن رہے ہیں یہ مافوق الاسباب ہے یا ماتحت الاسباب؟ کسی دانشور آدمی سے مخفی نہیں کہ سماع کے اسباب یہی ہیں کہ سننے والے کے کانوں میں قوت سماعت بھی ہو اور ہوا کا تموج ہو اور وہ آواز ہوا کی لہروں میں گذرتی ہوئی کانوں کی اس بانسی کو

جا مجرائے جیسی قوتِ سامعہ ہے۔ اور جو سماع ان اسباب سے بالاتر ہو اسی کو سماع مافوق الاسباب کہتے ہیں۔ تفسیر ماجدی ص۸۳ میں ہے سماع عادی جو نام ہے تعامل صوت و سامعہ کا وہ ظاہر ہے مُردوں میں مفقود ہے۔

صاحب تسکین سے ہمارا سوال

اب صاحب تسکین فرمائیں کہ انبیاء کی قبور پر انبیاء کو اس عقیدہ سے پکارنا کہ دیکھ پہچان سُن رہے ہیں پھر اُن (انبیاء) کو حاجات میں وسیلہ بنانا" اور اُن سے دُعا کی التجاء کرنا۔ اور یہ کہنا کہ آپ ہمارے لئے شفاعت کریں اور اللہ تعالیٰ سے سوال کریں کہ وہ ہماری سعی کو قبول فرمائے (تسکین ص۲۳۲)۔ اور ہمیں آپ کی ملت پر زندہ رکھے اور اسی پر وفات دے (تسکین ص۲۳۲)۔ وغیرہ وغیرہ۔ کیا یہ ما تحت الاسباب سفارش اور پکار ہے؟ یا مافوق الاسباب ہے تو پھر وجہ کیا ہے کہ مشرکین عرب کا ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کو حاجات میں پکارنا اور سفارش کرانا تو شرک ہو" عزیرؑ و عیسیٰؑ کو پکارنا اور اُن سے سفارش کرانا تو شرک ہو لیکن حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا اور سفارشی بنانا شرک نہ ہو بَيِّنُوا تُوجَرُوا

پھر اعلیٰ حضرت احمد رضا خان کا کیا قصور جو لکھتا ہے " استغاثہ و استعانہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم و حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ برابر جاری ہے (بعض مکاتیب حضرت مجدد ص۳۵)

عیسائی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وسیلہ بناتے ہیں

چنانچہ ان کی وظائف کی کتاب دعائے عام ساری کی ساری ایسی دعاؤں سے پُر ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے تھوڑا سا پیش خدمت ہے

دعائے عام ص ۳۲ میں ہے اے نہایت رحیم باپ ہم فروتنی سے تیری پاک کیتھولک کلیسیا کے لئے تجھ سے التجا کرتے ہیں ..... ہمارے خداوند یسوع مسیح کے وسیلے سے آمین۔ اے خدا لاتبدیل قدرت اور ازلی نور کے مالک اپنی کلیسیائے جامع پر جو ایک عجیب مقدس راز ہے مہر کی نظر کر ..... اور تمام چیزیں اسی کے وسیلے کمال کو پہنچیں جس کے وسیلے سب چیزیں پیدا ہوئیں۔ یہ ہم اسی تیرے بیٹے اپنے خداوند یسوع مسیح کا واسطہ دے کر مانگتے ہیں آمین اے قادر مطلق خدا ہم تجھ سے منت کرتے ہیں کہ تو تمام مسیحیوں کو صلح حقیقی میل ملاپ اور ظاہری اور باطنی اتحاد عنایت فرما ہمارے خداوند یسوع مسیح کے وسیلے سے آمین۔ اسی طرح ۵۳، ۵۴ میں چار دعاؤں میں ہمارے خداوند

یسوع مسیح کے وسیلے سے ۔آمین کے الفاظ ہیں۔ اور ص ۵۵ میں ہے اے خداوند' ہمارے شفیع اور درمیانی یسوع مسیح کی عزت کے واسطے یہ بخش دے۔ آمین

ص ۶۰ : تیرے بیٹے' ہمارے خداوند اور نجات دہندہ کے ثواب کے طفیل سے ۔آمین

ص ۶۱ : سچی دینداری عنایت فرما ہمارے خداوند اور منجی یسوع مسیح کی خاطر سے۔ آمین

ص ۶۳ : یہ ہم فروتنی سے اپنے خداوند یسوع مسیح کے نام کا واسطہ دے کر مانگتے ہیں ۔ آمین

ص ۶۵ : ہمارے خداوند یسوع مسیح کے نام سے آمین

ص ۶۷ : ہمارے درمیانی اور شفیع یسوع مسیح کے عزت کے واسطے یہ بخش آمین

ص ۲۴۰ : ہمارا خداوند یسوع مسیح مہر سے اس کو قبول کرے۔ گناہوں سے رہائی دے ۔ روح القدس کے وسیلے سے پاک کرے اور آسمان کی بادشاہی اور ابدی زندگی بخشے ۔ خداوند یسوع مسیح نے ان سب چیزوں کے دینے کا وعدہ کیا ہے وہ تو اس وعدے کو یقیناً یاد رکھے گا اور پورا کرے گا۔

ص ۳۷۰ : خدا کے رحم پہ جو مسیح کے وسیلے سے ہوتا ہے ۔

اور معرب کتاب الوظائف میں لکھا ہے اللھم موجد السلام وحب الاتحاد . . . . بقوۃ ربنا یسوع المسیح' امین

وص ۷، نعمۃ ربنا یسوع المسیح ومحبۃ اللہ وشرکۃ الروح القدس تکون معنا جمیعا الی الابد امین

ص ۲۱ اللہ القادر علی کل شئ . . . . فلنطلب منہ اذا ان یھب لنا التوبۃ الحقیقیۃ . . . . . بواسطۃ ربنا یسوع المسیح امین

ص ۲۷ اللھم الذی نصدر کل المشیئات الطاھرۃ . . . . باستحقاق مخلصنا یسوع المسیح' امین

ص ۲۹ انعم یارب بھذا الاکرام بوسیطنا وشفیعنا ربنا یسوع المسیح' امین

ص ۴۰ اللھم الرب الرحیم . . . ساعدنا مترحما . . . بربنا یسوع المسیح

ص ۴۱ یا ابن داؤد ارحمنا یا ربنا نسالک نتضرع الیک لتسمعنا ایھا المسیح ارحمنا . ایھا المسیح اسمعنا منعا ایھا الرب المسیح

تفسیر میں سلف کی ایک جماعت کا قول ہے کہ بعض اقوام فرشتوں اور نبیوں (مثلاً عزیرؑ و عیسٰیؑ) کو پکارتی تھیں تو اللہ نے فرمایا کہ ملائکہ و انبیاء بھی ویسے ہی خدا کے بندے ہیں جیسے تم' وہ بھی اس کی رحمت کے طالب اور اس کے عذاب سے لرزاں ترساں ہیں جیسے تم' پھر خدا کو چھوڑ کر ان کو کیوں پکارتے ہو؟

یہ مشرک کبھی یوں کہتے ہیں ہم ملائکہ و انبیاء کی عبادت تو نہیں کرتے بلکہ تعریف و تمجید کے ذریعے محض ان کی

سفارش چاہتے ہیں اور اسی نیت سے ان کے مزاروں پر حاضری دیتے ہیں :

رہی تصویریں اور بُت تو اُن سے مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ ان عظیم شخصیتوں اور ان کے کارناموں کی یاد تازہ ہے ۔ ہم تصاویر و اصنام سے خطاب نہیں کرتے ۔ بلکہ ان بزرگوں سے خطاب کرتے ہیں جن کے بت اور تصویریں ہیں چنانچہ یہ مشرک ان کی جناب میں سرِ نیاز جھکا کر درخواستیں گزارتے ہیں اور التجائیں کرتے ہیں کہ یا شیخ ! یا پیر ! اے پطرس حواری ! اے مریم ! اے نیک مریم ! یا ابراہیم خلیل اللہ ! یا موسیٰ کلیم اللہ ! وغیرہ اپنے خدا سے میری سفارش کیجئے ، میری بخشش کی دعا فرمائیے

کبھی قبروں پہ جا کر اسی طرح کی درخواستیں گزارتے ہیں ۔ یا زندوں کو ان کی حاضری میں اس طرح مخاطب کر کے پکارنے لگ جاتے گویا وہ موجود ہیں اور ان کی دعائیں و مناجاتیں سن رہے ہیں ۔ پھر ان کی مدح میں قصیدے پڑھتے ہیں جن میں ہوتا ہے "اے میرے آقا میں تیرے زیرِ سایہ ہوں ۔ میں تیری پناہ میں ہوں ۔ اللہ سے میرے لئے سفارش کیجئے دعا کیجئے کہ ہمیں دشمن پر غلبہ حاصل ہو ، مصیبت دُور رہو ، تجھی سے میرا سوال ہے ۔ تجھی سے میری فریاد ہے ۔ اپنے بندے کو محروم نہ لوٹا ۔

فائدہ ڈاکٹر محمد عبداللطیف صاحب نے احادیث مثنوی ص ۲۱۳ و ۲۱۴ میں مثنوی مولانا رومؒ کے شعر

سجدہ می کردند کای ربِّ بشر   در عیاں آر ایش ہر چہ زود تر

(وہ لوگ سجدہ میں دعا کرتے تھے کہ کائنات کے خالق ! جہاں تک ہو سکے اس پیغمبر کو جلدی مبعوث کر کے تحت لکھا کہ مطلب (یہ ہے) یہود و نصاریٰ حضور کی بعثت سے پہلے آپ کی تشریف ارزانی کے لیے سر بسجود و دست بدعا رہتے تھے ۔ پھر لکھا کہ اس میں اشارہ آیہ وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا کی تفسیر کی طرف ہے ۔ پھر ص ۲۱۴ میں لکھا

اس آیت کی شانِ نزول یہ ہے کہ یہودی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل جب مشرکین کے ساتھ جھگڑتے اور مناظرہ کرتے تو کہتے کہ جب پیغمبر آخر الزمان محمد مصطفیٰ آئیں گے تو وہ ہمارا ساتھ دیں گے ہمارے لئے گواہی دیں گے ۔ وہ ہمارے پیغمبر کی تصدیق کریں گے اور کہیں گے کہ ہم راستی پر ہیں اور تم مشرکوں سے اولیٰ تر ہیں ۔ کیونکہ انہیں پتہ ہو گا کہ ہم اہلِ کتاب ہیں اور ہماری کتاب برحق ہے ۔ اور ہمارے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام خدا کے صادق پیغمبر تھے ۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے ایک دوسری آیت میں فرمایا ان تستفتحوا

فقد جاءکم الفتح ..... جب مشرکین سے انہیں رنج پہنچتا تو دعا مانگتے اللھم انصرنا بالنبی المبعوث فی اٰخر الزمان الذی نجد نعتہ فی التوراۃ (تفسیر طبری ج ۱ ص ۳۰۹ / ۳۱۱) اے اللہ اپنے آخر الزمان نبی کو بھیج کر ہماری امداد فرما۔ وہ اولوالعزم ہستی جس کی تعریف ہم تورات میں پڑھتے تھے۔

وسیلہ کی لغوی اور شرعی تعریف

وسیلہ کے لغوی معنے ہیں مرتبہ، درجہ، قربت، سبب، بادشاہ کے نزدیک عزت اور مرتبہ، تقرب حاصل کرنا، تقرب حاصل کرنے کا ذریعہ (قاموس۔ مصباح اللغات وغیرہ)

وسیلہ اصطلاح شرعیہ میں طاعت الٰہی سے اور اعمال صالحہ سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا یا اپنی دعا یا کسی بزرگ صالح کی دعا کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا

قرآن مجید میں دو جگہ یہ لفظ وارد ہے باتفاقِ مفسرین وہاں اطاعت اور اعمال صالحہ سے قربت حاصل کرنا مراد ہے۔ حدیثوں میں یہ لفظ مقامِ محمود، اعلیٰ مرتبہ، ذریعہ اور سبب کے معنی میں مستعمل ہے

پس حقیقۃ لغویہ اور حقیقۃ شرعیہ تقریباً ایک ہی ہے۔ حسب موقع و محل سب معانی مذکورہ میں یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ کتاب و سنت کے تتبع و استقراء سے یہ معلوم ہوا ہے کہ وسیلہ کے تین معنے ہیں ۱۔ طاعت و عبادت سے تقرب الٰہی حاصل کرنا ۲۔ آنحضرت صلعم کیلئے اللہ تعالیٰ سے مقامِ محمود اور درجۂ جنت طلب کرنا ۳۔ کسی صالح بزرگ کی حیات مبارکہ میں اس سے دعا کرانا اور اس کی دعا کے ذریعے سے درگاہِ الٰہی میں قبولیت چاہنا

وسیلہ کا شرعی حکم

پس حکم شرعی کے لحاظ سے وسیلہ دو قسم ہے ایک مشروعہ جو شرع سے ثابت ہے دوسرا غیر مشروعہ جس کا ثبوت شرع میں نہیں ہے بلکہ وہ اختراعیہ ہے؛ وسیلہ مشروعہ کے کئی انواع ہیں

(۱) اسماء و صفات الٰہیہ کا وسیلہ: یہ کتاب و سنت سے ثابت ہے؛ قرآن میں ہے وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بہا یعنی اللہ تعالیٰ کے اچھے اچھے نام ہیں ان کے ذریعہ سے اللہ کو پکارو۔ کتب حدیث میں کتاب الدعوات میں اسم اعظم اور اس سے دعا کرنے کا ذکر احادیث میں وارد ہے

(۲) اعمال صالحہ کا وسیلہ: یہ بھی کتاب سنت سے ثابت ہے اور وابتغوا الیہ الوسیلہ سے باتفاق مفسرین اعمال صالحہ سے قرب حاصل کرنا مراد ہے جیسے واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ یعنی اللہ سے صبر و نماز کے ذریعے مدد طلب کرو اور احادیث صحاح میں تین غار والوں کا قصہ مشہور ہے جنہوں نے کہا تھا انظروا اعمالا عملتموا اللہ صالحۃ فادعوا اللہ بہا لعلہ یفرجہا کہ تم اپنے اعمال صالحہ خالصہ کو دیکھو پھر ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو تاکہ اللہ تعالیٰ اس بلا کو ٹال دے چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا فوراً قبول ہوئی۔ پس اصل وسیلہ اعمال صالحہ کا ہے جو مامور بہا اور جملہ مسلین کا معمول رہا ہے۔

بحرمت، بصدقہ، بطفیل، بواسطہ، بحق، بوسیلہ اور اس قسم کے الفاظ نہ کسی صحابی سے ثابت ہیں نہ کسی تابعی وہ دیگر ائمہ دین سے منقول و مروی ہیں.... صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں خشک سالی کا زور ہوا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا پہلے ہم ایام قحط میں تیرے نبیؐ سے دعا کرواتے تھے اور اپنی دعاؤں کی قبولیت کا ان کو وسیلہ بناتے تھے تو تُو باران رحمت برساتا تھا اب جبکہ نبیؐ دنیا سے رخصت ہو گئے تو ہم اپنے نبیؐ کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں یعنی اب ہم ان سے بارش کی دعا منگواتے ہیں یا الٰہی! تو باران رحمت برسا اور قحط سالی دور فرما پس حضرت عمرؓ کے اس قصے سے تمام اشکال و اوہام رفع ہو گئے! نیز توسل کے معنے صاف ہو گئے کہ توسل سے مراد دعا ہے نہ کہ آپؐ کے اسم مبارک یا آپؐ کی قبر کا توسل! اگر ایسا توسل جائز ہوتا تو حضرت عمرؓ اور باقی صحابہؓ آپؐ کے نام یا آپؐ کی قبر کو چھوڑ کر کبھی حضرت عباسؓ کے توسل کی طرف رجوع نہ کرتے۔ بلکہ آپؐ کے نام یا آپؐ کی قبر کا وسیلہ لیتے:

وسیلہ کا مفہوم عوام کے خیال میں

واضح ہو کہ جب سائل اللہ تعالیٰ سے بحق فلاں یا بوسیلہ فلاں دعا کرتا ہے عام اس سے کہ فلاں سے مراد اس کی ملائکہ ہو یا انبیاء و صلحاء و اولیاء و شہداء ہوں تو اس سے سائل کی مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ممتاز و برگزیدہ و مقرب بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی درگاہ عالیہ میں ان کی قدر و منزلت، وجاہت، حرمت، عزت بہت کچھ ہے! لیکن اللہ کی اجازت کے بغیر کسی کو سفارشی منصب حاصل نہیں اللہ کا فرمان ہے من ذا الذی یشفع عندہٗ

الا باذنہ ؛ اور خدا کی اجازت انہی لوگوں کے واسطے ہے جو اُس کے اور اس کے رسول کے احکام کی اطاعت و فرمان برداری کرتے ہیں۔ تو مجرد انبیاءؑ کی قدر و وجاہت اطاعت و فرماں برداری کے بغیر کچھ مفید نہیں، ہاں یہ اور بات ہے کہ نبی ﷺ اپنی حیاۃ طیبہ میں کسی کے لئے دعا و سفارش کریں۔ تو جس صورت میں آپ نہ دعا کر سکتے ہیں نہ سفارش تو صرف حرمت و وجاہت کا نام لے کر سوال کرنا کیسے مفید ہو سکتا ہے بلکہ سائل نے ایک ایسا سبب پیدا کیا ہے جو قبولیت تو در کنار، قابل سماعت ہی نہیں ہے

تمثیل

اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص کسی سے اس طریقہ پر سوال کرے کہ فلاں شخص نے آپ کی چونکہ بڑی اطاعت و فرمانبرداری کی ہے جس کو آپ نے بہت بڑا منصب عطا کیا ہے لہٰذا اس کے وسیلے میری مراد برلاؤ مقام غور ہے جب کہ اطاعت کا صلہ فقط مطیع کو ہی مل سکتا ہے مزدور کی اجرت مزدور ہی کو مل سکتی ہے؛ نوکر کی تنخواہ نوکر کو ہی دی جا سکتی ہے نہ کسی غیر کو کسی اجنبی کو تو گویا اس قسم کے اسباب پیش کر کے سوال کرنا عین جہالت و ضلالت ہے؛ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا احسان ان لوگوں پر ہے جنہوں نے اس کی پوری پوری تابعداری کی ہے مثلاً انبیاء، اولیاء، صلحاء پس اس کا صلہ و انعام بھی انہی لوگوں کے لئے ہے:

علی سبیل التنزل

علی سبیل التنزل اگر کسی مخلوق کی وجاہت و منزلت کا وسیلہ جائز ہوتا نبی ﷺ یا صحابہ کرامؓ انبیاء سابقین مثل جد الانبیاء حضرت ابراہیمؑ یا ملائکہ مقربین مثل جبرئیلؑ کا ضرور وسیلہ لیتے اور بوقت دعا یوں کہتے یا نبی تو اپنے خلیل یا اپنے کلیم کے صدقہ و وسیلہ سے ہماری یہ دعا قبول فرما حالانکہ یہ ضعیف حدیث سے بھی ثابت نہیں ہیں اسی لئے ائمہ دین اس وسیلہ سے منع ہی کرتے چلے آئے ہیں

ایک وھم کا ازالہ

بعض یہ سمجھتے ہیں کہ انسان جب کسی بادشاہ یا امیر کی خدمت کرتا ہے تو اس کا حق واجب ہو جاتا ہے

یہی مثال خالق و مخلوق کی ہے لیکن یہ غلط ہے کیونکہ بادشاہ یا امیر کی اطاعت ان کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ مستغنی ہے۔ اللہ تو فرماتا ہے ان احسنتم احسنتم لانفسکم وان اساتم فلھا اگر نیکی کروگے تو اپنے فائدے کو برائی کروگے تو تمہارا اپنا نقصان ہے نیز فرماتا ہے ان تکفروا فان اللہ غنی عنکم ولا یرضی لعبادہ الکفر وان تشکروا یرضہ لکم اگر کفر کروگے تو خدا تمہاری طرف سے بے پرواہ ہے ہاں وہ اپنے بندوں کیلئے کفر پسند نہیں کرتا۔ اگر تم اللہ کا شکر کروگے تو اللہ اس کو پسند فرماتا ہے؛ ومن شکر فانما یشکر لنفسہ ومن کفر فان ربی غنی کریم جو شکر کرے گا تو اپنی جان کیلئے شکر کریگا اور جو کفر کرے گا تو میرا رب بے پرواہ کریم ہے وغیر ذلک من الآیات نیز حدیث میں آیا ہے نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے میرے بندو! میں ہی نافع ضار ہوں۔ تم سب خطاکار ہو میں ہی تمہاری خطائیں معاف کرتا ہوں اور میں بے پرواہ ہوں تم مجھ سے بخشش مانگتے رہو میں بخشش کر دیا کروں گا تمہارے اگلے پچھلے انسان و جن سب مل کر فاسق فاجر ہو جائیں میری الوہیت میں کچھ خلل نہیں آسکتا۔ اسی طرح تمہارے اگلے پچھلے انس و جن سب مل کر متقی بن جائیں تو کچھ میری سلطنت میں ترقی نہیں ہو سکتی۔

بہرحال مخلوق کا خالق پر یہ حق نہیں کہ وہ اس حق کے دباؤ کی وجہ سے اس کی حاجت بر لائے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

ہاں اللہ نے اپنے عباد مومنین کا جو حق اپنے ذمے محض اپنے رحم و کرم سے اپنے نفس پر واجب کیا ہے اس سے اکثر لوگ بے استادے دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ اللہ پاک فرماتا ہے یا عبادی انی حرمت الظلم علی نفسی وجعلتہ بینکم حراما فلا تظالموا اے میرے بندو! میں نے اپنی ذات پر ظلم حرام کیا ہے تم پر بھی حرام کرتا ہوں آپس میں ظلم نہ کرنا۔ اسی طرح فرمایا کتب علی نفسہ الرحمۃ اللہ نے اپنے ذمے رحمت واجب کر لی ہے نیز فرمایا وکان حقا علینا نصر المؤمنین مومنوں کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے اس کی تشریح نبی ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمائی، یا معاذ اتدری ما حق اللہ علی عبادہ الخ اے معاذ تو جانتا ہے کہ اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے؟..... آپ نے فرمایا

کہ بندوں پر اس کا حق یہ ہے کہ بغیر کسی قسم کی شراکت کے خاص اسی کی عبادت کریں لے معاذ! تو جانتا ہے کہ جب بندے اس طرح عبادت کریں تو پھر بندوں کا خدا کے ذمے کیا حق ہے؟۔۔۔ آپؐ نے فرمایا خدا پر ان کا یہ حق ہے کہ وہ ان کو عذاب نہ کرے۔

پس نبی ص کی تفسیر سے یہ نکتہ حل ہو گیا کہ اللہ تعہ کے مکرم و برگزیدہ بندوں انبیاء علماء صلحاء کا حق' اللہ تعالیٰ کے ذمے جو محض اپنے فضل و رحمت سے اپنے ذمے واجب کیا ہے وہ صرف یہی ہے کہ وہ ان کو دین و دنیا کے عذاب سے نجات دے اور ثواب عطا فرمائے۔ ورنہ تو وہ جو چاہے کر سکتا ہے کوئی اس کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا

(۳) نبی پاک ص پر ایمان لانا اور تمام احکام شرعیہ میں آپؐ کو اسوۂ حسنہ جان کر آپ کی اتباع کرنا اور آپؐ کی سنت کی نصرت اور احیاء سے آپ کی محبت کا ثبوت دینا اور آپکی توقیر کرنا وسیلہ ہے جو عین اسلام اور ذریعۂ نجات و کامیابی کا ہے

(۴) نبی ص پر درود پڑھنا شرعی وسیلہ ہے ہر دعا کے اول آخر درود شریف پڑھیں تب دعا قبول ہوتی ہے اگر تمام حاجتوں کے لئے صرف درود ہی کو ورد بنالیں تو کافی ہے آپؐ نے فرمایا اذاً تکفی ھمک و یکفر لک ذنبک کہ گناہ دور کرنے اور غم فکر دور کرنے کے لئے تیرے واسطے درود ہی کافی ہے

(۵) کسی زندہ نیک سے عرض کر کے دعا کرانا اور اس کی دعاء کی ذریعہ اور وسیلہ سے خدا تعہ سے قبولیت چاہنا۔ چنانچہ آپؐ کی حیات مبارکہ میں آپؐ سے دعائیں منگوائی گئیں

بخاری میں ہے قریش نے حضورؐ سے بموقعہ قحط سالی دعاء کی درخواست کی۔ آپؐ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔ جو قبول ہوئی۔ خوب مینہ برسا۔ اور اہل مکہ کو قحط سے نجات ملی

ہجرت کے موقعہ پر سراقہ نے تعاقب کیا جب گھوڑا دھنس گیا۔ تو اس نے دعا کی درخوست کی۔ آپؐ نے دُعا کی تو اللہ نے اس کو مصیبت سے بچایا۔

کئی حدیثوں میں ہے مدینہ پاک میں قحط پڑا حضورؐ خطبہ دے رہے تھے اعرابی نے آکر کہا یا رسول اللہ مویشی

ہلاک ہو گئے، لوگ بھوکوں مر گئے۔ آپ خدا سے دعا مانگیں کہ ہم کو سیراب کرے۔ آپ نے دعا فرمائی اسی دن مینہ برسا آئندہ جمعہ تک مینہ برستا رہا۔ دوسرے جمعہ میں مکانات گرنے کی شکایت کر کے بارش رکنے کی دعا طلب کی گئی۔ آپ نے دعا کی۔ بارش رک گئی

آپ سے دعا و شفاعت حیات میں تھی بعد از وفات حشر تک نہیں

لیکن یہ سلسلہ آپ کی زندگی تک جاری رہا۔ جب دنیا سے رخصت ہوئے تو دیگر صالحین سے دعا منگوائی گئی۔ ایک دفعہ قحط پڑا حضرت عمرؓ نے فرمایا اللھم انا کنا نتوسل الیک بنبینا فتسقینا وانا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا (خدایا ہم پیغمبر کی زندگی میں تو ان کو وسیلہ دعا پکڑتے تھے تو تو ان کی دعا سے ہم کو ہم کو سیراب کرتا تھا اب ہم ان کے چچا کو دعا کے لئے وسیلہ لائے ہیں تو اب ان کی دعا سے ہم کو سیراب کر دے۔

فائدہ: بنبینا بمعنی بدعاء نبینا ہے اور بعم نبینا بمعنے بدعاء عم نبینا ہے کیونکہ بعض طرق میں آپ اور آپ کے چچا صاحب سے دعا کروانا اور ان کا دعا کرنا مذکور ہے بعض الاحادیث یفسر البعض

اسی طرح حضرت معاویہؓ نے یزید بن اسود جرشیؓ سے دعا کروائی اللھم نستسقی بیزید بن الاسود یا یزید ارفع یدیک فرفع یدیہ ودعا ودعا الناس حتی امطروا (حیاۃ الانسان ص ۳۲۹) یعنی اے اللہ! ہم یزید بن اسود کے ذریعے سے تجھ سے بارش مانگتے ہیں! اے یزید آپؓ ہاتھ اٹھائیے۔ یزید نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔ اور لوگوں نے بھی دعا کی۔ تو بارش ہو گئی۔ پس توسل بالاحیاء جائز ہے اور متوارث چلا آ رہا ہے اور اس پر جمیع مسلمین کا اجماع ہے

(۶) اللہ تعالیٰ کے نام کو عباد اللہ الصالحین (ملائکہ، انبیاء، اولیاء، صلحاء) میں سے کسی ایک کی طرف مضاف کر کے دعا مانگنا بھی جائز ہے یہ بھی ایک قسم کا وسیلہ ہے مثلاً اللھم رب جبرائیل ومیکائیل واسرافیل ومحمدؐ یا اللھم رب ابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ یا اللھم رب محمد وفاطمۃ وزینب ورقیۃ وام کلثوم ورب الحسن والحسین وامامۃ وعلی بن زینب وعبداللہ بن رقیۃ یا اللھم رب الشیخ عبدالقادر الجیلانی ورب اسمٰعیل الشہید ورب شاہ اسحٰق وغیرہم

پس وسیلہ کے چھ اقسام بالاتفاق بلاتردد جائز اور منصوص ہیں ان میں شرک و بدعت کا کوئی خطرہ نہیں

غیر مشروع وسیلے

اور غیر مشروع وسیلوں میں سے ایک یہ ہے کہ کسی نبی یا ولی کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر اللہ سے دعا کرنا یہ عقیدہ رکھ کر کہ اس بزرگ کی قبر کے پاس کھڑے ہونے سے دعا قبول ہوتی ہے۔ یہ بدعت و ناجائز ہے۔ کسی دلیل شرعی سے اس طرح دعا کرنا ثابت نہیں ہے

(۲) کسی نبی یا ولی کی قبر پر کھڑے ہو کر اس کو پکار کر کہنا یا سیدی فلاں ادع اللہ لی اے فلاں بزرگ میرے لئے خدا سے دعا کر یہ بھی ناجائز و بدعت ہے

(۳) کسی نبی ولی کی قبر پہ کھڑا ہو کر اس کو پکار کر کہنا اے فلاں بزرگ میرے فلاں عزیز کو شفا دے اور میری مصیبت دور کر۔ یہ شرک جلی ہے غیر اللہ کو پکارنا، اس سے مدد لینا، حاجت روائی اور مشکل کشائی پر اس کو قادر تصور کرنا اور اس کا تقرب حاصل کرنا یہ عبادت غیر اللہ اور شرک ہے

(۴) کسی نبی، ولی، فرشتہ، جن کو کسی جگہ سے پکارنا اور اس سے حاجت مانگنا اور کہنا اے فلاں بزرگ ے فلاں میری حاجت پوری کر فلاں مصیبت دور کر مجھے اولاد دے میرا قرض اتار دے اور عقیدہ یہ ہو کہ یہ بزرگ میرے سوال کو سنتا ہے، میرا حال جانتا ہے، عالم الغیب ہے، قضائے حاجات پر قادر ہے جیسے جہلاء کہتے ہیں

امداد کن امداد کن از بندہ غم آزاد کن
در دین و دنیا شاد کن یا شیخ عبد القادرا

تو یہ صریح شرک ہے کیونکہ عالم الغیب والشہادۃ اور قادر مطلق بجز خدا کے کوئی نہیں اور جو کہے وہ مشرک ہے

(۵) کسی نبی یا ولی کو مخاطب کر کے کسی جگہ سے پکارنا کہ اے فلاں بزرگ آپ میرے لئے اللہ سے دعا کریں کہ فلاں حاجت پوری ہو یا مصیبت دور ہو تو یہ وسیلہ بھی بدعت ہے اور چونکہ دعا مانگنے والا اس بزرگ کو عالم الغیب اور سمیع الکل سمجھتا ہے تو شرک بھی ہوا

(۶) اللہ کو خطاب کر کے یہ دعا کرے اللھم بحق فلان اے اللہ فلاں بزرگ کے حق سے یہ میری حاجت

پوری کر یا فلاں بزرگ کی حرمت سے، یا فلاں بزرگ کے طفیل سے۔ یا فلاں ولی ہے میں اس کا وسیلہ لیتا ہوں، یا اللہ اس کے وسیلے سے میری مصیبت دور کر دے؛ یہ صورت بھی قرآن اور صحیح حدیث سے ثابت نہیں، نہ صحابہؓ کا اس پر تعامل تھا؛ بلکہ صحابہؓ کا اجماع ہے کہ وہ زندہ ہستیوں کی دعا کو وسیلہ بناتے رہے ہیں۔ کسی کی شخصیت کو وسیلہ نہیں بنایا۔ پس توسل بالاموات کے جملہ اقسام غیر شرعی ہیں

خبر اسالک بحق کا جواب

اور طبرانی کی حدیث اسالک بحق محمد الا غفرت لی اور دلائل النبوۃ للبیہقی کی یا رب اسالک بحق محمد الا غفرت لی یعنی اے رب میں تجھ سے بحق محمدؐ دعا کرتا ہوں کہ تو میرا گناہ بخش دے یہ حدیث ضعیف بلکہ تقریباً موضوع ہے اس کا راوی عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم ہے صیانۃ الانسان ص ۱۲۴ میں بحوالہ الصارم المنکی لکھا انہ حدیث غیر صحیح ولا ثابت بل ہو حدیث ضعیف الاسناد جدا بل حکم علیہ بعض الائمۃ بالوضع یعنی یہ حدیث نہ صحیح ہے نہ ثابت نہایت درجہ کی ضعیف ہے بعض ائمہ حدیث نے اس پر موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے؛ حاکم نے کتاب الضعفاء میں کہا "عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم روی عن ابیہ احادیث موضوعۃ" عبد الرحمٰن نے اپنے باپ سے موضوع حدیثیں روایت کی ہیں اور کہا ایسا راوی احد الکاذبین ہوتا ہے؛ مجمع الزوائد میں ہے طبرانی نے اوسط اور صغیر میں یہ لکھی ہے جس میں ایسے راوی ہیں جن کو میں پہچانتا ہی نہیں۔ امام احمد بن حنبل ابو زرعہ ابو حاتم نسائی دار قطنی ذہبی یحییٰ ترمذی وغیرہم نے اسے ضعیف اور متروک کہا

ابو حاتم ابن حبان نے کہا حدیث کو نادانستہ مقلوب کر دیا کرتا تھا چنانچہ بکثرت مرسل احادیث کو مرفوع کر دیا۔ یہ عبد الرحمٰن باتفاق محدثین ضعیف ہے بہت غلطیاں کرتا ہے۔

فتویٰ حضرت مفتی اعظم ہند رحمہ اللہ تعالیٰ

سوال: اگر کوئی اللہ تعالیٰ سے مدد مانگے اور یہ کہے کہ بحق النبی وآلہ الامجاد کیا یہ جائز ہے؟

جواب: بحق النبی وآلہ الامجاد کہنا منع ہے؛

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی ج ۲ ص ۵۶)

ترمذیؒ کی حدیث پر بحث

ابوجعفر۔ رازی۔ خطمی۔ مدائنی

ترمذی ج ۲ ص ۱۹۷

اور یہ جو مشکوٰۃ میں ہے کہ نابینا کو دعا کا طریقہ سکھلایا گیا جس میں حضورؐ کے وسیلہ کا ذکر ہے اولاً تو اس کا راوی ابوجعفر ہے اگر وہ عیسیٰ بن ابی عیسیٰ ماہان ابوجعفر رازی تمیمی ہے تو باتفاق اکثر ائمہ ضعیف ہے احمد ونسائی نے کہا لیس بالقوی فلاں نے کہا سیئ الحفظ ہے ابو زرعہ نے کہا بہت وہمی ہے ابن حجر نے کہا سیئ الحفظ ہے۔ ابن حبان نے کہا مشاہیر ائمہ سے منکر روایتوں کے ساتھ منفرد ہے ابن مدینی نے کہا کہ وہ خطا کرتا ہے اور اگر یہ ابوجعفر مدنی ہے جیسے ابن ماجہ میں ہے تو وہ مجہول ہے۔ میزان میں ہے کہ اس سے صرف یحییٰ بن کثیر ہی روایت کرتا ہے اور متنازع فیہ حدیث میں شعبہ ہے جس سے اس کی روایت معروف نہیں ہے ثانیاً یہ نہ تو وسیلہ بالذات ہے نہ وسیلہ بالاموات ہے بلکہ وسیلہ بدعاء الاحیاء ہے۔ اور بدعاء ہونے کا ثبوت جیسے صیانۃ الانسان ص ۲۰۶ میں ہے فالمراد بقولہ بنبیک بدعاء نبیک وشفاعتہ بل ہو متعین بدلیل قول الضریر ادع اللہ ان یعافینی وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم ان شئت دعوت وقولہ فی الدعاء اللہم فشفعہ فیّ " یہ ہے کہ نابینا نے آپ سے یہ درخواست کی تھی کہ آپ اللہ سے میری آنکھوں کی عافیت کی دعا کیجئے پھر آپ نے اس کو دعا کرانے یا صبر کرنے کا اختیار دیا تو اس نے فادعہ کہہ کر دعا کو منظور کیا۔ تب آپؐ نے اس کو وضو اور نماز حاجت کا طریقہ بتا کر دعا سکھلائی کہ یوں دعا کر پھر آخر میں اس نے کہا کہ یا اللہ! میرے بارے میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش قبول فرما۔ تب اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور اس کی آنکھ درست ہو گئی

اس حدیث میں یہ جملے صاف قرینہ ہیں دعاء نبیؐ کے پھر اس کو محض وسیلۂ ذات پر محمول کرنا محض تحکم ہے۔ حضرت تھانویؒ نے بھی نشر الطیب کی ۳۰۸ فصل میں عثمان بن حنیف کی روایت کا ترجمہ یوں لکھا " عرض کیا دعا کیجئے اللہ تعالیٰ مجھ کو عافیت دے...... اگر تو چاہے تو دعا کر دوں..... اس نے عرض کیا کہ دعا ہی کیجئے آپ نے اس کو حکم دیا یہ دعا کرے اے اللہ! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں اور

آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں بوسیلہ محمد ﷺ نبی رحمت کے۔ اے محمد! میں آپ کے وسیلہ سے اپنی اس حاجت میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا ہوں تاکہ وہ پوری ہو جائے اے اللہ! آپ کی شفاعت میرے حق میں قبول کیجئے

عبارت کا سیاق و سباق اور دعاء کا ذکر اور آخر دعا میں آپ کی شفاعت کا ذکر صریح دال ہیں اس امر پر کہ آپ ﷺ نے دعا فرمائی اور اس کی عافیت کی سفارش فرمائی چنانچہ تنقیح الرواۃ بتخریج احادیث المشکوۃ ص ۱۰۸ میں ہے قال ابن حجر المکی سال اولاً باذن اللہ لنبیہ ان یشفع لہ ثم اقبل علی النبی ﷺ ملتمساً ان یشفع لہ ثم کرر مقبلاً علی اللہ ان یقبل شفاعتہ قائلاً فشفعہ فی اے فی حقی یعنی ابن حجر مکیؒ نے کہا کہ سائل ضریر نے اول تو اللہ تعالیٰ سے اذن مانگا کہ وہ نبی کو سفارش کرنے کی اجازت عطا فرمائے (کیونکہ بغیر اذن الٰہی شفاعت درست نہیں) پھر نبی ﷺ کی طرف دعا میں متوجہ ہوا تاکہ آپ ﷺ اس کیلئے سفارش کریں (آپ سفارش کرنے لگے۔ آپ کسی کی درخواست رد نہیں فرماتے تھے) پھر مکرر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر یہ عرض کرنے لگا کہ اے خداوندا! اپنے نبی ﷺ کی سفارش صحت میرے حق میں قبول فرما۔ ابن حجر نے شفاعت و دعا نبی ﷺ کو واضح فرما دیا

نیز بیہقی میں دعاء کے یہ الفاظ ہیں یا محمد انی اتوجہ بک الی ربی فی حاجتی ہذہ فیقضیہا لی اللہم فشفعہ فی واشفعنی فیہ قال فقام وقد بصر یعنی اے محمد! میں سفارش کے لئے آپ ﷺ کو اپنے رب کے حضور میں پیش کرتا ہوں تاکہ وہ میری حاجت کو پورا کرے۔ یا الٰہی جو سفارش وہ (محمد ﷺ) میرے لئے کر رہے ہیں وہ قبول فرما اور میں جو سفارش ان کیلئے (قبولیت دعا کی) کر رہا ہوں وہ بھی قبول فرما۔ راوی نے کہا وہ بینا ہو کر کھڑا ہو گیا

یہ عبارت مسئلہ متنازع فیہا کو واضح کر رہی ہے کہ نابینا نے بھی دعا کی۔ اور حضور ﷺ نے بھی سفارش فرمائی جو قبول ہوئی اور نابینا بینا ہو گیا؛

پھر دوسری روایت جس میں بعد از وفات کا ذکر ہے اس میں آخری جملہ حذف کر کے دعا سکھلائی گئی کیونکہ حیات مبارکہ میں آپ ﷺ کا ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا، سفارش کرنا پایا جاتا ہے اور وفات کے بعد ممکن نہ تھا

اگر اس جملہ سے شفاعتِ قیامت مراد ہوتی تو یہ جملہ بدستور قائم رکھا جاتا کیونکہ اس کی ضرورت ہر ایک کو تھی لیکن اس سے حضورؐ کا دعا و سفارش کرنا مراد تھا اس لئے بعد از وفات اس کو بے کار سمجھ کر حذف کیا گیا۔ پس یہ بھی صاف دلیل ہے کہ شفاعت سے مراد دعا صحت ہے جو آپؐ نے نابینا کیلئے کی تھی۔ قیامت کی سفارش مراد نہیں اور نہ اس کا کوئی قرینہ ہے

ثالثاً یہ کہ دعویٰ عام ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا توسل حیات میں اور بعد از وفات ہمیشہ دعاؤں میں جائز ہے اور دلیل میں خاص واقعہ پیش کیا حالانکہ خاص واقعہ میں عموم نہیں ہوتا۔ نیز اس حدیث میں صرف دعا کرنے اور کرانے کا ذکر ہے جو بعد از وفات ناممکن ہے۔ نیز ندا حاضر کیلئے ہے اور بعد از وفات ندا غائب کیلئے ہے جو منع ہے اور اُس وقت آپؐ حاضر تھے اپنے روبرو وضو نماز پڑھ کر دعا کروائی اور خود بھی دعا کی تھی۔ اور اب یہ نہیں ہوسکتا کیونکہ شفیع سامنے موجود نہیں ہیں۔ نیز بعد از وفات وسیلہ کرنا حضرت عمرؓ و معاویہؓ کے اجماعی تعامل کے خلاف ہے کہ انہوں نے بڑے بڑے مجمعوں میں (بمحضر الصحابہؓ) حضورؐ کو چھوڑ کر زندوں سے دعا کا وسیلہ لیا تھا؛ اگر بعد وفات آپؐ کا وسیلہ لینا جائز ہوتا تو جیسے آپؐ کی زندگی میں وسیلہ لیتے تھے بعد وفات بھی وسیلہ لیتے۔ مگر نہیں لیا کیونکہ وسیلہ دعا سے ہوتا ہے اور دعا کرانا ممکن نہیں اسلئے زندوں کی طرف رجوع کیا اور ان سے دعا منگوائی۔ جو قبول ہوئی۔ پس یہ طریقہ مشروع ہوا

حدیث عثمان بن حنیف دوسرے طریق سے بھی مروی ہے وہ بھی سنداً و متناً ناقابلِ استدلال ہے ایک تو اس کا راوی منفرد ہے ۔۲ ائمہ اہلِ سنن کا اس حدیث سے اعراض ۔۳ اضطراب لفظی کی وجہ سے ائمہ اہل سنت و جماعت کا اس کو قبول نہ کرنا ۔۴ رواۃِ حدیث کا استاذ روح سے منکر روایات نقل کرنا ۔۵ یہ فہم ہے عثمان بن حنیف کا جو دوسرے شخص کو انہوں نے دعاء مرفوعہ کا بعض حصہ سکھلایا اور دعا کا آخری حصہ جو شفاعت نبوی پر دال ہے ترک کر دیا ہے حالانکہ وہی فیصلہ کن ہے کہ حضورؐ کی محض ذات دعا میں وسیلہ نہ تھی بلکہ آپ کی شفاعت اور دعاء صحت تھی۔ ۶ نیز اجماعِ صحابہؓ کے خلاف ہے۔ نیز وہ طبقہ ثالثہ کی روایت ہے ۷ نیز موقوف ہے روح بن صلاح کو ابن حبان و حاکم نے گو ثقہ کہا مگر ابن عدی و ابن تیمیہ و ہیثمی نے مجمع الزوائد میں

اسے ضعیف کہا ہے نووی نے شرح مسلم ص ۱۲۱ میں کہا ان کا یعرف ضعفہ لم یحل لہ ان یحتج بہ فانہم متفقون علی انہ لا یحتج بالضعیف فی الاحکام .

اور یہ کہنا کہ ایسے ابواب میں ضعف راوی مضر نہیں اس میں بحث ہے کیونکہ عبادت یا عمل بغیر دلیل شرعی کے واجب، مستحب، مسنون وغیرہ نہیں ہو سکتا۔ ضعیف حدیث فضائل اعمال و ترغیب و ترہیب میں کام آسکتی ہے وہ بھی اس وقت کہ اصل حکم اور وہ عمل صحیح دلیل سے ثابت ہوں

لیکن یہاں یہ معاملہ نہیں۔ کیونکہ دعا میں وسیلہ بالاشخاص و وسیلہ بالذوات کا ثبوت نہیں۔ اگر توسل بالذات جائز ہوتا پھر کوئی حدیث ضعیف کسی دعا، یا شخص کے بارے میں مل جاتی تو مفید ہو سکتی تھی۔ مثلاً توسل بالاعمال قرآن و حدیث سے ثابت ہے اب کسی اسم الٰہی یا دعا یا کسی نفلی عبادت یا صدقہ وغیرہ کے متعلق کوئی ضعیف حدیث وارد ہو تو مقبول ہوگی

موجودہ صورت روضہ مطہرہ کی جیسی ہے ایسی صورت میں زائر کی بات نہیں سنتے

مواہب لدنیہ مع شرح از زرقانی میں ہے ویکثر من الصلوۃ والسلام علی رسول اللہ ﷺ بحضرتہ الشریفۃ حیث یسمعہ ویرد علیہ بان یقف بمکان قریب منہ ویرفع صوتہ الی حد لو کان حیا مخاطبا لسمعہ عادۃ وقال الزرقانی رحمہ والظاہر ان المراد بالعندیۃ قرب القبر بحیث یصدق علیہ عرفا انہ عندہ و بالبعد ما عداہ وان کان بالمسجد یعنی رسول خدا ﷺ پر صلوٰۃ و سلام قبر کے قریب کسی ایسے مقام پر کھڑے ہو کر پڑھے کہ رسول خدا ﷺ سن لیں اور جواب دیں اور آواز کو اس حد تک بلند کرے کہ اگر آپ وہاں زندہ مخاطب ہوتے تو وہاں سے عادۃً سن سکتے۔ زرقانی نے کہا کہ بظاہر مراد عند قبری سے جو من صلی علیّ عند قبری میں ہے قبر سے اتنا قریب مراد ہے کہ عرف عام میں اسے پاس ہونا کہہ سکیں۔ اور دور ہونے سے مراد ایسا دور ہونا ہے کہ اس کو عرف عام میں پاس نہ کہہ سکیں اگرچہ وہ مسجد میں ہو۔

آیئے اب غور کریں کہ حضور کا مدفن چھ پردوں کے اندر بلہے پھر اٹھارہ ہاتھ دور ہے کیا عادۃً اتنی دور باہر سے اندر بند مقام میں آواز جا سکتی ہے؟ انصاف سے بتائیں

پھر تبلیغ ملائکہ تو صلوٰۃ سلام کے بارے وارد ہے دوسری باتوں کے بارے کوئی حدیث نہیں

توسل بالنبیؐ بمعنی توسل بدعاء النبیؐ تھا - اصطلاح صحابہؓ - دلیل

اور توسل بالنبیؐ سے توسل بالذات سمجھنا غلط ہے یہ توسل بدعاء تھا چنانچہ صیانۃ الانسان ۱۸۰ میں ہے فان المراد بالتوسل بالنبی وبعم النبی فی ہذا القول (ای قول عمرؓ) ہو التوسل بدعاء النبیؐ وبدعاء عمہ لا غیر کما یدل علیہ صفۃ ما استسقی بہ النبیؐ وعمہ العباس فقد علم بذلک ان المراد بالتوسل بالنبیؐ فی عرف الصحابۃ ہو التوسل بدعاء النبیؐ یعنی قول عمرؓ کہ پہلے ہم حضورؐ کا وسیلہ لیا کرتے تھے اب ہم آپؐ کے چچاؓ کا وسیلہ لیتے ہیں اس میں وسیلہ آپؐ کی دعاء اور آپؐ کے چچاؓ کی دعاء سے وسیلہ لینا مراد ہے جیسا کہ استسقاء کی کیفیت اور صفت سے ظاہر ہے کہ نبیؐ و عباسؓ نے دعاء فرمائی تھی پس معلوم ہوا کہ عرف صحابہؓ میں توسل بالنبیؐ سے مراد توسل بدعاء النبی ہے (بحذف مضاف) اور کچھ نہیں

اور توسل بدعاء الصالحین بالاتفاق جائز ہے یہ وسیلہ تو خود نبی پاکؐ بھی لیا کرتے تھے حدیث میں ہے ان النبیؐ کان یستفتح بصعالیک المہاجرین یعنی نبی پاکؐ فقیر درویشوں (اصحاب صفہ) کے سبب سے فتح حاصل کیا کرتے تھے شراح نے لکھا ہے بدعائہم یعنی ان سے دعا کروایا کرتے تھے

نیز حدیث میں ہے ہل ترزقون وتنصرون الا بضعفائکم بصلوٰتہم ودعائہم یعنی تم میں ضعیفوں کی دعاؤں اور نمازوں کے سبب سے رزق دئے جاتے ہو

نیز حضورؐ نے فرمایا سلوا اللہ لی الوسیلۃ (میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ مانگو ـــ نیز حضرت عمرؓ نے حضورؐ سے عمرہ کرنے کی اجازت چاہی تو آپؐ نے اجازت دے کر فرمایا لا تنسنا یا اخی من دعائک اے میرے برادر خورد ہمیں دعاء سے فراموش نہ کرنا

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان کو اپنے مسلمان ایک یا کئی بھائیوں سے دعا کروانا جائز ہے اور فاضل مفضول سے اور افضل سے بھی دعا کروا سکتا ہے۔ لیکن محض ذات فاضل یا افضل کو دربار الٰہی میں وسیلہ بنانے کی دلیل نہ قرآن پاک میں ہے نہ صحیح احادیث میں۔

عہد نبوی میں وسیلہ لینے کی صورت

بخاری باب الاستسقاء: آپ سے دعا منگوائی جاتی تھی۔ آپ دعا کرتے۔ بارش ہو جاتی تھی۔

مکہ کی قحط سالی کے موقعہ پر ابوسفیان آکر کہنے لگا یا محمد انک تامر بطاعۃ اللہ وبصلۃ الرحم وان قومک قد ہلکوا فادع اللہ لہم اے محمد تم تو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور صلہ رحمی کا حکم کرتے ہو اور تمہاری قوم قحط سے مر رہی ہے ان کے لئے دعا کرو۔ آپ نے دعا فرمائی تو بارش ہو گئی۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ کبھی میں ایک شاعر (ابوطالب) کا یہ شعر یاد کرتا تھا ؎

وابیض یستسقی الغمام بوجہہ ؎ ثمال الیتامی عصمۃ للارامل

وانا انظر الی وجہ النبی یستسقی فما ینزل حتی یجیش کل میزاب۔ میں حضورؐ کے چہرہ مبارک کو دیکھتا آپؐ منبر پہ دعا فرماتے۔ پھر منبر سے اترتے بھی نہ تھے کہ بارش ہو جاتی۔

صیانۃ الانسان ص ۱۰۶ میں بحوالہ الصارم المنکی لکھا ہے وبمامات النبی م توسلوا بدعاء العباس واستسقوا بہ یعنی جب نبی پاک رحلت فرما گئے تو صحابہ کرامؓ حضرت عباسؓ کی دعا سے وسیلہ لیتے تھے۔ اور آپؓ کی دعا کے سبب سے بارش طلب کرتے تھے۔

حافظ ابن حجرؒ کی تشریح

ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ان العباس لما استسقیٰ بہ قال اللھم انہ لم ینزل بلاء الا بذنب ولم یکشف الا بتوبۃ وقد توجہ القوم بی الیک لمکانی من نبیک وہذہ ایدینا الیک بالذنوب ونواصینا الیک بالتوبۃ فاسقنا الغیث؛ فارخت السماء مثل الجبال حتی اخصبت الارض وعاش الناس یعنی جب حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کے ذریعے سے بارش مانگی تو حضرت عباسؓ نے یوں دعا کی کہ اے اللہ! مصیبت گناہ کے بغیر نازل نہیں ہوتی اور وہ توبہ کے بغیر دور نہیں ہوتی اور مجھے تیرے نبیؐ کے قائم مقام جان کر قوم میرے ذریعہ تیری طرف متوجہ ہوئی ہے یہ ہمارے گناہ بھرے ہاتھ تیرے حضور میں حاضر ہیں اور توبہ کیلئے ہماری پیشانیاں جھکی ہوئی ہیں پس ہم پر مینہ برسا دے۔ پس پہاڑوں کی طرح بادل اٹھے اور انہوں نے

خدا کے حکم سے زمین کو سرسبز کر دیا اور لوگوں کو زندگی حاصل ہوئی۔

اس سے کسی صالح (نبی یا ولی) سے اس کی حیات میں دعاء کرانا اور ان کی دعاء کا توسل اختیار کرنا نافع اور مفید ثابت ہوا؛ نیز معلوم ہوا کہ توسل میں ضروری ہے کہ توسل کیا گیا اور توسل کرنے والا دونوں دعا کرنے والے ہوں اور دعاء و شفاعت میں اللہ سے قبولیت چاہنے والے ہوں کسی شخص کا صرف کسی ذات فاضلہ کا نام لے کر کوئی چیز طلب کرنا جس میں متوسل بہ دعاء نہ کرتا ہو تو یہ جائز نہیں۔

توسل بالاموات ممنوع ہے قول فاروق اعظم اس پر دال ہے

نیز حضرت عمرؓ کے فرمان (انا کنا نتوسل .....) سے معلوم ہو گیا کہ توسل بالاحیاء مشروع ہے اور توسل بالاموات نامشروع ہے۔ ورنہ حضرت عمرؓ و تمام صحابہؓ کی جماعت توسل بالرسول سے توسل بالعباس کی طرف ہرگز رجوع نہ کرتے اور یوں خطبہ نہ دیتے جیسے نیل الاوطار میں ہے فقال ان رسول اللہ صلعم کان یری للعباس ما یری الولد للوالد فاقتدوا ایہا الناس برسول اللہ صلعم فی عمہ العباس واتخذوہ وسیلۃ الی اللہ (ج ۴ ص ۷) یعنی حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ رسول خدا حضرت عباسؓ کا اسی طرح مرتبہ سمجھتے تھے جس طرح بیٹا اپنے باپ کا مرتبہ سمجھتا ہے تم بھی اے لوگو! ان چچا کے بارے میں انہی کی اقتداء کرو اور آپ کے چچا ہی کو خدا تعالیٰ کی طرف وسیلہ بناؤ (یعنی چچا کی دعاء کو)

تحقیق شیخ الاسلام ابن تیمیہ رح

ص

ترمذی نے حسن صحیح غریب کہا صرف ابی جعفر سے معروف ہے یہ ابو جعفر خطمی نہیں۔ لیکن (الوسیلہ ص ۱۵۵) ابن تیمیہؒ نے فرمایا تمام علماء اس کے خلاف ہیں کہ ابو جعفر خطمی ہی درست ہے۔ نیز ترمذی اور اس کے ساتھیوں نے اور علماء کی طرح حدیث کے تمام الفاظ کا احاطہ نہیں کیا بلکہ اسے صرف اللہم شفعہ فی تک روایت کیا ہے حدثنا محمود بن غیلان ثنا عثمان بن عمر ثنا شعبۃ عن ابی جعفر عن عمارۃ بن خزیمۃ بن ثابت عن عثمان بن حنیف ان رجلا ضریر البصر اتی النبی صلعم فقال ادع اللہ ان یعافینی قال ان شئت صبرت فہو خیر لک قال فادعہ قال فامرہ ان یتوضأ فیحسن وضوءہ ویدعو بہذا الدعاء اللہم انی اسألک واتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ یا محمد انی توجہت بک الی

ربی فی حاجتی ہذہ لتقضی اللھم شفعہ فی"۔ بیہقی نے کہا ہم نے کتاب الدعوات میں باسناد صحیح روح بن عبادۃ عن
من شعبہ عن ابی جعفر نیز حماد عن سلمہ عن ابی جعفر الخطمی سے روایت کیا۔ نیز احمد نے مسند میں کہا حدثنا روح بن
عبادۃ ثنا شعبہ عن ابی جعفر المدینی سمعت عمارۃ بن خزیمہ بن ثابت یحدث عن عثمان بن حنیف ان رجلا ضریرا اتو
نیز بیہقی نے شبیب بن سعید الحنظلی کے طریق سے عن روح بن القاسم عن ابی جعفر المدینی وہو الخطمی عن ابی امامۃ
سہل بن حنیف بن عثمان بن حنیف قد سمعت رسول اللہ وجاءہ رجل ضریر الخ تو شبیب کی روح وابی جعفر
خطمی کی روایت شعبہ وحماد بن سلمہ کی روایت سے سنداً ومتناً مختلف ہے کیونکہ اس میں ہے کہ ابو جعفر نے عمارۃ
بن خزیمہ سے روایت کی اور اس میں ہے کہ ابو امامہ سہل سے روایت کی نیز اس میں ہے فشفعہ فی وشفعنی فیہ اور
اس میں ہے وشفعنی فی نفسی پھر اس اسناد کا ہشام الدستوائی عن ابی جعفر سے ایک اور شاہد بھی موجود ہے۔

اور بیہقی نے اسمٰعیل بن شبیب بن سعید الحنظلی عن شبیب بن سعید عن روح بن القاسم عن ابی جعفر المدینی عن
ابی امامۃ سہل بن حنیف الخ بڑا عجیب غریب قصہ بیان کیا جو ترمذی ونسائی وابن ماجہ نے نہیں بتایا

مستدرک حاکم میں دو طریق سے یہ روایت بیان ہے

یہی بات تھی جو علی سبیل الاختصار ندائے حق طبع اول میں لکھی تھی جس کے جواب سے تاحال ہم محروم ہیں
لہٰذا دوبارہ اس کا اعادہ کیا جاتا ہے

صاحب تسکین کا وہم اور اس کا ازالہ

صاحب تسکین نے ص۲۳۱ ط۱ تا ص۲۳۴ ط۱ ترمذی میں آئی ہوئی حدیث دال بر جواز توسل کی تصحیح پر زور دیتے
ہوئے ابو جعفر نام کے تین آدمیوں (خطمی، رازی، مدائنی) میں سے مدنی بنانے پر زور دیا تاکہ حدیث کی صحت کا
حکم لگایا جا سکے

ہمارے ہاتھوں میں ترمذی شریف کے جو نسخے ہیں ان تمام میں یہی لفظ لکھا ہوا ہے ھو غیر الخطمی ابن حجرؒ۔
صاحب جیسے نقاد عالم محدث وسیع النظر اور ماہر اسماء الرجال بھی تہذیب التہذیب میں یہی لکھتے ہیں کہ ترمذی میں
یہی لفظ ہیں ھو غیر الخطمی۔ اور رئیس المحققین حضرت شیخنا ومرشدنا حسین علی علیہ الرحمۃ نے بھی غیر خطمی ہی فرمایا اور

محمد بشیر سہسوانیؒ بھی اپنی تحقیق میں غیر خطمی ہی پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے پاس ترمذی کا جو نسخہ موجود تھا اسمیں بھی یہی لفظ تھے اسی واسطے قاعدہ جلیلہ ۹۵ میں فرماتے ہیں۔ وقال الترمذی هٰذا حدیث حسن صحیح غریب لا یعرف الا من هٰذا الوجه من حدیث ابی جعفر وهو غیر الخطمی هٰکذا وقع فی الترمذی۔ دیوبند، گنگوہ، دہلی، سہارنپور وغیرہ مدارس میں مدت سے ترمذی کا درس جاری ہے محققین ماہرین محدثین ترمذی کے اس مقام پر پہنچتے ہیں یہاں سیر حاصل بحث کرتے ہیں کسی نے نہیں کہا کہ ترمذی کا یہ نسخہ غلط ہے صحیح نسخہ وہ ہے جسمیں غیر کا لفظ نہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ترمذی سے اور جگہوں میں جیسے تساہل واقع ہوا ہے یہاں بھی تساہل ہو گیا ہو یہ کوئی بعید امر نہیں مگر ایک نسخہ ترمذی کا جو قسمت سے صاحب تسکین کے ہاتھ آگیا ہے اُس میں غیر کا لفظ نہیں ہے وہ یا تو کاتب لکھنا بھول گیا ہے یا آپ جیسے مصحح نے بیہقی وغیرہ کے طرق کو سامنے رکھ کر غیر کا لفظ یہ سمجھ کر چھوڑ دیا ہو کہ دوسرے محدثین جو سب خطمی خطمی لکھ رہے ہیں ترمذی میں بھی خطمی ہی ہوگا اور یہاں غیر کا لفظ غلط ہے اسلئے اس نے غیر کا لفظ اُڑا دیا اور چھاپ دیا اور وہی نسخہ آپ کے پاس پہنچ گیا۔ ورنہ ترمذی میں اصل الفاظ هو غیر الخطمی ہی کے ہیں۔ جس نسخے میں الخطمی ہے اس کا حوالہ تسکین الصدور ط ۲ ص ۲۴۱ میں دیا ہے کہ ترمذی جلد ۲ ص ۱۹۷ طبع مصر میں وہو الخطمی کا لفظ ہے۔ ہمارا اندازہ صحیح نکلا!

لیکن شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ ترمذی میں گو یہی ہے "وہو غیر الخطمی" مگر باقی علماء خطمی کہتے ہیں۔ پھر خطمی ہی کی تصویب فرمائی وسائر العلماء قالوا هو ابو جعفر الخطمی وهو الصواب (قاعدہ جلیلہ ۹۵)

پیر طریقتؒ کی تحقیق انیق

لیکن صاحب تسکین کے شیخ و مرشد حضرت مولانا حسین علیؒ فرماتے ہیں جنہوں نے خطمی کہا ہے یہ اُن کا نرا ظن ہے ظن بعضهم انه الخطمی رواه وهذا الحدیث البیهقیؒ والطبرانی وابن ماجه والترمذی واحمد فی مسنده وابن السنی فی عمل الیوم واللیلة ورواه ابو بکر بن ابی خیثمة فی تاریخه (بلغة الحیران ص ۳۴۳) شاید اسی وجہ سے وهو غیر الخطمی کا اضافہ ترمذی نے کیا تاکہ اُن کا رد ہو جائے

اگر یہ ابوجعفر مدنی ہی ہو جیسے ابن ماجہ کے نسخہ سقیمہ میں ہے تو وہ مجہول ہے جس کا شاگرد صرف یحیی بن ابی کثیر ہے (ذہبی) معلوم ہوا کہ ابوجعفر مدنی خطمی غلط ہے کیونکہ اس کا شاگرد یہاں شعبہ ہے نہ یحیی بن ابی کثیر (صیانۃ ص۱۲۶) اور تقریب میں جو لکھا ہے ابوجعفر مدنی انصاری مؤذن مقبول سو یہ تعدیل کے چھٹے درجے میں ہے جسکی حدیث حجت میں پیش نہیں ہو سکتی البتہ اعتبار کیلئے لکھی جا سکتی ہے (صیانۃ ص۱۲۶)

ہمارے شیخ مولانا حسین علیؒ نے مستدرک حاکم کے دو قلمی نسخوں میں سے تحریرات حدیث ص۲۵۳ میں متن حدیث باسنادِ ذیل نقل فرمایا۔ روی الحاکم فی مستدرکہ ص۲۷۰ فی باب صلوٰۃ التطوع حدثنا ابو العباس محمد بن یعقوب ثنا العباس بن محمد الدوری ثنا عثمان بن عمر ثنا شعبۃ عن ابی جعفر المدائنی قال سمعت عمارۃ بن خزیمۃ یحدث عن عثمان بن حنیف الخ...... ہذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین.... (روایۃ فی نسختین قلمیتین ۱۲ حضرت صاحب)

...... وفی المستدرک فی ص۵۲۹ فی باب الدعاء ثنا حمزۃ بن العباس العقبی ببغداد ثنا العباس بن محمد الدوری ثنا عون بن عمارۃ العنبری ثنا روح بن القاسم عن ابی جعفر الخطمی عن ابی امامۃ بن سہل بن حنیف عن عمہ عثمان بن حنیف انہ اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ...... اخبرنا ابو محمد عبد العزیز بن عبد الرحمن بن سہل الدباس بمکۃ من اصل کتابہ حدثنا ابو عبد اللہ محمد بن علی بن زید الصائغ ثنا احمد بن شبیب بن سعید الحبطی ثنی ابی عن روح بن القاسم عن ابی جعفر المدائنی وھو الخطمی عن ابی امامۃ بن سہل..... ہذا حدیث صحیح علی شرط البخاری ولم یخرجاہ........ قال حسین علی (بالحاء المہملۃ دون المعجمۃ ۱۲) (بالحاء المہملۃ)

اعلم یا اخی فی ابتداء صحیح المسلم ص۳ سطر اخیر فاما ما کان منہا عن قوم ہم عند اہل الحدیث متہمون او عند الاکثر منہم فلسنا نتشاغل بتخریج حدیثہم کعبد اللہ بن مسور ابی جعفر المدائنی وعمرو بن خالد و عبد القدوس الشامی ومحمد بن سعید المصلوب وغیاث بن ابراہیم وسلیمان بن عمرو ابی داؤد النخعی و اشباہہم ممن اتہم بوضع الاحادیث وتولید الاخبار وفی ص۱۶ سطر اخیر حدثنا عثمان بن ابی شیبۃ قال ثنا جریر عن رقبۃ ان ابا جعفر الہاشمی المدنی کان یضع احادیث حق ولیست من احادیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکان

یرویہا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم - فی النووی شرح المسلم ص ۲۱ ج ۲ واما ابوجعفر ھذا فھو عبد اللہ بن مسور المدائنی
ابوجعفر الذی تقدم فی اول الکتاب فی الضعفاء والواضعین قال البخاری فی تاریخہ ھو عبد اللہ بن مسور بن
وقد یسمی المدینی کما فی مسند احمد ۴ نسخہ قلمیہ
عون بن جعفر بن ابی طالب ابوجعفر القرشی الہاشمی وذکر کلام رقبۃ ھذا الکلام الذی ھہنا

ثم انہ وقع فی الاصول ۃ المدنی وفی بعضہا المدینی بزیادۃ یاء ولکن فی شیء منہا ۃ المدائنی ووقع فی
اول الکتاب المدائنی فالمدائنی والمدنی فنسبۃ الی مدینۃ النبی والقیاس مدنی بحذف الیاء ومن اثبتہا فھو
علی الاصل وروی ابوالفضل محمد بن طاھر المقدسی الامام الحافظ فی کتابہ کتاب الانساب المتفقۃ فی الخط
المماثلۃ فی النقط والضبط باسنادہ عن الامام ابی عبد اللہ البخاری انہ قال المدینی یعنی بالیاء ھو الذی اقام
بالمدینۃ ولم یفارقہا والمدنی الذی تحول منہا وکان منہا انتہی فثبت من ھذا ان اباجعفر المدنی وقد یسمی
اباجعفر المدائنی من الواضعین وھذا الحدیث قال الترمذی لانعرفہ من غیر ابی جعفر ولم یذکر
وقد یسمی مدینی کما فی مسند احمد ۴ نسخہ قلمیہ
البخاری ولا مسلم منہ حدیثا لما انہما ذکراہ من الواضعین فلم یصح قول الحاکم فی مستدرکہ ھذا الحدیث
صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ بل ثبت انہ من الواضع - فی کتاب المفرقۃ بین الاسلام والوثنیۃ
ابوجعفر ھذا ھو المدائنی الکذاب فی الجلد الرابع من مسند الامام احمد ص ۱۳۸ عن ابی جعفر المدینی -
فی الترمذی لانعرفہ من غیر ابی جعفر وھو غیر الخطمی فی التقریب لعلہ ابوجعفر الرازی فی النسائی ص ۲۰۰
ابوجعفر الرازی لیس بالقوی ۱۲ منہ رح وفی النسخۃ القلمیۃ ونقل کونہ وضعیا سیدنا الحاج دوست محمد
التی عند القاضی المحدث المفسر المتکلم الاصولی النظار شمس الدین گوجرانوالہ دامت مجدہ
لقند ھاری عن ابن الالوسی ای القصۃ التی نقلوا عن الطبرانی والبیہقی مع انہ کان عند مرقدہ الشریف
وفی حیاتہ ع فکان عند حضورہ وکان الداعی قاعدا عندہ

درمکتوبات حضرت حاجی دوست محمد قندھاری: ثم اعلم ان السید النعمان ابن الالوسی نقل عن البعض ان
قصۃ حدیث عثمان بن حنیف بعد وفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم ان امارات الوضع لائحۃ علیہ (جلاء العینین ص ۳۳۸)
یہ ابوجعفر خطمی نہیں .... عجب است کہ این حدیث کہ باوجود معجزۂ بینہ بودن او ہیچ یکے از صحابہ سوائے
عثمان بن حنیف روایت نیاوردہ واز رواۃ بجز ابوجعفر ہیچ کس روایت نکردہ پس اگر بر محمل صحیح کہ موافق

قرآن وحدیث وفقہ باشد حمل کردہ نہ شود چہ گونہ لائق اعتماد گردد (بلغۃ الحیران ص ۳۳۹) یعنی سید نعمان نے کہا یہ قصہ موضوع ہے۔ تعجب ہے کہ باوجود معجزہ بینہ ہونے کے سوائے ابن حنیف و ابوجعفر کے کوئی نہیں بتاتا

اضطراب متناً و سنداً

مندرجہ بالا تقریر سے آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ سندِ حدیث میں کس قدر گڈ مڈ اور اضطراب ہے جو ترمذی کی سُنیں تو کہتے ہیں کہ یہ ابوجعفر خطمی نہیں ہے پھر ترمذی کی بات سُن کر لوگ مختلف ہوئے بعض نے کہا ممکن ہے کہ ابوجعفر رازی ہو اور بعض نے کہا مدائنی ہوگا۔ شعبہ کو دیکھتے ہیں تو کبھی ابوجعفر مدنی کہتا ہے کبھی مدنی کہتا ہے کبھی مدائنی، جو بیہقی طبرانی ابن تیمیہ سے پوچھیں تو کہتے ہیں ٹھیک یہی ہے کہ یہ ابوجعفر خطمی ہے۔ جو مستدرک حاکم کو دیکھیں تو کہیں ابوجعفر خطمی ہے اور کہیں ابوجعفر مدائنی ہے

سند کے اضطراب کے ساتھ ساتھ متن میں بھی اضطراب ہے کہیں کہتے ہیں کہ حضورؐ نے اُس کو یہ دعا کہی کہ پڑھ اور کہیں کہتے ہیں کہ حضورؐ نے امر نہیں فرمایا تھا اس نے خود ہی یہ الفاظ کہے پھر ان الفاظ میں بھی نامعلوم کس طرح کا مضمون تھا کوئی کہے شَفِّعْهُ فِيَّ وَشَفِّعْنِي فِي نفسي اور کوئی کہے شَفِّعْهُ فِيَّ وَشَفِّعْنِي فِيهِ

اسی لئے ہمارے شیخ حضرت مولانا حسین علیؒ فرماتے ہیں:۔

وایضا فیہ اضطراب روی شعبۃ عن ابی جعفر المدنی او المدائنی عن عثمان بن حنیف وروی روح عن ابی جعفر المدائنی عن ابی امامۃ بن سہل بن حنیف عن عمہ عثمان بن حنیف وایضا فی لفاظہ اضطراب فی روایۃ احمد بن شبیب عن روح انہ قال اللھم انی اسئلک ولیس فیہ انہ علیہ السلام امرہ وفی روایۃ روح شَفِّعْهُ فِيَّ وَشَفِّعْنِي فِي نفسي وفی روایۃ شَفِّعْهُ فِيَّ وشفعنی فیہ (التحریرات حدیث ۲۵۲)

اضطراب کی ایک اور صورت

کسی میں یہ الفاظ وان کانت حاجۃ فعل مثل ذلک زائد ہیں اور کسی میں یہ الفاظ نہیں گویہ الفاظ مدرج

راوی (عثمان) رفع اضطراب کیلئے قرار دیئے گئے ہیں بہر حال اختلافِ الفاظ بہت ہے اور بہت کچھ جھمیلا ہے۔ اسی لئے ہمارے شیخ حضرت مولنا حسین علیؒ فرماتے ہیں فبالجملۃ جاء نھی الدعاء عن الغیر غائبا فی الخمسین سورۃ فکیف یقابل بھذا الحدیث الموھوم ثبوتہ الموھوم معناہ الذی یریدون بہ (نقلتہ من تسکین القلوب ص۴۳ لشیخ القراٰن والحدیث الفقیہ الاصولی النظار الشھیر فی الآفاق القاضی شمس الدین لا زالت شمس فیوضہ علینا بازغۃ)

امام ترمذیؒ اور اُن کا تساہل

اب رہا صاحب تسکین کا یہ سوال کہ اگر یہ ابوجعفر غیر خطمی ہوتا تو امام ترمذیؒ اس حدیث کو حسن صحیح غریب نہ کہتے امام ترمذی کا حدیث کو حسن صحیح غریب کہنا خود قرینہ ہے اس امر کا کہ یہ ابوجعفر خطمی ہی ہے کیونکہ غیر خطمی کی روایت حسن صحیح نہیں کہلائی جا سکتی

سو اس کا جواب خود صاحب تسکین کی زبانی سنیں جو انہوں نے اپنی سابقہ تصانیف میں سے احسن الکلام میں دیا چنانچہ ص۲۳۴ میں فرماتے ہیں (امام ترمذی کی تحسین پر بحث کرتے ہوئے)

"علامہ ذہبیؒ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ اس مقام میں امام ترمذی نے اس حدیث کی تحسین کی ہے لیکن اچھا نہیں کیا (تہذیب التہذیب ص۱۲/۹) اسی طرح ابو غالب کی حدیث کی امام ترمذیؒ نے تصحیح کی ہے۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ امام النسائیؒ اسکو ضعیف کہتے ہیں اور ابن حبان کہتے ہیں کہ اس سے احتجاج ہی صحیح نہیں ہے (، ص۲۲) حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں کثیر بن عبداللہ کی حدیث پر امام احمدؒ نے قلم پھیر دیا تھا اور یہ فرماتے تھے کہ وہ محض ہیچ ہے لیکن امام ترمذی کبھی اس کی حدیث کی تصحیح کرتے ہیں اور کبھی تحسین (زاد المعاد ص۳۶۷/۱) مولنا شمس الحق صاحب لکھتے ہیں اس حدیث میں امام ترمذی کی تصحیح و تحسین پر کسی نے ان سے اتفاق نہیں کیا (تعلیق المغنی ص۲۲۲) شیخ الاسلام لکھتے ہیں محدثین امام ترمذی کی تصحیح پر اعتماد نہیں کرتے (فتح الملہم ص۴۴/۲) آثار متبوعہ میں (جو ایک غیر مقلد عالم کی تالیف ہے) لکھا ہے ـــــ رہی تصحیح و تحسین تو امام ترمذی اس میں متساہل ہیں (بحوالہ ازالۃ الاوہام مرتوبہ ص۸۱) مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں امام ترمذیؒ کی تحسین پر کوئی اعتبار نہیں کیونکہ وہ متساہل تھے

(تحفۃ الاحوذی ص۲۰۴ ج ۱ وص۲۲۰ ج ۱ وص۲۲۵ ج ۱ وص۳۷۶ ج ۳) وابکار المنن ص۲۰۱ وص۲۳۶) اور یہ عبارت ابکار ص۲۰۲ کی ہے اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں اگرچہ امام ترمذی نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے لیکن انکی تصحیح میں کلام ہے (ابکار المنن ص۵۴)"

یہ ہیں وہ ریمارکس جو صاحب تسکین نے اپنی پہلی تصنیف احسن الکلام میں امام ترمذی کے بارے دیئے ہیں۔ اور اب اس مقام میں وہ سب ریمارکس بالائے طاق رکھ دئے۔ یا وہ دفع الوقتی تھی غیر مقلدین کی تردید مقصود تھی؟ تو ترمذی کا تساہل بتا دیا۔ اب چونکہ اہل حق کی تردید مقصود ہے اسلئے ترمذی کی تصحیح وتحسین کا سہارا لے رہے ہیں اگرچہ اپنے شیخ ومرشد کی نوے سالہ تحقیق پر پانی پھر جائے ؂ چوں شتر مرغ شناس ایں نفس را ۔ نے کشد بار ونہ پرد بر ہوا۔

جناب من! یہ کوئی فروعی مسئلہ نہ تھا۔ اصولی مسئلہ تھا حضرت صاحب پنجاب کے نباض تھے ماہر طبیب تھے محقق اور مدقق اصولی مسائل خصوصاً توحید وسیلہ، سماع، آداب زیارت قبور کے مسائل میں انکی بے پناہ تحقیق تھی کہاں کہاں کے کتب خانوں میں جا جا کر مطالعہ کیا۔ پنجاب کے بڑے بڑے اژدہا مولویوں کے ساتھ مقابلے تھے اُن کے انوکھے انوکھے اعتراضات کے جواب دینے کیلئے بڑی محنت کی حافظہ غضب کا تھا اول سے آخر تک کتاب دیکھ جاتے تو اسکا خلاصہ سہل طریق سے ادا کرنے میں اپنی نظیر آپ ہی تھے۔ لوگ اگر ایک ورق پندرہ منٹ میں مطالعہ کرتے تو آپ صرف ایک منٹ میں نظر پھیر کر اُسکا خلاصہ آسان لفظوں میں ادا فرما دیتے۔

بہر حال اس مسئلہ کا چرچا پنجاب میں بہت تھا مخالفین عوام وعلماء مخالفت کرتے تھے حضرت صاحب مکمل تحقیق اور چھان بین اپنے اوپر فرض سمجھتے تھے تاکہ عوام کو تسلی ہو جائے اس لئے انہوں نے قلمی کتابوں اور پرانے نسخوں کیطرف مراجعت فرمائی وہاں سے تحقیق کر کے اپنی کتابوں میں لکھ دیں اور کچھ لکھوا دیں کچھ حصہ شائع ہو گیا اور کچھ حصہ ضائع ہو گیا۔ اور آپ زیر زمین دفن ہو گئے تحقیقات بھی ساتھ ہی دفن ہو گئیں اِنّا للہ وانا الیہ راجعون

بچپن میں جب میں انہی شریف قاضی، حمداللہ، صدرا پڑھا کرتا تھا حضرت صاحب ہر سال انہی تشریف لاتے اور تقریر فرماتے تھے مجھے خوب یاد ہے کہ آپ نے اسی حدیث کو موضوع فرمایا اور سمجھایا کہ "اس حدیث کا راوی ابو جعفر مدائنی ہے جو کذاب ہے مسلم کے مقدمہ میں لکھا ہے" اس وقت طالب علمی کے دور میں تھے کیا خبر تھی کہ ہمیں کن کن کے ساتھ سابقہ پڑیگا

زیادہ پوچھ گچھ نہیں کی لیکن یہ مسئلہ تو ہے اور پتھر پر لکیر کی طرح دل میں مضبوط ہے کہ حق یہی ہے۔ مگر آپ باوجود اس قدر محقق ہونے کے حضرت صاحب کا ساتھ کیوں چھوڑ گئے، معلوم ہوتا ہے

ع دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام × کشتی کسی کی پار ہو یا درمیان رہے

بہرحال جیسے اور مقامات میں تساہل امام ترمذیؒ صاحب تسکین کو بھی مسلّم ہے یہاں بھی صاحب تسکین کو امام ترمذیؒ کا تساہل تسلیم کر ہی لینا چاہیئے

ابن دحیہ نے تو صاف صاف کہا ہے کہ کئی موضوع حدیثوں کی تحسین ترمذیؒ نے اپنی کتاب میں کر ڈالی۔ قال ابن دحیہ فی "العلم المشھور" وکم حسّن الترمذی فی کتابہ من احادیث موضوعۃ واحادیث واھیۃ (ص ۲۱۷، ۲۱۸ نصب الرایۃ للزیلعی)

امام ترمذیؒ مجمع علی الضعف کی روایت بھی لے لیتے ہیں جیسے ولید بن محمد موقری کذاب، لایحتج بہ بحال، مجمع علی الضعف کی روایت ترمذی میں ہے۔ الولید بن محمد الموقری کذاب لایحتج بہ بحال قلت روی لہ الترمذی وابن ماجہ وان کان مجمعاً علی ضعفہ (تذکرۃ الموضوعات للفتنی ص ۳۰۲)

قال السخاوی وقسم منھم (المحدثین) متسمح کالترمذی والحاکم (صیانۃ ص ۱۲۳ وص ۱۲۵) اب نظائر دیکھیے

ترمذی ص ۱۲/۲ میں حدیث ہے جس میں ابوسلمہ راوی ہے عبدالرحمٰن بن عوف سے ترمذیؒ نے حدیث صحیح ہے حالانکہ ابوسلمہ کا عبدالرحمٰن سے سماع ثابت نہیں

۱۔ یزید بن ابی زیاد جو ردی الحفظ، ضعیف، کبار شیعہ میں سے تھا اسکی حدیث کو ص ۲۱/۱ میں صحیح حسن اور ص ۱۰/۲ میں حسن صحیح اور ص ۱۲۵/۲ میں حسن کہا

۲۔ محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نہایت ردی الحدیث ہے ص ۱۲۴/۱ میں اس کی حدیث کو صحیح کہا

۳۔ عاصم بن عبیداللہ بن عاصم بن عمرؓ منکر الحدیث، سیئ الحفظ، متروک، مغفل، غیر محتج بہ، متکلم فیہ اسکی حدیث کو حسن صحیح کہا ص ۱۳۰/۱

۵۔ عروہ سے شعبی کی کوئی روایت ہی نہیں (علی بن المدینی) مگر ترمذی نے ص ۱۳۱/۱ میں اس کی روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

۶۔ شریک کو ص ۱۲/۱ میں کثیر الغلط کہا اسی لئے اس کے تفرد کی وجہ سے "انا دار الحکمۃ وعلیٌّ بابھا" والی حدیث کو ص ۲۲۳/۲ میں منکر کہا لیکن ص ۴۴/۱ میں وہی شریک کثیر الغلط منفرد ہے اس کی بیان کردہ روایت کو غریب حسن کہہ دیا

۷۔ ابوالتیاح مجہول ہے اس کی حدیث کو ص ۲/۲۲ سطر ۱ میں حسن صحیح کہدیا۔

۸۔ عامر بن شقیق ضعیف راوی ہے اس کی حدیث کو ص ۱/۸ میں حسن صحیح کہدیا

۹۔ سلمہ بن الفضل ابرش قاضی رے کثیر الخطأ ہے اور حمید محمد بن اسحٰق مدلسین عنعنہ سے روایت کرتے ہیں اسکی حدیث کو ص ۱/۱۳ میں حسن غریب کہا۔

۱۰۔ عتاب بن اسید ۱۳ھ میں فوت ہوئے اور سعید بن مسیب ۱۵ھ میں پیدا ہوئے تو سعید کی روایت عتاب سے منقطع ہوگی مگر

امام ترمذی نے حسن غریب کہا تھا

۱۱۔ ابوقیس عبدالرحمٰن بن مروان اودی کوفی کو بیہقی، ثوری، ابن مہدی، احمد، ابن معین، علی بن مدینی، ابو حاتم، امام مسلم بن الحجاج نے منکر، لیس بحافظ، لیس بالقوی وغیرہ کہا مگر ترمذی نے ص ۱/۳۰ میں اسکی حدیث کو حسن صحیح کہا

۱۲۔ ص ۱/۱۲۳ میں شاذ روایت کو حسن صحیح کہا

۱۳۔ دراوردی (صدوق لہ اوہام) ایک حدیث ص ۱/۱۲۶ میں متفرد ہے مگر ترمذیؒ نے فرمایا حسنٌ غریبٌ صحیحٌ

۱۴۔ عبداللہ بن بریدہ کا اپنے باپ سے سماع ثابت نہیں اس کی حدیث کو ص ۲/۹۱ میں حسنٌ صحیحٌ غریبٌ کہا۔

۱۵۔ یونس بن عبید کا عطاء سے سماع ثابت نہیں اس کی حدیث کو ص ۱/۱۶۷ میں حسن صحیح غریب کہا

۱۶۔ محمد بن الحسن بن ابی یزید الہمدانی کذاب راوی کی حدیث کو حسن غریبؒ کہا ص ۲/۳۳

۱۷۔ علی بن زید سیّئ الحفظ کو (کی حدیث) ص ۱/۱۳۸ میں "صحیحؒ" کہا ص ۱/۱۳۸

۱۸۔ عبدالملک بن عمیر مختلط اور متغیر الحفظ راوی کی حدیث کو ص ۲/۶۳ میں حسن صحیح غریب کہا

۱۹۔ ابوظلال لیس بثقہ۔ لین الحدیث، لیس بالقوی لایجوز الاحتجاج بہ یجالِ یروی عن انس مالیس من حدیثہ، لایتابعُ علیہ الثقات) کی انس سے ص ۲/۶۶ میں روایت کر کے حسن صحیح غریب کہا

۲۰۔ عمر بن علی المقدمی شدید مدلس کی روایت بواسطہ عن کو حسن صحیح غریب کہا ص ۲/۹۷ (طوالت کی وجہ سے ہی قناعت کیجئے) مشت نمونہ از خروارے تصویر کا دوسرا رُخ بھی دیکھتے جائیے

۲۱۔ ص ۲/۹۵ لا الفین احدکم متکئاً علی اریکتہ میں کوئی راوی قلیل الحفظ نہیں اُسے حسنؒ کہا (رواۃ سب ثقہ ثبت عادل اور ضابط متقن ہیں)

الغرض ترمذیؒ کی تصحیح و تحسین کا کوئی اعتبار نہیں جب ہمیں وثوق سے معلوم ہو گیا کہ راوی ابو جعفر رازی ہے اگر بالفرض نہ بھی ہو تو شک تو پڑ گیا کون حلفیہ واللہ باللہ تاللہ کہہ کے یہ بتا سکتا ہے کہ یہ ابو جعفر خطمی ہی ہے دوسرا نہیں ہے اور قاعدہ ہے دَعْ مَا یُرِیْبُکَ اِلٰی مَا لَا یُرِیْبُکَ۔ اور پھر حضرت صاحب کے فرمان کے موجب جب پچاس سورتیں غیر اللہ کو غائبانہ پکارنے سے منع کر رہی ہیں تو اتنی نصوص قطعیہ یقینیہ قرآنیہ کو چھوڑ کر ایک موہوم الثبوت، موہوم المعانی مضطرب المتن والاسناد کیساتھ اندھا دھند کورانہ تقلیدانہ تمسک کونسی عقلمندی ہے ؟

اِس حدیث کے وضعی ہونے کی ایک اور دلیل

یَا مُحَمَّدُ

قاعدہ جلیلہ ۸۸ میں ترمذی و نسائی سے اور ۸۹ میں بیہقی سے اور ۸۹ میں مسند احمد و بیہقی سے پھر ۹۰ میں بیہقی سے پھر ۹۱ میں ابن السنی کی کتاب عمل الیوم واللیلہ سے اور مسند حاکم سے اور ۹۳ میں طبرانی سے اور ۹۳ میں تاریخ ابی بکر بن خیثمہ سے توسل کی دعا کے جتنے آثار نقل کئے ہیں سب میں "یَا مُحَمَّدُ" کا لفظ موجود ہے حالانکہ قرآن مجید میں "یَا مُحَمَّدُ" کہہ کر پکارنے کی ممانعت آچکی ہے اور نہ ہی کسی صحابی نے بعد از اسلام و تعلّم آداب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یَا مُحَمَّدُ کہہ کر پکارا ہاں قبل از تعلّم آداب کسی صحابی نے کہا ہو تو اور بات ہے جیسے (مشکوٰۃ شریف ص ۳۴۳) ثمامہ نے بحالت کفر بھی حضرتؐ کو نام سے پکارا اور بعد از اسلام قبل از تعلّم آداب بھی یا محمد کہا پھر آداب سیکھ چکنے کے بعد "یَا رَسُوْلَ اللہ" کہہ کر پکارا اور جبریلؑ اور دیگر فرشتے اس حکم سے مستثنیٰ ہیں اور اللہ تعالیٰ خود حاکم علی الاطلاق ہیں۔

اللہ پاک نے قرآن مجید میں فرمایا۔ لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَاءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا یہ آیت آئیہ کئی معانی کو جامع ہے جن میں سے ایک معنے یہ ہے کہ جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو نام سے پکارتے ہو ایسے حضرتؐ کو مت پکارو

لا تجعلوا تسمیتہ ونداءہ بینکم کما یسمی بعضکم بعضا ویناد یہ باسمہ الذی سماہ بہ ابواہ فلا تقولوا یا محمد ولکن یا نبی اللہ یا رسول مع التوقیر والتعظیم والصوت المخفوض (مدارک پ ۱۸) ای لا تدعوا الرسول باسمہ

يا محمد كدعاء بعضكم بعضا باسمه ولكن عظموه ووقروه وشرفوه وقولوا له يا نبي الله ويا رسول الله ويا ابا القاسم (تنوير المقياس پ ١٨) وقيل معناه لا تدعوه باسمه كما يدعو بعضكم بعضا يا محمد يا عبد الله ولكن فخموه وعظموه وشرفوه وقولوا يا نبي الله يا رسول الله في لين وتواضع (خازن پ ١٨) وقيل لا تجعلوا نداءه وتسميته كنداء بعضكم بعضا باسمه ورفع الصوت به والنداء وراء الحجرة ولكن بلقبه المعظم مثل يا نبي الله يا رسول الله مع التوقير والتواضع وخفض الصوت الخ (بيضاوي پ ١٨) لا تجعلوا دعاء الرسول بينكم كدعاء بعضكم بعضا بان تقولوا يا محمد بل قولوا يا نبي الله ويا رسول الله في لين وتواضع وخفض صوت (جلالين) بمعنى لا تنادوه باسمه فتقولوا يا محمد ولا بكنيته فتقولوا يا ابا القاسم بل نادوه وخاطبوه بالتعظيم والتكريم والتوقير بان تقولوا يا رسول الله يا نبي الله يا امام المرسلين يا رسول رب العلمين يا خاتم النبيين وغير ذلك ويستفيد من الآية انه لا يجوز نداء النبي بغير ما يفيد التعظيم لا في حياته ولا بعد وفاته فبهذا يعلم ان من استخف بجنابه صلى الله عليه وسلم فهو كافر ملعون في الدنيا والآخرة (صاوي ص ١٤٣ ج ٣)

قال الضحاك عن ابن عباس كانوا يقولون يا محمد يا ابا القاسم فنهاهم الله عز وجل عن ذلك اعظاما لنبيه صلى الله عليه وسلم قال فقولوا يا نبي الله يا رسول الله وهكذا قال مجاهد وسعيد بن جبير وقال قتادة امر الله ان يهاب نبيه صلى الله عليه وسلم وان يبجل وان يعظم وان يسود وقال مقاتل في قوله لا تجعلوا دعاء الرسول بينكم كدعاء بعضكم بعضا يقول لا تسموه اذا دعوتموه يا محمد ولا تقولوا يا ابن عبد الله ولكن شرفوه فقولوا يا نبي الله يا رسول الله الخ (ابن كثير ص ١٥٢ پ ١٨) وقال مجاهد وقتادة لا تدعوه باسمه كما يدعو بعضكم بعضا يا محمد يا ابن عبد الله ولكن فخموه وشرفوه فقولوا يا نبي الله يا رسول الله في لين وتواضع (بغوي) ومثله في تفسير ابن جرير ص ١٣٣ پ ١٨) وعن سعيد بن جبير لا تنادوه باسمه ولا تقولوا يا محمد ولكن يا نبي الله ويا رسول الله مع التوقير والتعظيم والصوت المنخفض (نيسابوري پ ١٨) اخرج ابن ابي حاتم وابن مردويه وابو نعيم في الدلائل عن ابن عباس قال كانوا يقولون يا محمد يا ابا القاسم فنهاهم الله تعالى عن ذلك بقوله سبحانه لا تجعلوا الآية اعظاما لنبيه صلى الله عليه وسلم فقالوا يا نبي الله يا رسول الله وروي نحو هذا عن قتادة والحسن وسعيد بن جبير ومجاهد وفي احكام القرآن للسيوطي ان في هذا النهي تحريم ندائه صلى الله عليه وسلم باسمه والظاهر استمرار ذلك بعد وفاته الى الآن (ص ٢٠٣ پ ١٨ روح المعاني)

وانظروا غير ذلك من التفاسير

بہرحال کسی حدیث کی کتاب میں کسی صحابی کا حضورؐ کو یا محمدؐ سے پکارنا بعد تعلیم آداب ثابت نہیں ہاں یہود، عیسائی، اعرابی اور مشرک سب حضرتؐ کو **یا محمد** کہہ کے پکارتے تھے۔ مشکوٰۃ شریف ص ۱۳۶ ج ۱ و ص ۵۲۵ و ص ۵۳۵ ج ۲ و ص ۴۸۲ و ص ۳۴۳ میں قول یہود اور ص ۲۵۶ و ص ۳۴۲ و ص ۳۰۹ ج ۲ میں قول مشرک اور ص ۳۳۹ میں قول اعرابی اور ص ۳۰۰ میں قول خارجی اور ترمذی ص ۱۳۲ ج ۱ و ص ۱۷۳ ج ۲ و ص ۱۶۸ ج ۲ میں قول یہود۔ کفر کی حالت میں ابوسفیان کا یا محمد کہنا مسلم ص ۱۰۲ ج ۲، ورقوا سراقہ بن مالک کا بحالۃ کفر یا محمد مسلم ص ۴۱۹ یا ابا القاسم قول ابن صیاد مسلم ص ۳۹۹ ج ۲ و مشرکہ کا قول یا محمد مسلم ص ۱۰۹ کافر کا قول یا محمد مسلم ص ۴۲ ج ۲ و ص ۹۳ یا ابا القاسم قول حبر الیہود مسلم ص ۳۷ قول اعرابی یا محمد مسلم ص ۳۴ ج ۲ و ص ۳۴ ج ۲ و ص ۳۰ ج ۲ و ص ۳۴۰ ج ۱ و قول منافق یا محمد مسلم ص ۳۳۰ ج ۱ و قول مشرک یا محمد ص ۳۳۶ ج ۲ و قول حبر الیہود ص ۱۴۶ ج ۱

کہاں کہاں تک حوالجات لکھوں بہرحال قبل از تعلم آداب اگر ثمامہ نے یا محمد کہہ دیا یا مدینہ کے غلمان و خدام نے یا محمد یارسول اللہ یا محمد یارسول اللہ (مسلم ص ۴۱۹ ج ۲) کے نعرے لگائے تو وہ حجت میں کارآمد نہیں ہوسکتے۔

اب یہ حدیث یا تو نزولِ آیت سے پہلے کی ہے یا بعد کی؟ اگر پہلے کی ہے تو آیت سے منسوخ ہے اگر بعد کی ہے تو مخالف قرآن ہے جو مردود ہے اور منسوخ پر بھی عمل کرنا حرام ہے اور صحابی کی طرف مخالفِ قرآن حدیث کا انتساب کتنا بڑا جرم ہے۔

الحاصل یہ حدیث کسی طرح بھی حجت بننے کی لیاقت نہیں رکھتی۔ خود مضطرب ہے سنداً و متناً، معارضِ قرآن ہے، اس میں حرام کا ارتکاب ہے۔ سلف میں اس حدیث کا نام و نشان نہ تھا لہٰذا یہ حدیث ہی نہیں خاص کر جب کہ اس میں غیراللہ کو غائبانہ پکارنا ہے اور کتب سابقہ میں صاحب تسکین نے خود غیراللہ کو غائبانہ پکارنے کو شرک فرمایا ہے دیکھو گلدستہ توحید

ابن ماجہ کی حدیث پر بحث۔

ابن ماجہ میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ جب حضورؐ گھر سے نماز کیطرف نکلتے تو پڑھتے اللھم انی اسالک بحق السائلین علیک واسالک بحق ممشای ہٰذا الیک (اے اللہ میں تجھ سے سائلین کے اس حق کے ساتھ سوال کرتا ہوں جو تجھ پر ہے اور تجھ سے تیری طرف اس چلنے کے حق کے ساتھ سوال کرتا ہوں

اس دعا میں حضورؐ نے سائلین کے حق کو وسیلہ بنایا ہے جس سے انبیاء و اولیاء کے حق سے سوال کرنا جائز ثابت ہوا کیونکہ وہ بھی سائلین ہیں بلکہ عام سائلین سے زیادہ حق رکھتے ہیں اور عالی مرتبہ ہیں جن کے

حق سے سوال کرنا بطریق اولیٰ جائز ہوگا

جوابؑ یہ حدیث ضعیف ہے اس میں عطیہ بن سعد عوفی ضعیف ہے ابو حاتم، احمد، نسائی، منذری، بیہقی، دارقطنی، ابن حجر، ذہبی وغیرہ محدثین نے اسے ضعیف کہا۔ پھر یہ بھی مدلس اور روایت بلفظ عن بیان کی ہے اور مدلس کا عنعنہ معتبر نہیں۔

دوسرا راوی فضیل بن مرزوق ہے جسے نسائی و عثمان بن سعید نے ضعیف کہا۔ ابن حبان نے منکر الحدیث کہا۔ ابو حاتم نے کہا بہت وہمی ہے جس کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جاتی۔ ابن معین نے ضعیف کہا۔ نووی نے الاذکار میں ضعیف حدیث بتائی۔ منذری نے ترغیب میں اس حدیث پر ضعف کا نشان لگایا

ابن السنی نے عمل الیوم واللیلہ میں دوسرے طریق سے یہ روایت حضرت بلالؓ سے مرفوعاً لکھی ہے اس میں وازع بن نافع عقیلی متفقہ طور پر ضعیف ہے نووی نے اذکار میں منکر الحدیث کہا۔ ابن حجر وابی کہا۔ ابو حاتم اور ایک جماعت نے متروک الحدیث کہا۔ پھر اس طریق میں اضطراب بھی ہے (صیانۃ الانسان)

ایک روایت طبرانی کبیر میں بھی ہے جس میں فضالہ بن جبیر ہے مجمع الزوائد میں ہیثمی نے کہا مجمع علی ضعفہ

امام مالکؒ کی طرف منسوب جھوٹی روایت

کتاب الوسیلہ ص ۴۹ میں ہے ان مشرکین میں بعض ایسے بھی ہیں جو قرآن سے اپنے شرک پر دلیل لاتے ہیں ولو انہم اذ ظلموا۔۔۔ اس آیت کے مطابق ہم رسول اللہ ﷺ سے بخشش کی دعا کرتے اور اس طرح صحابہؓ کرام کی حیثیت میں ہو جاتے ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ ان کی دعائے مغفرت حضورؐ کی زندگی میں تھی اور ہم آپؐ کی وفات کے بعد کرتے ہیں

حالانکہ یہ سراسر غلط اور صحابہؓ و تابعینؒ و جملہ علماء اسلام کے اجماع کے بالکل برعکس ہے ان میں سے کسی ایک نے بھی حضورؐ کے وصال کے بعد کوئی دعا نہیں کی، نہ شفاعت کی، نہ کسی اور چیز کی، اور نہ ائمہ اسلام میں سے کسی نے اپنی کتابوں میں اس کا تذکرہ کیا ہے، البتہ بعض متاخرین فقہاء نے امام مالکؒ سے ایک جھوٹی روایت نقل کی ہے (جو ص ۱۱۹ میں ہے اور یہاں ہم درج کرتے ہیں)

کہ امیر المؤمنین ابو جعفر نے امام مالکؒ سے مسجدِ نبوی میں مباحثہ کیا اور آواز بلند بولنے لگے۔ امام مالکؒ نے خلیفہ کو منع کیا کہ اس مسجد میں شور نہ مچاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک گروہ کو یہ کہہ کر ادب سکھایا ہے کہ اپنی آوازوں کو نبی ؐ کی آواز پر بلند نہ کیا کرو اور دوسرے کی تعریف میں فرمایا جو لوگ رسول اللہ کے پاس اپنی آوازیں پست کرتے ہیں اور تیسرے کی مذمت کی ہے جو تیرے مکان کے باہر سے تجھے بلاتے ہیں:
وفات کے بعد بھی آپؐ کی عزت وہی ہے جو زندگی میں تھی" یہ سن کر خلیفہ دھیما پڑ گیا اور کہنے لگا اے عبداللہ! (مالکؒ) میں قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا کروں یا رسول اللہ ؐ کی طرف؟ مالکؒ نے جواب دیا رسول اللہ ؐ سے کیوں منہ پھیرو جب کہ وہ قیامت میں خدا تک تمہارا وسیلہ تمہارے باپ آدمؑ کا وسیلہ ہیں۔ بلکہ آپؐ کی طرف منہ کرو اور آپؐ کی شفاعت طلب کرو اللہ تعالیٰ یہ شفاعت قبول کرے گا کیوں کہ اس نے خود ہی فرمایا ہے ولو انہم اذ ظلموا۔۔۔

یہ حکایت منقطع ہے کیونکہ محمد بن حمید رازی نے مالکؒ کو نہیں پایا۔ خصوصاً ابو جعفر منصور کے زمانہ میں۔ کیونکہ ابو جعفر نے ۱۵۸ھ میں مکہ میں وفات پائی اور مالکؒ ۱۷۹ھ میں اور محمد بن حمید ۲۴۸ھ میں فوت ہوئے۔ محمد بن حمید کبھی وطن سے باہر نہیں گئے اور جب حصولِ علم کی خاطر نکلے تو اچھی عمر کے ہو چکے تھے۔ علاوہ ازیں وہ اکثر محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں۔ ابو زرعہ ابن وارہ نے انہیں جھوٹا بتایا ہے۔ صالح بن محمد الاسدی کہا کرتے تھے کہ میں نے محمد بن حمید سے زیادہ کسی کو اللہ پر جری اور کذب بیانی میں مہارت رکھنے والا نہیں دیکھا۔ یعقوب بن شیبہ کی رائے ہے سخت منکر روایتوں والا۔ نسائی کا قول ہے کہ ثقہ نہیں ابن حبان کہتے ہیں ثقات سے الگ ہو کر مقلوب روایات بیان کرتا ہے۔ امام مالک سے مؤطا کے سب سے آخری راوی ابو مصعب ہیں جو ۲۴۲ھ میں فوت ہوئے اور سب سے آخری علی الاطلاق روایت کرنے والے احمد بن اسمٰعیل السہمی ؒ ہیں جو ۲۵۹ھ میں فوت ہوئے ہیں ان میں سے کسی نے بھی یہ حکایت ذکر نہیں کی۔ پھر سند میں ایسے لوگ موجود ہیں جو مجہول الحال ہیں۔ امام مالکؒ کے مشہور اصحاب میں سے کسی نے بھی یہ روایت ذکر نہیں کی۔ محمد بن حمید اگر اسناد سے روایت کریں تو بھی محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں۔ پھر اگر ارسال کریں تو ظاہر ہے کہ ان کی روایت کس درجہ کی ہوگی۔ اصحابِ مالک متفق ہیں کہ ان کے امام سے اس طرح کی کوئی روایت کسی فقہی مسئلہ میں بھی معتبر نہیں بلکہ

اگر اُن سے شامی مثل ولید بن مسلم و مروان بن محمد الطاطری نے روایت کرتے ہیں تو ان کی روایت بھی ضعیف قرار دیتے ہیں۔ ان کے ہاں صرف اہل مدینہ اور مصریوں کی روایت معتبر ہے۔

جب حالت یہ ہے تو ایسی روایت پر کیا حکم لگایا جائے گا جو مالکؒ کے مشہور مذہب کے مخالف اور صرف ایسے خراسانی کی زبانی سنی گئی ہے جس نے مالکؒ کو نہیں پایا اور جس کو محدثین نے ضعیف کہا ہے

ابو الشیخ و رزین کی احادیث پر بحث

اور مخلوق کی ذات کے حوالہ سے دعا کرنے کے بارے جتنی حدیثیں بھی روایت کی گئی ہیں سب بے بنیاد و موضوع ہیں۔ ائمہ اسلام میں سے کسی ایک نے ان سے حجت نہیں پکڑی اور نہ انہیں قابل اعتماد کہا ہے۔

مثلاً وہ حدیث جو عبدالملک بن ہارون بن عنترہ عن ابیہ عن جدہ سے مروی ہے کہ ابوبکرؓ نبی پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ میں قرآن سیکھتا ہوں مگر یاد نہیں رہتا تو آپؐ نے فرمایا یوں دعا کرو اللھم انی اسالک بمحمد نبیک و بابراہیم خلیلک و بموسیٰ نجیک و بعیسیٰ روحک و کلمتک و بتوراۃ موسیٰ و انجیل عیسیٰ و زبور داؤد و فرقان محمد و بکل وحی اوحیتہ و قضاءٍ قضیتہ۔ یہ حدیث رزین بن معاویہ العبدی نے اپنی کتاب میں درج کی ہے اور ابن اثیر نے جامع الاصول میں نقل کی۔ مگر ان دونوں میں کسی نے بھی اس کی اصل نہیں بتائی اور نہ اہل اسلام کے کسی کتاب کا حوالہ دیا لیکن اسے ابن السنی و ابونعیم وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ اس طرح کی کتابوں میں بہت سی حدیثیں موضوع ہیں جن پر اعتماد باتفاق علماء اسلام درست نہیں

نیز ابوالشیخ الاصفہانی نے "فضائل الاعمال" میں روایت کیا مگر اس کتاب میں بھی بہت سی جھوٹی اور موضوع احادیث ہیں۔ نیز اسے ابوموسیٰ مدنی نے زید بن الحباب عن عبدالملک بن ہارون بن عنترہ سے روایت کیا اور حسن کہہ دیا حالانکہ وہ متصل بھی نہیں۔ ابوموسیٰ کہتے ہیں اسے محرز بن ہشام نے عبدالملک عن ابیہ عن جدہ عن ابی بکر الصدیقؓ روایت کیا ہے حالانکہ یہ عبدالملک بن ہارون بن عنترہ مشہور کذاب ہے جیسے یحییٰ بن معین و سعدی نے دجال و کذاب کہا۔ نسائی نے متروک بخاری نے منکر الحدیث احمد نے ضعیف کہا۔ ابوحاتم بن حیان نے کہا اس کی حدیث نہ لی جائے۔ ابن عدی نے کہا یہ وہ حدیثیں بیان

کرتا ہے جن میں کوئی اس کا ہمنوا نہیں۔ دارقطنی نے کہا یہ باپ بیٹا ہر دو ضعیف ہیں۔ حاکم نے "المدخل" میں کہا عبدالملک بن ہارون بن عنترہ شیبانی نے اپنے باپ سے موضوع حدیثیں نقل کی ہیں۔ ابن الجوزی نے اُسے "الموضوعات" میں درج کیا۔ حافظ ادریسی نے کہا یہ حدیث منقطع ہے یعنی فرض کرو راوی ثقہ بھی ہو پھر بھی اسناد منقطع ہونے کی وجہ سے قابل التفات نہیں۔ یہ عبدالملک وہ ثقہ نہیں جو رَیّ میں رہتے تھے جن کے باپ دادا بھی ثقہ ہیں

آدمؑ نے بحق محمدؐ کہہ کر دعا مانگی؟

نعیم الدین مراد آبادی نے حاشیہ ترجمہ احمد رضا خان میں لکھا کہ اس پریشانی کے عالم میں یاد آیا کہ وقت پیدائش میں نے سر اٹھا کر دیکھا تھا کہ عرش پر لکھا ہے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ میں نے سمجھا تھا کہ بارگاہ الٰہی میں وہ رتبہ کسی کو میسر نہیں جو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام اپنے نام اقدس کے ساتھ عرش پر مکتوب فرمایا لہٰذا آپ نے اپنی دعا میں ربنا ظلمنا الآیہ کے ساتھ یہ عرض کیا اللھم اسالک بحق محمد ان تغفرلی۔ ابن منذر کی روایت میں یہ کلمے ہیں اللھم انی اسالک بجاہ محمد عبدک وکرامتہ علیک ان تغفرلی خطیئتی..... مسئلہ اس روایت سے ثابت ہے کہ مقبولان بارگاہ کے وسیلہ سے دعا بحق فلاں کہہ کر مانگنا جائز ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کی سنت ہے۔ مسئلہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا حق واجب نہیں ہوتا لیکن وہ اپنے مقبولوں کو اپنے فضل وکرم سے حق دیتا ہے۔ اسی تفضلی حق کے وسیلہ سے دعا کی جاتی ہے۔ صحیح احادیث سے یہ حق ثابت ہے جیسے وارد ہوا من آمن باللہ ورسولہ واقام الصلوٰۃ وصام رمضان کان حقا علی اللہ ان یدخلہ الجنۃ

فرمان علی شیعی نے بھی لکھا

بحوالہ درمنثور

ج ۱ ص ۱۶ مصنفہ علامہ سیوطی لکھا ہے آدمؑ نے یوں فرمایا اللھم بجاہ محمد وعلی وفاطمۃ والحسن والحسین والطیبین من آلہم لما تفضلت بقبول توبتی وغفران زلتی واعادتی من کرامتی الی مرتبتی۔

لیکن یہ غلط ہے

کیونکہ قاضی عیاضؒ وغیرہ نے ابو محمد مکی وابو اللیث سمرقندی سے بلا سند بیان کیا کہ ان آدم عند معصیتہ الخ یعنی آدمؑ نے (والعیاذ باللہ) اپنے گناہ کے وقت کہا اے اللہ تجھے محمد کے حق کی قسم میری خطا بخش دے اللہ نے کہا الخ یہ بے سند ہے

اسی طرح موسیٰ بن عبد الرحمن صنعانی نے تفسیر میں ابن عباس سے روایت کی کہ نبی پاکؐ نے فرمایا جو شخص چاہتا ہے کہ اللہ اسے قرآن اور دوسرے علوم کے حفظ سے شادکام کرے تو اسے چاہیئے کہ یہ دعا اللھم انی اسالک بانک مسئول لم یسئل مثلک ولا یسئل واسالک بحق محمد نبیک وابراھیم خلیلک وموسیٰ نجیک وعیسیٰ روحک وکلمتک ووجیھک (اے اللہ میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کیونکہ تیری مانند کسی ذات سے نہ کبھی درخواست کی گئی اور نہ کبھی کی جائیگی میں تجھ سے تیرے نبی محمدؐ تیرے خلیل ابراہیم تیرے نجی موسیٰ تیرے روح وکلمہ ووجیہ عیسیٰ کے حق سے التجا کرتا ہوں) کسی صاف برتن یا شیشہ کے پتروں پر شہد وزعفران وبارش کے پانی سے لکھے اور نہار منہ پیئے۔ تین دن روزہ رکھے اور اسی پر افطار کرے اور اپنی نمازوں کے آخر میں بھی یہی دعا کرے

یہ موسیٰ بن عبد الرحمن کا مشہور جھوٹ ہے۔ ابو احمد بن عدی نے اسے منکر الحدیث اور ابو حاتم بن حبان نے دجال بد وضاع کہا۔ اس نے تفسیر میں ایک کتاب عطا وابن عباس کے حوالہ سے ابن جریج کے ذمے لگا دی جس میں کلبی اور مقاتل کا کلام جمع کر دیا ہے

اسی طرح عبد الرحمن بن زید بن اسلم نے باپ و دادا کے واسطہ سے مرفوعاً وموقوفاً حضرت عمرؓ سے روایت بیان کی کہ جب آدمؑ نے (معاذ اللہ) گناہ کیا تو عرض کی اے اللہ میں تجھے محمدؐ کے حق کا حوالہ دیتا ہوں کہ مجھے معاف کر دے۔ اللہ نے کہا تو نے محمدؐ کو کیسے پہچانا؟ کہا اس طرح کہ جب تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور مجھ پر اپنی روح ڈالی تو میں نے اپنا سر اٹھایا اور عرش کے پایہ پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا دیکھا۔ اس سے میں سمجھ گیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ اسی نام کو جگہ دی ہے جو تمام مخلوقات سے تجھے زیادہ محبوب ہے اللہ نے فرمایا اے آدم! تو نے سچ کہا۔ اگر محمدؐ نہ ہوتے تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔

حاکم کی یہ روایت قابل مواخذہ ہے خود حاکم نے "المدخل" میں تصریح کی کہ عبد الرحمن بن زید بن اسلم اپنے باپ سے موضوع احادیث روایت کرتا ہے۔

نیز اس میں گناہ کی نسبت حضرت آدمؑ کی طرف کی گئی ہے جو معصوم ہیں
نیز اگر یہ حق کہنا صحیح ہوتا اور سنتِ آدمؑ ہوتا تو امام ابوحنیفہ رح سنت پر مکروہ کا اطلاق کیسے کرتے

محمد بن حرب ہلالی کی خبر پر بحث

اور مواہب لدنیہ میں بحوالہ ابومنصور صباغؒ و ابن نجارؒ و ابن عساکرؒ و ابن جوزیؒ محمد بن حرب ہلالی سے مروی ہے وہ طبقہ رابعہ کی کتب سے منقول ہے جن کی احادیث اثباتِ عقیدہ و عمل کیلئے کسی صورت قابلِ اعتماد نہیں نیز اس سند و متن میں اضطراب ہے جیسے صیانۃ الانسان میں ہے نیز یہ ایک اعرابی کا فعل ہے وان فعل الاعرابی لیس من الحجۃ فی شئی ایک دیہاتی کا فعل کسی طرح بھی حجت نہیں ہو سکتا

نیز اس حکایت میں تین باتیں ہیں ۱۔ ظلم ہو جانے کے بعد حضورؐ کے روبرو پیش ہونا ۲۔ آپ کے پاس جا کر گناہ و ظلم کی معافی مانگنا ۳۔ حضورؐ کا ان ظالموں کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہنا۔ اور یہ تینوں باتیں حضورؐ کی حیاتِ دنیویہ سے متعلق ہیں کہ آپؐ کی زندگی میں منافقین ظالمین حاضر ہو کر معافی مانگیں اور منگوائیں۔ وفات کے بعد حاضر ہونے کا ذکر نہیں اور نہ صحابہؓ قبر پہ آنے کا ذکر ہے اور نہ قبر میں آپؐ کا دعا مانگنا اور ان کیلئے استغفار کرنا ثابت کرنا ثابت۔ حیاتِ دنیویہ پر حیاتِ برزخیہ کو قیاس کر کے قبر پر حاضر ہونا حمق ہے۔ موت کے بعد احکامِ دنیوی حیاۃ کے منقطع ہو جاتے ہیں مثلاً نماز، روزہ، حج، جہاد، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، مشاورت وغیرہ سب منقطع ہیں، معاملات، خرید و فروخت، اور فرائضِ نبوت، تبلیغ احکام، ترغیب و ترغیب، مناکحہ قضایا، حکومت، تجہیزِ جیوش، حفظِ ثغور (سرحدوں کی حفاظت، محافظۃ رعایا سب منقطع ہیں۔ پھر اپنے گناہوں کو لے کر جانا اور آپؐ سے معاف کرانا اور عرض معروض کرنا کس طرح جائز ہے۔ اگر جائز ہے تو بیعت کرنا جائز ہونا چاہیے مثلاً کوئی عورت یا ایہا النبی اذا جاءک المؤمنات یبایعنک پڑھتی ہوئی قبر شریف پہ جائے اور امور مذکورہ فی الآیہ کا معاہدہ کرے تو کیا یہ بیعت معتبر ہو گی۔ اسی طرح آیت فلا و ربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینہم پڑھ کر روضۂ نبوی پر جا کر تحاکم الی الرسول پر عمل کرے تو اس کو کون عقلمند کہہ سکتا ہے بہرحال درایت کے اعتبار سے بھی یہ روایت ناقابلِ اعتماد ہے اور اس وقت کی نکیر نہ ہونا یا اس کا

منقول نہ ہونا کوئی دلیل نہیں ہے جب کہ یہ عمل ہی خود ہدایت کے خلاف ہے اور اس پر کتاب و سنت سے کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ قبر شریف پر ماسوائے درود و سلام کے اور کچھ کہنا یا کرنا ثابت نہیں ہے

ضعیف حدیث پر عمل مستحب ہے ؟

امام ابن تیمیہ رحمہ نے کتاب الوسیلہ میں فرمایا ہے کہ

امام احمد وغیرہ بعض علماء نے فضائل اعمال میں ضعیف احادیث کی روایۃ کو جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ ان کا کذب پایۂ ثبوت کو نہ پہنچا ہو اور یہ اس وجہ سے کہ جب کوئی عمل شرعی دلیل سے ثابت ہو جائے کہ مشروع ہے اور اس کی فضیلت میں ضعیف حدیث روایت کی گئی تو سمجھا جاتا ہے کہ ثواب درست ہوگا لیکن کسی امام نے بھی یہ نہیں کہا کہ ضعیف حدیث سے کوئی عمل بھی واجب یا مستحب قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور جو کوئی ایسا کہتا ہے وہ اجماع کا مخالف ہے

توسل بالفعل

توسل بالفعل ثابت کرنے کے لئے ابو الجوزاء کی روایت پیش کی جاتی ہے کہ مدینہ میں سخت قحط ہوا تو لوگوں نے حضرت عائشہ رضہ سے شکایت کی۔ آپؓ نے فرمایا کہ آپؐ کی قبر مبارک کو دیکھ کر اس کے مقابل آسمان کی طرف اس میں ایک سوراخ کر دو حتے کہ اس کے اور آسمان کی درمیان حجاب نہ رہے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا تو بہت زور کی بارش ہوئی

لیکن اس میں ایک راوی محمد بن فضل سدوسی عارم ہے جس کا آخر عمر میں حافظہ خراب اور عقل زائل ہو گئی تھی۔ اس کی صرف وہی روایت معتبر ہے جو ۲۲۰ھ سے پہلے کی ہو۔ اور یہاں اس روایت سے استدلال کرنے کے لئے یہ ثابت کرنا ہوگا کہ یہ روایت اختلاط سے پہلے کی ہے

دوسرا راوی سعید بن زید ہے جسے نسائی نے غیر قوی کہا یحییٰ بن سعید القطان نے ضعیف کہا۔ سعدیؒ نے کہا کہ یہ حجت نہیں اور ذہبیؒ نے کاشف میں ایک جماعت محدثین سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث قوی نہیں ہے

تیسرا راوی عمرو بن مالک نکری ہے جو صدوق تو ہے مگر اس کو وہم بہت ہوتے ہیں (تقریب)

چوتھا راوی ابو الجوزاء اوس بن عبد اللہ ہے تقریب میں ہے یُرسل کثیراً یہ ارسال بہت کرتا ہے یعنی بیچ کا راوی چھوڑ دیا کرتا ہے۔ میزان میں ہے کہ یحیی بن سعید نے کہا کہ وہ جنگ جماجم میں قتل ہوا اس کی اسناد میں نظر ہے اور محدثین اسمیں اختلاف کرتے ہیں امام بخاریؒ نے کہا ابو الجوزاء کی سند میں نظر ہے۔ صیانۃ الانسان میں ہے تو ثابت ہو گیا، کہ حضرت عائشہؓ والی حدیث ضعیف و منقطع ہے۔

پھر حدیث موقوف ہے جس کی حجیت میں اختلاف ہے۔ اگر حجت مان ہی لیں تو واقعہ عمرؓ و معاویہؓ کے خلاف ہے جن سے اجماع صحابہؓ ثابت ہوتا ہے اور یہ حدیث اس کے خلاف ہے

نیز توسل بالاحیاء کی روایت اجماعی طبقہ اولیٰ کی ہے اور یہ روایت طبقہ ثالثہ کی ہے

توسل بالفعل کی ایک اور صورت

بعض لوگ فرشتوں اور بزرگوں کے ناموں سے تعویذ لکھتے ہیں اور ان ناموں کو اسماء الٰہی کی طرح پڑھتے ہیں اور ان میں تاثیر تصور کرتے ہیں اور تبرک حاصل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس کو جنات ایذا دیں یا اس کے گھر میں اینٹ پتھر ماریں تو وہ ایک کاغذ پر اصحاب کہف کے نام لکھ کر سامنے کی دیوار پر کیل سے ٹھونک دے نیز یہ کہ ان اسماء کو لکھ کر اپنے پاس رکھنے سے حاجات پیش آمدہ میں فتح و برکت ہوتی ہے اور دشمن کے شر سے امان ملتی ہے، نیز اگر ان کو لکھ کر مال و اسباب میں رکھ دیں تو وہ مال اسباب بحکم خدا آگ اور چور ڈاکو کی زد سے محفوظ رہیگا؛ تولد کے وقت جب عورت کو درد زہ ہو تو یہ اسماء لکھ کر اس کی بائیں ران پر باندھ دیں تو خدا کے فضل سے بچہ بآسانی پیدا ہو جائے گا۔

یہ سب نامشروع ہے کسی نص شرعی سے ثابت نہیں بلکہ اس سے ان ناموں میں نفع اور دفع ضرر کی تاثیر ظاہر ہوتی ہے۔ تو ان ناموں سے توسل و تبرک حاصل کرنے سے شرک و بدعت کا دروازہ کھولنا ہے۔ اور خیالات باطلہ و عقائد فاسدہ کو تقویت پہنچانا ہے۔

قصۂ اصحاب کہف قرآن میں مذکور ہے حضورؐ یا صحابہؓ کا ان ناموں سے توسل بالقول یا توسل بالفعل یا تبرک حاصل کرنے کا کوئی ذکر قرآن و سنت میں نہیں۔ محض شیخ نازلی کی طرف ایک من گھڑت بات نسبت کی گئی ہے جس کی شرع محمدی میں کوئی وقعت نہیں ہے

نزاعِ لفظی کا چکر

صاحبِ تسکین فرماتے ہیں۔ توسّل بالذات اور توسّل بالاعمال کا مفہوم ایک ہی ہے صرف لفظی فرق ہے۔ جو لوگ توسّل بالذات کے قائل ہیں اُن کی مُراد یہ ہرگز نہیں کہ مثلاً جناب رسول اللہ صلعم کی ذاتِ گرامی کو العیاذ باللہ وصفِ نبوت اور رسالت اور اُن دینی خدمات سے جو آپ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں سرانجام دی ہیں الگ کر کے توسّل کیا جاوے (تسکین ۲۱۵)

الجواب

نزاعِ لفظی کے یہ معنے ہیں مالایفہم احد المتخاصمین مرادَ الآخر حتّٰی لو فہمہٗ لَمَا انکرہٗ (دستور مسلم الثبوت)

حمد اللہ ص ۸ حاشیہ ۳ میں ہے النزاع اللفظی ان یتوجہ المتنازعان الی لفظ لہٗ معنیان ویرید احدھما بہ معنے ویحکم علیہ بحکم باعتبار ذالک المعنی ویرید الآخر بہ معنے آخر ویحکم علیہ بحکم آخر باعتبار المعنے الآخر کما یقول احدھما زیدٌ کلمۃٌ ویرید بہا الکلمۃ النحویۃ ویقول الآخر انہ لیس بکلمۃ ویرید بہا الکلمۃ المنطقیۃ

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ لفظی نزاع (لفظی جھگڑے) کی صورت یہ ہوتی ہے کہ دو باہم مباحثہ کرنے والوں کی ایک ایسے لفظ پر بحث ہو جس کے دو معنے ہوں' ان مباحثہ کرنے والوں میں سے ایک تو اس لفظ کا ایک معنیٰ مراد لے کر اس کے مطابق اس پر حکم لگاتا ہے اور دوسرا مباحثہ کرنے والا اس لفظ کا دوسرا معنےٰ مراد لیکر اس کے مطابق اس پر حکم لگاتا ہے جو پہلے کے حکم کے خلاف ہے۔ حتیٰ کہ اگر ان میں سے ہر ایک اپنے مدمقابل کا مطلب سمجھ لے تو نزاع کرنا ترک کر دے اور اس کی بات تسلیم کر لے۔ مثال کے طور پر ایک شخص کہتا ہے کہ زید کلمۃٌ اور دوسرا کہتا ہے زید لیس بکلمۃ (زید کلمہ نہیں) اس میں کلمۃ ایک لفظ ہے جس کے معنے نحویوں کی اصطلاح میں ہے لفظ وضع لمعنے مفرد اور منطقیوں کی اصطلاح میں کلمہ فعل کو کہتے ہیں اب ایک شخص کلمہ کا نحوی معنے مراد لے کر کہتا ہے کہ زید کلمہ ہے اور دوسرا شخص کہتا ہے زید کلمہ نہیں ہے اس کا مطلب کلمہ سے منطقی کلمہ ہے اب اگر پہلے شخص کو علم ہو جائے کہ دوسرے آدمی کی کلمہ سے منطقی کلمہ مراد ہے تو اس سے جھگڑا کرنا چھوڑ دے گا کیونکہ اسے علم ہے کہ منطقی رُو سے تو فعل

نہ یہ کلمہ نہیں ہے بلکہ اسم ہے (جو کلمہ اور اداۃ کے قسم ہے) اور اگر دوسرے کو علم ہو جائے کہ میرا مد مقابل کلمہ کے نحوی معنے مراد لے رہا ہے تو وہ بھی نزاع ختم کر دے گا

نبراس ص ۱۲۱ میں ہے النزاع اللفظی نوعان احدہما ما یرجع الی الاصطلاح کقول النحاۃ الکلمۃ وضع لمعنی مفرد وقول المنطقیین الکلمۃ لفظ دل علی معنے مقترن بزمان ولا طائل فی ہذا النزاع ؛ ثانیہما ما یرجع الی العرف واللغۃ کما فہم فی ان الصحابی من صحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ساعۃ او مدۃ صالحۃ ؛ وہذا النزاع ربما یقع فی مباحثۃ المعقول۔

خلاصہ یہ ہے کہ نزاع لفظی دو طرح کا ہوتا ہے ایک وہ جس کی مدار اصطلاحوں پہ ہے (جیسے اوپر کے حوالہ میں معلوم ہوا کہ) کلمہ کے معنے نحویوں کی اصطلاح میں اور ہیں اور منطقیوں کی اصطلاح میں اور ہیں۔ تو اس قسم کا نزاع لفظی سراسر بے سود ہے جو علماء ربانیین کی شایان شان نہیں خصوصًا جو اپنے وقت کے امام اور شیخ الاسلام ہوں۔ اور ایک نزاع لفظی کی قسم اور ہے جو عرف اور لغۃ کے ساتھ متعلق ہوتی ہے۔ مثلاً علماء کا باہم اس بات میں اختلاف ہے کہ صحابی کے کیا معنے ہیں تو ایسا نزاع کسی حد تک مفید ہوتا ہے اور عمومًا معقول کی بحث ومباحثہ میں ہوتا رہتا ہے

نیلوی کہتا ہے کہ یہ بات سمجھ میں آگئی تو اب غور کرتے ہیں کہ توسل کے بارے جو نزاع ہے آیا یہ بحث یہ نزاع لفظی ہے یا نزاع معنوی

ہم نے غور کیا تو دیکھا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے تو فرمایا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے عرف میں توسل بالذات بولکر توسل بدعاء مراد ہوتا تھا وَاَمَّا التوسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم والتوجہ بہ فی کلام الصحابۃؓ فیریدون بہ التوسل بدعائہ وشفاعتہ الخ (قاعدہ جلیلہ ص۲۲) اور یہ شیخ الاسلام کو یہ بھی معلوم ہے کہ پچھلے لوگ یہ معنے مراد نہیں لیتے اسی لئے فرمایا والتوسل بہ فی عرف کثیر من المتاخرین یراد بہ الاقسام بہ والسوال بہ پھر فرمایا کہ توسل بایں معنے صحابہؓ میں نہ تھا نہ حضورؐ کی زندگی میں اور نہ حضورؐ کی وفات کے بعد اور جن احادیث میں توسل بالذات ہے وہ ضعیف ہیں حجۃ نہیں۔ والسوال بذاتہ صلی اللہ علیہ وسلم فہذا ھوالذی لم تکن الصحابۃؓ یفعلونہ فی الاستسقاء ونحوہ لافی حیاتہ ولا بعد مماتہ لاعند قبرہ ولا غیر قبرہ۔

ولا یعرف هذا فی شئ من الادعیة المشهورة بینهم وانما ینقل شئ من ذلك فی احادیث ضعیفة مرفوعة وموقوفة او عمن لیس قوله حجة (قاعدہ جلیلہ ص ۳۴)

اب فرمائیے! یہی ہے نزاعِ لفظی؟

نیز صاحبِ تسکین اپنے دل کی بات تو بتا سکتے ہیں کہ میری مراد توسل بالنبیؐ سے بحذفِ مضاف توسل بمحبتی ایاہٗ یا بایمانی بہٖ ہے یا بزرگوں سے جو منقول ہے اسکی بھی یہی تاویل کرلیں مگر ایسا نہیں جیسا آج کل کے سب لوگوں کا ٹھیکہ صاحبِ تسکین نے لے لیا ہے اور فرماتے ہیں سبکیؒ کی تقلید میں کہ الغرض نہ تو اس توسل میں یہ بات وہم میں آتی ہے کہ معاذاللہ اولیاء اللہ کا درجہ اور شان خدا تعالیٰ سے بڑھ کر ہے اور نہ یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر اپنا اثر و رسوخ استعمال کرکے جبراً اسکو منوا سکتے ہیں کہاں خالق اور کہاں مخلوق؟ کجا آقا اور کجا عاجز بندے اسکا سمجھنا کوئی مشکل نہیں ہے (تسکین ص ۳۱۶) حالانکہ صاحبِ تسکین سے آج کل کے بناسپتی مسلمانوں کا حال ذرا برابر بھی مخفی نہیں جن کی تردید میں بیسیوں کتابیں زیبِ قلم فرمائیں جن کے اقوال مشہور ہیں

صاحبِ تسکین کی یہ بات اور توجیہ گو صحیح معنے ادا کرتی ہے مگر عوام کے ذہن اس توجیہ سے خالی ہیں۔ ہمارے شیخ حضرت حسین علیؒ لکھتے ہیں قیل من قصد هٰذا المعنی فهو معنی صحیح لیس هٰذا مقصود عامتهم لا (تفسیر بنظیر ص ۳۵) بلکہ مقصود عوام کا تو یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے حبیب کا بڑا لحاظ ہے وہ اپنے حبیب کا کہا موڑ نہیں سکتا

ازالۂ وہم

اور حضرت مولانا تھانویؒ نے جائز توسل کی حقیقت بتائی ہے۔ نہ اُس توسل کی جو عوام میں مروّج ہے۔ اور جہاں بزرگوں سے توسل بالذات کے الفاظ صادر ہوئے ہیں۔ اُن کی تاویل بھی توسل بدعائہٖ کی ہے اور قاعدہ ہے کہ تجویز تاویل سے تجویز ارتکاب لازم نہیں آتا (فتاویٰ امدادیہ ص ۱۰۹ ج ۴) یا یوں کہو کسی بزرگ کے موہم کلام کو صحیح محمل پر حمل کرنا موہم لفظ کے استعمال کے جواز کو مستلزم نہیں اگر بزرگوں کے شطحیات کو تاویل کرکے کوئی استعمال کرنے لگ جائے اسکو قطعاً اجازت نہیں دی جاسکتی

صحابہ رضؓ کے ایمان میں کس کو شک ہے اُن کے کلام میں اگر ابہام ہو تو اُس کو صحیح محمل پر حمل کرنا واجب ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ابن تیمیہؒ نے کلام صحابہؓ کی صحیح توجیہ بیان کر دی ۔ یار لوگوں نے اس مُوہم لفظ کے استعمال کا جواز ہی سمجھ لیا والعیاذ باللہ

اصل حقیقت

نیلوی کہتا ہے کہ کسی صحیح حدیث سے یہ بات ثابت نہیں کہ حضورؐ نے صحابہ کرام رضؓ کو بوسیلہ نبی ولی یا بطفیل نبی ولی یا بحرمتِ نبی ولی کہہ کر دعا مانگنے کی تعلیم دی ہو یا کسی صحابیؓ تابعیؒ یا مجتہدؒ نے ان الفاظ کے ساتھ دعا مانگنے کی تعلیم دی ہو حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ کا فرمان ہے الدعاء ہو العبادۃ بلکہ الدعاء مخ العبادۃ اور خود صاحب تسکین کے ہاں یہ امر مسلّم ہے کہ عبادات کے اندر تعبدی طریقہ غالب ہے اور اس کا ماخذ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضؓ سے اطلاع پائے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا دیکھو راہ سنت ص ۱۲۰ بحوالہ الاحکام لابن حزم ج ۱ ص ۵۱

اور شیخ مولوی عبدالسمیع کو جواب دیتے ہوئے راہ سنت ص ۱۳۶ میں فرمایا

جس عبادت کو شریعت مطہرہ نے کسی خاص کیفیت اور مخصوص ہیئت کے ساتھ مقید نہیں کیا ......
تو یقیناً یہ مخصوص طرز و طریقہ بدعت ہوگا۔"

پھر اسی صفحہ میں نافعؒ کی روایت نقل فرمائی کہ کسی نے چھینک کر الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ کہا تو حضرت ابن عمر رضؓ نے فرمایا ہمیں جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تعلیم نہیں دی ۔ ہمیں اس موقع پر اس کی تعلیم دی ہے کہ ہم الحمد للہ علی کل حال کہا کریں

اور ص ۱۴۰ میں فرمایا عیدگاہ میں نوافل پڑھنے کی ممانعت میں حضرت علی رضؓ کا استدلال بایں طور تھا کہ "اور میں بالیقین جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کسی فعل پر ثواب نہ دے گا جب تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نہ کیا ہو یا اس کی ترغیب نہ دی ہو"

نیلوی کہتا ہے کہ دعا میں بوسیلہ نبی ولی بطفیل نبی ولی بحرمۃ نبی ولی کے الفاظ نہ حضور ؐ نے بتائے اور نہ ہی آپ نے اس کی ترغیب دی اس قولِ علی رضؓ کی روشنی میں یہی کہا جائے گا کہ بالیقین اس پر اللہ تم ثواب نہ دیگا۔

ایک سوال اور صاحبِ تسکین کی زبانی اس کا جواب

اب رہا یہ امر کہ اس کیفیت سے دعاء مانگنا بڑے بڑے صوفیاء کرام سے ثابت ہے لہٰذا جائز ہے، سو اس کا جواب یہ ہے کہ خود صاحبِ تسکین نے راہِ سُنت ص ۱۹۲ میں قبروں پر چراغاں کرنے کی ممانعت کرتے ہوئے ان علماء کے قول کی تردید کی ہے کہ جو اس عمل کو جائز یا مستحب سمجھتے ہیں اور فرماتے ہیں

"اور جن علماء سے انہوں نے جواز و استحباب نقل کیا ہے وہ نہ تو معصوم ہیں اور نہ مجتہد"

نیلوی کہتا ہے کہ بالکل اسی طرح صاحبِ تسکین نے جن علماء سے بوسیلہ یا بطفیل یا بحرمت کا جواز یا استحباب نقل کیا ہے وہ نہ تو معصوم ہیں یا مجتہد" کیا صاحب تسکین حضرت گنگوہی وغیرہ رحمہم اللہ کو معصوم سمجھتے ہیں یا مجتہد؟ اگر کہا جائے کہ کم سے کم اباحت کا حکم تو لگ سکتا ہے جب ممانعت شرع شریف میں ثابت نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ خود صاحبِ تسکین نے راہ سنت ص ۱۳۱-۲۳ میں لکھا ہے کہ اباحت بھی حکم شرعی ہے اور اباحت بغیر اذنِ شارع اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کے ہرگز ثابت نہیں ہو سکتی۔

جوازِ توسل کی ایک اور دلیل اور اس کا جواب

تسکین الصدور طبع ۲ ص ۲۴۴ : چونکہ ابن ماجہ ص ۱۰۰ وغیرہ کی اسی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں یا محمد انی توجہت بک الی ربی الحدیث تو اس سے مانعینِ توسل کو حاضر و ناظر اور علمِ غیب کا شبہ ہوا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے چنانچہ مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں

اقول اس قصہ میں تو خود فخرِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) زندہ اس عالم میں تھے اور آپ ہی کے حکم سے یہ عمل ہوا تھا۔ آپ ان کی خدمت میں حاضر تھے۔ تو اُس وقت میں تو کوئی ضرورت جواب و توجیہ کی نہیں ہے۔ اور بعد آپ کے معمول ہے تو اسی طرح سمجھ کر ہے کہ آپ کی خدمت میں تبلیغ ہوتی ہے۔ ملائکہ پہنچاتے ہیں۔ علمِ استقلالی (بغیر فرشتوں کے پہنچانے کے) نہ اس میں ہے اور نہ اس عقیدہ سے پڑھنا درست ہے۔ تو ایسی حالت میں یہ بھی شرک ہو جائے گا (البراہین القاطعہ ص ۲۱۹) انتہی کلامہ

نیلوی کہتا ہے کہ حضرت شیخ الشیخ رحمہ اللہ نے بات تو صحیح صحیح بیان فرمادی کہ آپ کی وفات کے بعد اگر عقیدہ درست ہے تو یہ کہنا بھی درست ہے اور اگر عقیدہ حاضر ناظر اور علم غیب کا ہے تو اس عقیدہ سے پڑھنا درست نہیں ہے بلکہ ایسی حالت میں یہ شرک ہو جائے گا۔ مگر آپ تو یہ قید لگائے بغیر جائز فرماتے ہیں اور اس کے جواز پر جو دلائل پیش فرمائے ہیں ان میں بھی یہ قید نہیں اسی لئے بریلوی حضرات اس پر زور دیتے ہیں اور لوگوں کے عقائد برباد کرتے ہیں اور آپ کی تحقیق سے ان کو اور فائدہ پہنچ گیا اور اسی کتاب کی تشہیر کرتے ہیں اور بغلوں میں دبائے پھرتے ہیں اور جگہ جگہ لوگوں کو پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں کہ اب دیوبندی ہمارے مسلک پر آہستہ آہستہ آ رہے ہیں بس صرف تھوڑی سی باتوں کا فرق رہ گیا ہے چند دنوں کے بعد ہمارا سارا مسلک تسلیم کر لیں گے سوائے چند سر پھرے مجذوبوں کے اور یہ میں صحیح اور واقعی بات کہہ رہا ہوں۔ ایک بریلوی مولوی نے آپ کی کتاب سے امداد حاصل کر کے اپنے مسلک کو خوب اچھالا اور ہمیں خوب کوسا۔ پھر آپ کے حواریین نے میرے رد میں آپ ہی کی کتاب سے امداد لے کر تقریباً ۱۴ رسالے اور کتابیں لکھ ماریں بریلوی اب پھولے نہیں سماتے۔ آپ کی اس نرمی سے کتنا نقصان پہنچا اور بریلوی آپ کی کتاب کو اکسیر اعظم اور نسخہ کیمیا سمجھتے ہیں جیسے حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمہ اللہ کی نرمی سے بریلویوں نے فائدہ اٹھایا۔ مولانا حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کی نشر الطیب سے بریلویوں نے فائدہ اٹھایا اب لوگ یہ نہیں کہتے کہ دیوبندی سچے ہیں بلکہ ان کو دیوبند کے نام سے چڑ ہے اس لئے خواہ مخواہ عبارات اکابر میں قطع و برید کر کے اور کچھ اپنا تقریری مسالہ چڑھا کر دیوبندی علماء کو گستاخ رسول گستاخ اولیاء اللہ ہی کہتے اور تشہیر کرتے ہیں وہ اس میں نرم اور سخت کا فرق نہیں کرتے اور وہ یہ نہیں کہتے کہ ابوالزاہد صاحب صفدر تو گستاخ نہیں مولانا تھانوی گستاخ نہیں مدنی گستاخ نہیں۔ وہ تو سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتے ہیں

پہلی تحریرات پر مولانا نے قلم نسخ پھیر دیا

تسکین ط ۲ ص ۲۲۸: بحوالہ وحید الزمان ایک امر کا منقول نہ ہونا اس کے عدم جواز پر دلالت نہیں کرتا

نیلوی: محترم نے راہ سنت پر قلم نسخ پھیر دیا جہاں آپ نے ہدایہ ج ۱ ص ۱۲۱ کے حوالہ سے لکھا کہ کراہت کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ سے زیادہ منقول نہیں اگر کراہت نہ ہوتی تو آپ ﷺ تعلیم جواز کے لئے زیادہ بھی کر دیتے اور کبیری، درمختار، کنز لکھا

فتاوی عجیب و فتاوی ابراہیم شاہی کے حوالہ سے الجنۃ ص ۳۳۴ سے نقل کیا کہ رمضان میں ختم قرآن کے وقت دعا کرنا، اور اسی طرح ختم قرآن کے وقت مل کر دعا کرنا مکروہ ہے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے ایسا کرنا منقول نہیں۔ اور بحوالہ ہدایہ ج ۱ ص ۰۷ لکھا طلوع فجر کے بعد فجر کی دو سنتوں کے علاوہ کوئی زائد نفلی نماز پڑھنا مکروہ ہے اس لئے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود نماز پر حریص ہونے کے اس سے زیادہ نماز نہیں پڑھی، نیز بحوالہ ہدایہ ج ۱ ص ۵۹ الکھا صلوٰۃ کسوف میں خطبہ نہیں کیونکہ خطبہ منقول نہیں ہے۔ نیز بحوالہ کبیری ص ۴۳۳ لکھا کہ (صلوٰۃ رغائب وغیرہ بدعت و مکروہ ہے اس لئے) کہ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ اور بعد ائمہ مجتہدینؒ سے منقول نہیں ہے اور بحوالہ الواقعات لاحمد بن محمد حنفی لکھا کہ یہ بدعت ہے صحابہؓ اور تابعینؒ سے منقول نہیں ہے اور بحوالہ عالمگیری باب الکراھۃ ج ۴ ص ۲۶۴ لکھا سورۃ کافرون کا آخر تک بالجمع پڑھنا مکروہ ہے اس لئے کہ وہ بدعت ہے، صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ سے منقول نہیں ہے۔ اس سے آگے ص ۹۴ میں بریلوی عبدالسمیع وغیرہ کے اعتراض کا جواب دیتے ہیں مگر اب انہوں نے وحید الزمان کا یہ قول نقل کرکے کہ "کسی امر کا منقول نہ ہونا اس کے عدم جواز کی دلیل نہیں" اپنی پہلی تحریر پر قلم نسخ پھیر دیا اب بریلوی خوش ہیں کہ شکر ہے کہ ہماری طرف سے صفدر صاحب جواب کیلئے کافی ہیں

گھر کی بات

تسکین ط ۲ ص ۲۹۰ میں روح المعانی سے ج ۶ ص ۱۲۸ کیسے گھر کی بات نقل فرمائی ہے "یہ جو کچھ میں نے جواز توسل کی ذکر کی ہے محض لوگوں سے دفع حرج کیلئے اور ان کو گمراہ قرار دینے کے دعویٰ سے جیسا کہ بعض نے کہا ہے بچانے کیلئے ہے کیونکہ ان کے خیال سے آنحضرت ﷺ کی بلند ہستی کا توسل گمراہی ہے۔ میرا یہ میلان نہیں کہ توسل سے دعا کرنا ان ادعیہ ماثورہ سے بہتر ہے جو کتاب اللہ میں آئی ہیں اور جن کو حدیث میں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔" اور یہی کچھ ہم بھی کہتے ہیں

جواب بطرز دیگر

بعثت نبوی اس وقت ہوئی جب دعا کے مختلف طریقے جاہلیت میں مروج تھے پھر آنحضرت ﷺ کو وحی متلو و غیر متلو کے ذریعے دعا مانگنے کے طریقے بتائے گئے اور دوسرے طریقے ترک کر دیئے گئے اور بحق کے ساتھ دعا

مانگنے کا طریقہ نہ عہد نبوی میں مروج تھا نہ عہد صحابہ میں نہ خیر القرون میں نہ کسی مجتہد سے ثابت ہے اور اصول فقہ کا مسئلہ ہے کہ جس مسئلہ میں بلویٰ عام ہو اور پھر بھی اس کی شہرت نہ ہو تو یہ اس کے باطل ہونے کی علامت ہے۔ اور ہمارے متقدمین خصوصاً ابو الحسن کرخیؒ کا یہی مذہب ہے اور یہی مختار ہے متاخرین کا۔ اسی واسطے ہمارے اصحاب حنفیہ نہ جہراً بسم اللہ پڑھتے ہیں اور رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت ہاتھ نہیں اٹھاتے اور مس ذکر سے وضوء کے نقض کے قائل نہیں اور آگ کی پکی ہوئی چیز استعمال کرنے سے وضو ٹوٹ جانے کے قائل نہیں اسی لئے حضرتؐ کی بتائی ہوئی قرآنی اور ماثورہ دعاؤں کا پڑھنا ہی افضل اور بہتر ہے۔ ولیس ہذا رداً للخبر للرائی و القیاس بل ہو لترجیح ما ثبت بہ من القرآن والاحادیث۔ خاص کر جب کہ صحتِ حدیث ہی مشکوک ہو اس حد تک کہ بعض اس کو موضوع تک کہتے ہوں اور آپؐ نے فرمایا ہے دع ما یریبک الی ما لا یریبک

وسیلہ کا معنی حاجت بھی ہے

لمعۃ الحیران ص ۱۰۵ الوسیلۃ کل ما یتوسل بہ اس جگہ مراد عمل صالح ہیں اور ص ۱۲۳ میں ہے قال ابن عباس فی ما سال عنہ نافع بن الازرق الوسیلۃ الحاجۃ واستشہد علیہ بکلام العرب ؎ ان الرجال لھم الیک وسیلۃ؛ (ای حاجۃ؛) ان یاخذوک تکحلی وتخضبی کذا فی الاتقان

بعض حضرات کی غلط فہمی

اللہ تعالیٰ تو اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے وابتغوا الیہ الوسیلۃ

اللہ تک پہنچنے کے لئے عمل صالح کا وسیلہ تلاش کرو نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ پاکیزہ باتیں اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچتی ہیں اور عمل صالح اس کی طرف بلند کیا جاتا ہے۔ اس مقصد کے لئے مضبوط دلیل ہے لیکن بعض حضرات نے تلاوتِ قرآن کو وسیلہ اور ذریعہ قرار دیا ہے اور امام احمد بن حنبلؒ کے خواب کا قصہ کہ امام احمد بن حنبلؒ نے اللہ تعالیٰ کو ہزار مرتبہ خواب میں دیکھا اور ہر ایک مرتبہ یہی دریافت کیا کہ اے اللہ تعالیٰ تیرا قرب کس چیز سے حاصل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا قرآن مجید کی تلاوت سے جو میرا کلام ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے دریافت کیا الٰہ العٰلمین

قرآن کریم کی تلاوت سمجھ کر کی جائے یا بلا سمجھے بھی تیرے تقرب کا باعث ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا قرآن کریم کی تلاوت سمجھ کر ہو یا بلا سمجھے ہر ایک طرح میرے قرب کا باعث ہے" اس کو دلیل میں پیش کرتے ہیں' متاخرین رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہلِ بیت اور صحابہ کرام اور اولیاء عظام کے ساتھ محبت رکھنے کو نجات کا وسیلہ سمجھتے ہیں کیونکہ اعمالِ قلبی میں سے یہ بھی ایک عمل صالح ہے اور المرء مع من احب اس پر گواہ ہے اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آخرت میں جو شخص جس کے ساتھ رہنا چاہے۔ دنیا میں اسی سے محبت رکھے اس نے کہا پس عمل ہی وسیلہ ہوا : اور جہاد فی سبیل اللہ کفار کے ساتھ جنگ کرنا ہے اور نفس امارہ کے ساتھ جنگ کرنا بھی جہاد ہے۔ کیونکہ یہی نفسِ ذلیل دنیاوی لذات اور آرائش میں پڑ کر اللہ تعالیٰ کے راستہ سے روکتا ہے اور اس سے بڑھ کر نفس امارہ کا یہ کام ہے کہ یہ بغیر بجا لانے اعمال صالحہ کے مخلوق کو تقرب الٰہی کا وسیلہ بنا دیتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ یہ مخلوق اگرچہ مخلوق ہے مگر تمہارے لئے خالق کا حکم رکھتی ہے۔ تم اپنے وسیلہ کیلئے ان کی حد سے زائد تعظیم و تکریم کرو۔

مولانا صاحب کا بلغۃ الحیران سے ایک حوالہ پیش فرمانا

مولانا نے بلغۃ الحیران ص ۳۴۸ سے حوالہ پیش فرمایا قاضی شوکان مدد دے مدد ہو دے پیر جیلانی بحوالہ تسکین الصدور

نیلوی : بریلوی یہ مقام دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں کہ پیروں ولیوں کی زندہ کرامت ہے کہ کٹر دیوبندی غیر اللہ کی پکار اور امداد کو کفر و شرک کہتے تھے اب سوائے چند سرپھرے مجذوبوں کے تسلیم کر چکے ہیں کہ غیر اللہ کو دور سے یا نزدیک سے جہاں سے پکارو وہ سنتے ہیں اور ہماری مدد کو پہنچتے ہیں کیونکہ سماع الموتی ص ۱۵۵ میں ہے کہ خطاب و ندا۔ اس موجود کو ہے جو سنتا ہے اور اس سے خطاب کیا جا سکتا ہے اور جو سمجھتا ہے اور سلام کا جواب دے سکتا ہے تو اس لئے جب ہم کہتے ہیں اے قاضی شوکان مدد کر پیر جیلانی کی مدد ہو دے تو خطاب و ندا ان کو اسی لئے ہے کہ وہ ہماری بات سن رہے ہیں اور خداداد قدرت سے ہماری مدد بھی فرماتے ہیں کیونکہ وہ زندہ ہیں

حالانکہ پیر طریقت نے اس صحیفہ پر اختصار فرمایا جامع نے ص ۳۴۸ پر لکھی ہوئی عبارت کی وجہ سے عبارت

چھوڑ دی جو آپ نے فرمایا تھا کہ مرثیوں میں مردوں سے جو خطاب ہوتا ہے اس سے مُردوں کو سنانا مقصود نہیں ہوتا بلکہ نصب العین بنا کر بطریق تخیل خطاب ہوتا ہے اسی طرح ہندی میں جو کہا جاتا ہے ۔۔ دہوئے شالا پیر جیلانی یا مدد تھیویں محبوب سبحانی اس سے بھی پیر جیلانی کا سنانا مقصود نہیں ہوتا آگے لکھتے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی بطریق تعشق کے طلب کے الفاظ کہہ دیتے ہیں جنسے ان کا مقصد نہ ان کو سنانا ہوتا ہے اور نہ ان سے طلب مقصود ہوتا ہے پیر طریقتؒ نے اس کے بارے جواز کا کوئی فتویٰ لگایا ؟ ہرگز نہیں اسی ۳۴۰ میں استفتا لکھا کہ بعض پیران کا اعتقاد ہے کہ رسول ہر ندا ہر قریب کا سنتے ہیں ؟ اس کا جواب فتاوے کے حوالوں سے نفی میں پیش کیا۔ بطرز ۲۴۲ میں توسل عبدالقادر جیلانی کے بارے روایت لکھی جس کی آپ نے تردید فرمادی کہ مجاوروں کی من گھڑت ہے۔

سبکی و سمہودی کے حوالے تسکین ط ۲ ص ۳۹۰ میں دئے گئے ہم ان کے ذمہ دار نہیں البتہ حضرت امام الہندؒ نے جو حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۶ میں فرمایا ہے اس توسل بالنبیؐ سے مراد درود شریف پڑھنا ہے جس طرح فقہا نے لکھا ہے اور احادیث صحیحہ میں بھی آداب دعا میں درود شریف کا ذکر ہے اور توسل بالنبی کا ذکر (درود شریف کے ماسوا) نہ کسی صحیح حدیث میں ہے اور نہ خیر القرون میں معمول تھا نہ کسی مجتہد کا استنباط ہے بعد کے علماء نہ مجتہد تھے نہ معصوم نیز بعد کے علماء کو کونسی ایسی مجبوری لاحق ہوئی ہے جس کی وجہ سے توسل و حرمت و طفیل کو آداب دعا میں داخل فرمایا کیا اب اللہ تعالیٰ وسیلہ کے بغیر ہماری دعا قبول نہیں کرتا نیز توسل بالنبیؐ بمعنی بایمانی بہ و محبتہ خود جائز ہے جیسا ۳۹۱ میں لکھا

اور رہا مانہ مسائل سو اس کے متعلق حسب قول صاحب الیانع الجنی ثمہ احتمال تدلیس غالب ہے۔ نیز نفس جواز کا قول کیا ہے۔ فرض، واجب، سنت، مستحب انہوں نے بھی نہیں کہا

بطرز دیگر

قرآن میں دو جگہ وسیلہ کا لفظ آیا ہے اور مومنوں کو اللہ تعالیٰ اس وسیلہ کی تلاش کا حکم دیتا ہے اور وہ وسیلہ تمام فرائض، واجبات، سنن و مستحبات کو شامل ہے اور ان سب کی بنیاد اس شریعت پر ایمان کو ٹھیرایا ہے جو حضورؐ لے کر آئے پس وہ وسیلہ یہی ہے کہ حضورؐ کی اتباع کے ذریعے سے قرب خدا حاصل کیا جائے اور بس ۔ اور یہ وسیلہ اصل دین ہے اس کے بغیر ایمان نامکمل ہے

اور حدیث پاک میں آت محمدا الوسیلہ میں وسیلہ سے مراد جنت کا وہ مخصوص درجہ ہے جو صرف ایک ہستی کیلئے ہے آپؐ نے امت کو حکم دیا کہ میرے لئے اس وسیلہ کی دعا کیا کرو اور وسیلہ مانگنے والے کو خوشی سنائی کہ قیامت کو اس کی شفاعت کروں گا

صحابہؓ کے کلام میں وسیلہ سے مراد ہوتا ہے حضورؐ کی دعا و شفاعت سے توسل کرنا

بعد والوں کے نزدیک وسیلہ کے یہ معنے ہیں کہ خدا کو آپ کی قسم دلانا اور آپؐ کی ذات بیچ میں رکھ کر سوال کرنا۔ اور یہ وسیلہ صحابہؓ کا معمول نہ تھا نہ آپؐ کی حیات میں اور نہ وفات کے بعد' نہ آپؐ کی قبر پہ اور نہ کسی اور کی قبر پہ

تتمہ

دربیانِ فرق مدنی و مدینی

مدینی اور مدنی کو ایک سمجھتے ہوئے تسکین طبع ص ۲۱۹ میں امام نوویؒ و قرشیؒ کا حوالہ دیا اور ط ص ۲۳۲ میں کہا اہلِ علم جانتے ہیں کہ پہلے مدینہ طیبہ کی طرف نسبت کرتے وقت اَلْمَدَنِی اور اَلْمَدِیْنِی دونوں تعبیریں درست تھیں (تسکین الصدور ص ۲۳۲)

حالانکہ قاعدہ یہ ہے کہ علاوہ اجوف و مضاعف کے جو لفظ فَعِیْلَةٌ یا فَعُوْلَةٌ کے وزن پر ہو تو اس لفظ سے صیغہ نسبت بناتے وقت اس لفظ کی ی، و حذف کرتے ہیں وجوباً لیکن سَلِیْقِیّ و سَلِیْمِیٌّ (بنو ازد میں) او عَمِیْرِیٌّ (بنی کلب میں) شاذ ہیں۔ شافیہ ابنِ حاجب ص ۴۱ میں ہے وَتُحْذَفُ الْیَاءُ وَالْوَاوُ مِنْ فَعِیْلَةٍ وَفَعُوْلَةٍ بِشَرْطِ صِحَّةِ الْعَیْنِ وَنَفْیِ التَّضْعِیْفِ کَحَنَفِیٍّ وَشَنَئِیٍّ ...... وَسَلِیْقِیٌّ وَسَلِیْمِیٌّ فِی الْاَزْدِ وَعَمِیْرِیٌّ فِی الْکَلْبِ شَاذٌّ نووی شرح صحیح مسلم ص ۵ میں ہے فَاَمَّا الْمَدِیْنِیُّ وَالْمَدَنِیُّ فَنِسْبَةٌ اِلٰی مَدِیْنَةِ النَّبِیِّ وَالْقِیَاسُ مَدَنِیٌّ بِحَذْفِ الْیَاءِ وَمَنْ اَثْبَتَهَا فَهُوَ عَلَی الْاَصْلِ پھر طرہ یہ ہے کہ جو حوالہ شراح میں سے نقل فرمایا ہے وہ بھی آپ کا ساتھ نہیں دیتا اور صاحب تسکین کے دل میں یہ بات کھٹکی تھی اسی لئے اس پر تطویل لاطائل کی۔ مگر صرفی قاعدہ اپنی ہی جگہ رہا۔ مدینۃ الرسول کیطرف نسبت کرتے ہوئے موافق قاعدہ صرفی کے مَدَنِیٌّ پڑھتے ہیں اور مدینۃ السلام (بغداد) کیطرف نسبت کرتے وقت مَدِیْنِیٌّ خلافِ قیاس

پڑھتے ہیں تاکہ التباس نہ ہو اور مدائن کسریٰ کیطرف نسبت کرتے وقت مَدَائِنِیٌّ پڑھتے ہیں

نیلوی کہتا ہے کہ مولوی عبدالاول بن علی حنفی جونپوری نے بھی تزئین الادب فی ترقین العرب ص ۱۰۸ میں المنسوبات کی بحث میں لکھا المدینی (نسبۃ) الی مدینۃ المنصور والمدائنی الی مدینۃ کسریٰ اور لکل فن رجال ایسے مقام میں فن شرف والوں کا ہی قول معتبر ہوگا جیسے عُکّاشہ بن محصن غنمی اسدی تشدید سے ہے مگر محدثین عُکَاشہ بالتخفیف پڑھتے ہیں، فان غم علیکم فَقَدِّرُوا صحیح ہے محدثین فَاقْدُرُوا پڑھتے ہیں اسی طرح اِیْتَزَرَ (ازار سے افتعال ہے) صحیح لفظ ہے مگر محدثین اِتَّزَرَ پڑھتے ہیں جو بالکل خلافِ قانون اور عامیانہ لفظ ہے اسی طرح لغت کے لحاظ سے صحیح لفظ غیر متأثل مالا ہے لیکن امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں غیر متمول لکھا ہے اسی طرح الامام اذا صلی جالسا فصلوا جلوسا اجمعون صحیح ہے لیکن ابو داؤد میں اجمعین ہے اسی طرح صحیح لفظ دُوْمَۃ الجندل ہے مگر محدثین دَوْمَہ پڑھتے ہیں جو خطا ہے

تاج العروس ج ۹ ص ۳۴۲ میں ہے مدینۃ النبیؐ کی طرف نسبت ہو تو مَدَنِیؔ کہتے ہیں اگر مدینۃ المنصور و اصفہان وغیرہا کی طرف نسبت ہو تو مدینی کہتے ہیں اگر مدائن کسریٰ کی طرف نسبت ہو تو مدائنی کہتے ہیں نسبتوں میں یہ فرق اس لئے کرتے ہیں تاکہ ان کا باہم خلط ملط نہ ہو جائے۔ اگر قرشی یا نووی کی بات لیں تو اشتباہ پڑ جائے گا۔

وسیلۂ رفیعہ

از پیر طریقت علامہ بہلوی

حامی شریعت زیب طریقت عمدۃ الکاملین زبدۃ العارفین فخر المحدثین راس المناظرین، مخزن علم وحکمت، واقف اسرار سیدی ومولای حضرتنا ومولانا الحاج الحافظ القاری خواجہ محمد عبد اللہ صاحب بہلوی نقشبندی القادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رحمۃً واسعۃً وافرۃً وفیۃً کاملۃً سابغۃً وجزاہ اللہ عنا جزاءً موفورًا نے ایک رسالہ مسمّٰی بہ وسیلہ رفیعہ تحریر فرمایا تھا، جو باہتمام حضرت محمد صدیق صاحب نقشبندی القادری المہاجر انبالوی حال سرگودہا خالد پریس سرگودہا میں چھاپا گیا اس کا متن لکھتا ہوں تاکہ عوام کو فائدہ ہو اور دلوں میں سے شکوک نکل جائیں بفضلہ تعالیٰ ومنّہ وکرمہ العمیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ رب یسّر وتمم بالخیر

الحمد للہ الذی جعل اتباع الانبیاء وسیلۃً لقربہ واتباع الھوٰی مفضیۃ الی غضبہ والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد خاتم انبیائہ وعلی آلہ واصحابہ الذین اھتدوا بہدیہ وسیرتہ وعلی اتباعہ دائمین عدد خلقہ ورضٰے نفسہ ومداد کلماتہ وزنۃ عرشہ آمین۔

اما بعد جاننا چاہیے کہ وسیلہ کا معنے لغت میں "نزدیکی جستن بچیزے" کا ہے۔ کہا جاتا ہے توسل الی اللہ وسیلۃ اذا تقرب الیہ بعملٍ یعنی اللہ تعالیٰ کا قرب جب عمل صالح سے کرے تو اس وقت توسل الی اللہ کہا جاتا ہے (صراح)

اور کبھی وسیلہ بمعنے "قرب" کے ہوتا ہے۔ جیسے اٰتِ محمدا ن الوسیلۃ یعنی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرب عطا فرما۔ یعنی اس قرب سے زائد بدرجہا جو پہلے سے ہے۔

توسل دو قسم ہے۔ جائز وناجائز۔ جائز وہ ہے جو قرآن مجید وحدیث شریف سے ثابت ہے،

مشرکین لات عزّیٰ وغیرہ سے جاتے آتے اٹھتے بیٹھتے مدد طلب کیا کرتے تھے۔ کہتے تھے باللات والعزّیٰ، اس کے بجائے اللہ تعالیٰ نے ہمیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سکھائی کہ مسلمان کا استمداد اللہ رحمٰن رحیم سے ہونا چاہیے۔ سورۃ فاتحہ دعا ہے اھدنا الصراط

المستقیم الآیۃ۔ مگر ہمیں وسیلہ پکڑنے کی بھی اٹکل سکھائی کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرو۔ الحمد
للہ سے مالک یوم الدین تک یہی ہے۔ پھر اپنی نیاز و غلامی پیش کرو ایاک نعبد و ایاک
نستعین میں یہی ہے۔ پھر اپنا عرض و مطلب و درخواست پیش کرو۔ چنانچہ اھدنا الصراط
المستقیم آخر تک یہی ہے۔ جس کا جواب ہمیں ذٰلِکَ الکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ ھدی للمتقین
سے ملا۔ کہ ہدایت اگر چاہتے ہو تو یہ قرآن مجید ہے۔ اس پر عمل کرو۔ راہ یاب ہو جاؤ گے۔ راہ یاب
ہونے پر ہرے وفلاح کو مرتب کیا۔ اولئك علی ھدی من ربھم و اولئك ھم المفلحون۔

آخر سورہ میں ہمیں وسیلہ پکڑنے کا طریق سکھایا

اٰمن الرسول بما اُنزل الیہ من ربہ و المؤمنون کل اٰمن باللہ وملٰئکتہ وکتبہ و
رسلہ لانفرق بین احد من رسلہ و قالوا سمعنا و اطعنا غفرانك ربنا و الیك المصیر
الآیۃ (پارہ ۳ اخیر بقرہ) ترجمہ: ایمان لایا ہے رسول نے جو کچھ اُترا اس پر اس کے رب کی طرف
سے۔ اور مسلمانوں نے سب نے مانا اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور کتابوں کو اور رسولوں
کو (کہا) ہم جدا نہیں کرتے کسی کو اس کے رسولوں میں سے (ماننے میں) اور بولے ہم نے سنا
اور قبول کیا۔ تیری بخشش چاہیے۔ اے رب ہمارے! اور تجھی تک رجوع ہے (الیٰ آخرہ)۔

سب کو معلوم ہے کہ دعا، غفرانك سے شروع ہوتی ہے۔ اور اس سے پہلے کی عبارت
درگاہِ خداوندی جل شانہٗ میں بطور وسیلہ کے لائی گئی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اے رب! آپ کی بخشش مومنوں کے لیے ثابت ہے۔ اور ہم مومن
ہیں پس ایمان باللہ وغیرہ اور عمل صالح سمعنا و اطعنا سے وسیلہ ہوا بخشش مانگنے کا۔

اسی طرح جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین نے دعا کی تو یہ حیلہ وسیلہ لائے ربنا اٰمنا
بما انزلت و اتبعنا الرسول فاکتبنا مع الشٰھدین (ترجمہ) اے رب! ہم نے یقین کیا جو تو نے
اتارا۔ اور ہم تابع ہوئے رسول کے۔ سو لکھ لے ہم کو زمرۂ شہداء سے یعنی اکمل امت سے۔

ظاہر ہے کہ دعا، فاکتبنا ہے۔ اور پہلے کی چیزیں درخواست کے قبول ہونے کے لیے وسیلہ
ہیں۔ اسی طرح سورۂ آل عمران کے اخیر رکوع میں ہے ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان

ان آمنوا بربکم فآمنا ربنا فاغفرلنا ذنوبنا الآیہ (ترجمہ اے رب ہمارے ہم نے سنا ایک پکارنے
والے کو کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر ۔ سو ہم ایمان لائے۔ اے پروردگار ہمارے بخش ہم کو گناہ ہمارے
اس سے صاف ظاہر ہے کہ دعا ربنا فاغفرلنا ہے۔ اس سے پہلے کی عبارت عرض قبول کرانے
کے لیے وسیلہ ہے۔ وہ ایمان باللہ و بالرسول ہے۔

مطلب دو قسم ہیں ۱۔ حاجت روا ہونا ۲۔ دکھ دور ہونا۔

حاجت روائی کا طریق تو بسم اللہ الرحمن الرحیم اور فاتحہ میں سکھلایا۔

اور دکھ دور ہونے کا طریقہ آخر قرآن مجید میں اشارۃً و صراحۃً فرمایا۔ اول توحید کا اقرار
سورۂ اخلاص میں ۔ پھر دکھ دور ہونے کا طریقہ ۔ اگر دنیوی دکھ ہو سورۃ فلق میں، اور دینی دکھ ہو
سورۂ ناس میں بتلایا۔ توحید کا اعتقاد و اقرار اور پناہ بہ خدائے تعالیٰ ہی دُکھ دور کرتا ہے۔

انسان ہمیشہ اپنے رب تعالیٰ سے سوال کرتے ہوئے اُن اسباب کا وسیلہ ڈھونڈتا ہے۔ جو
اس کے مطلوب کے مقتضی ہیں

ایک طریقہ تو وہی ہے جو مذکور ہوا۔ ایمان و اعمال صالحہ جن پر اللہ تعالیٰ نے ثواب دینے کا
وعدہ فرمایا ہے؛ ملخص اس کا یہ ہے کہ اپنے ایمان و اعمالِ صالحہ کے توسل سے دعاء درخواست کرے۔
چنانچہ غار کی مشہور حدیث میں ان تین آدمیوں نے اپنے اعمالِ صالحہ کے توسل سے دعاء کی۔ اور اللہ
تعالیٰ نے قبول فرمایا

دُوسرا طریقہ توسل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مومن بندوں سے (جو مستجاب الدعوات ہیں)
دُعا کرائے ۔ جیسے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کبریا میں حضور پرنور
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے چچا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعا سے توسل کیا کرتے تھے

صحیح بخاری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ دعا منقول ہے جس کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے
بار خدایا جب ہم پر قحط سالی آتی تھی تو ہم تیری درگاہ میں اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کے واسطے سے توسّل کیا کرتے تھے ۔ اور تو ہماری دعا قبول فرما کر ہمیں پانی دیا کرتا تھا۔ اور بے شک

اب ہم آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے سے توسل کرتے ہیں
بار خدایا ہمیں پانی دے۔ روایت میں مذکور ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ ان کو پانی دیتا تھا

حاصل یہ ہوا کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات مبارک میں آپ سے توسل کرتے
تھے۔ یعنی آپ سے دعا کرایا کرتے تھے۔ اور آپ کی وفات کے بعد آپ کے چچا عباس رضی اللہ
تعالیٰ عنہ سے توسل کرتے یعنی دعا کراتی اور ان کو شفیع بنایا

توسل کے یہ معنے نہیں کہ صرف کسی کا نام لے کر دعا کی جائے؛

سوم طریقۂ توسل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی اور اس کی صفات علیا کے توسل
سے دعا مانگے۔ جیسا کہ سنن میں یہ دعا منقول ہے اللھم انی اسالك بان لك الحمد وانت الله
بدیع السموٰت والارض یاذا الجلال والاکرام یا حی یاقیوم (یا جیسے کہ) اللھم انی اسئلك
بانك انت الله الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن له کفوا احد؛

اور وہ دعائیں جو عوام میں مشہور ہیں جن کو تعویذ فروش لکھا کرتے ہیں اسألك باحیّا ط
قاف دھو یوف الحاف الخ جس کے معنے معلوم نہ ہوں یا آپ کے صحابہ وتابعین اور ائمہ دین وصلحائے
امت سے منقول نہیں ان چیزوں پر حلف کھانا یا اللہ تعالیٰ سے ان کا واسطہ دے کر درخواست کرنا
جائز نہیں۔

چہارم طریقۂ توسل کا یہ ہے کہ کلام پاک کے ساتھ توسل کرے اللھم انی اسالك
بکل اسم ھو لك سمیت به نفسك اوانزلته فی کتابك اوعلمته احدا من خلقك گو اس
میں بھی اسم کا توسل ہے مگر "وہ کہ تیری کتاب میں منزل ہے" تو اس سے کتاب کا بھی توسل ہو گیا؛
نیز ایمان بالکتاب بھی توسل ہے جیسا کہ کل اٰمن بالله وملٰئکته وکتبه ورسله میں مذکور ہے ؛

پنجم توسل یہ ہے کہ انس بن النضیر نے کہا جب آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے
قصاصًا ربیّع کے دانت توڑنے کا حکم دیا تو انس رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے اس خدا تعالیٰ کی قسم جس نے آپ کو سچا
نبی کر کے بھیجا ہے کہ ربیّع کا دانت نہیں توڑا جائے گا۔ اس پر فریق ثانی نے قصاص کا مطالبہ

؎ اصل لفظ انس بن نضر ہے

چھوڑ دیا۔ اور دیت پر راضی ہو گئے۔ جس سے انس بن النضیر کی قسم پوری ہو گئی۔ اور آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ان من عباد اللہ من لو اقسم علی اللہ لابرہ (رواہ البخاری) اللہ تعالیٰ کے بندوں میں ایسے بندے بھی ہیں جو اگر قسم کھا کر خدا تعالیٰ سے کوئی التماس پورا کرانے پر اصرار کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا کرتا ہے۔

اسی طرح براء بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی کہا تھا کہ بارخدایا میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ تو ایسا کرے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم پوری کی۔

ششم توسل وہ ہے جس کو اہل سنن نے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے کہ ایک شخص نے آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میرے لیے دعا کیجیے کہ مجھے آنکھیں بخش دے۔ آپؐ نے اس کو حکم دیا کہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے اس کے بعد یہ کہے کہ بارخدایا میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی الرحمۃ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وسیلہ بنا کر تیری طرف توجہ کرتا ہوں یا محمد یارسول اللہ میں آپؐ کو وسیلہ بنا کر اپنے رب تعالیٰ کی طرف اپنی حاجت کے بارے میں متوجہ ہوتا ہوں کہ وہ اس کو پورا کرے بارخدایا آپؐ کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ سائل نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا کو وسیلہ بنا کر بارگاہِ الٰہی جل شانہ میں اس کو شفیع لایا۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ سے اس بات کی استدعا ہے کہ وہ آپؐ کی شفاعت یعنی دعا کو اس کے حق میں قبول فرمائے۔

ہفتم توسل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آگے گڑگڑائے۔ زاری کرے۔ درخواست کرے۔ دعا، زاری وسیلہ ہے رحمت لانے کا ادعونی استجب لکم مجھ سے مانگو۔ میں ہی قبول کروں گا۔ حدیث شریف میں ہے من لم یسئل یغضب علیہ جو اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے۔ دعا ہی جالب رحمت ہے۔ دعا ہی دافع بلا ہے۔ دعا ہی رافع درجات ہے۔ تمام عبادتیں دعا ہی ہیں۔ دعا ہی مخ العبادت ہے۔ مگر اس طریق سے جو سنت سرور عالم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وسنتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین واولیائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم سے صحیح ثابت ہیں۔ اور جو آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابۂ کرام وتابعین وائمۂ مجتہدین سے ثابت نہیں اگر جائز کیا ہے تو صحیح تاویل ہی لاکر جائز کیا ہے۔ مثلاً الٰہی بجاہِ فلاں۔ خدایا بحق بنی فاطمہ۔ الٰہی بحرمتِ شیخ فلاں و بہ برکتِ فلاں اور مثل اس کے جو سنتِ صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین سے ثابت نہیں۔

نشر الطیب میں ہے کہ حرمت وبرکت وغیرہ کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! یہ بزرگ میرے اعتقاد میں تیرے مقبول ہیں۔ اور مجھے تیرے مقبولین سے تیرے باعث سے محبت دپیار ہے۔ اسی سبب سے میرا فلاں مطلب ومقصد پورا فرما، یا میرے پر رحمت فرما، یا میرا خاتمہ ایمان پہ فرما۔

جاہ کا معنے قدروشوکت والے ہیں، حرمت کمعنی تعظیم ہے۔ یعنی تیری عبادت کے باعث تعظیم والے یا برکت والے ہیں۔

روح المعانی پارہ ششم آیت وابتغوا الیہ الوسیلۃ پہ اس جیسی تاویل ومعنے کیا ہے اور فرمایا کہ ایسے الفاظ سلف صالحین خیر القرون میں مستعمل نہ تھے۔ اور عام تام اکثر امت کے خاص وعام میں یہ الفاظ مستعمل ہیں۔ اگر کہا جائے کہ ایسے الفاظ ممنوع ہیں تو تمام یا اکثر امت کی تخطیہ وتغلیط ہوگی۔ اس لیے جائز تاویل کی جائے۔ تاکہ سب کو گنہگار نہ کہا جائے۔

پس جو الفاظ شجرہ وسلسلہ نقشبندیہ وقادریہ چشتیہ وغیرہ میں مستعمل ہیں وہ اسی تاویل میں مؤول ہیں۔ خوب سمجھ لو۔ قیامت کا حساب سخت ہے۔ ابھی سے حساب صاف

تمت الرسالۃ الاولیٰ مع الحاجۃ

مسئلہ توسل بانداز دیگر۔ استسقاء بالنبی و بالعباس کا مطلب

عن انس بن مالک ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کان اذا قحطوا استسقے بالعباس بن

عبد المطلب رضی اللہ عنہ۔ فقال اللھم انا کنا نتوسل الیک بنبینا صلی اللہ علیہ وسلم فتسقینا۔ و انا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا۔ قال فیسقون (بخاری ج ۱ ص ۱۳۷ و ۵۲۶)۔

یعنی جب قحط پڑتا تو حضرت عمر بن الخطاب رضؓ حضرت عباس رضؓ کی (دعا کے) وسیلہ سے پانی کی دعا کرتے تھے اور فرماتے تھے الٰہی! ہم پہلے (جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں زندہ تھے) اپنے نبی ص (کی دعا کے) وسیلہ سے دعا کرتے تھے تو تو ہم کو پانی عطا فرما دیتا تھا۔ اور اب (جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہو کر عالم برزخ میں قیام فرما ہیں) ہم اپنے نبی ص کے چچا محترم کے دعا کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں۔ تو اب تو ہم کو سیراب فرما۔ چنانچہ حضرت عمرؓ و عباسؓ کی دعا سے مینہ برس جاتا تھا

اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ صحابہ کرام اس طرح دعا مانگتے تھے اللھم اسقنا بوسیلۃ نبینا یا بحرمۃ نبینا یا بطفیل نبینا یا بوسیلۃ عم نبینا یا بحرمۃ عم نبینا یا بطفیل عم نبینا بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ نبی پاکؐ دعا فرماتے تھے تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول فرما کر مینہ برساتے تھے چنانچہ تمام صحاح احادیث میں یہی الفاظ ہیں کہ خرج النبیؐ الی المصلی فاستسقی (آپ نے عیدگاہ کی طرف نکل کر پانی کی دعا مانگی (بخاری ص ۱۳۰) فرفع رسول اللہ ص یدیہ فقال اللھم اسقنا اللھم اسقنا (آپ نے دونوں مقدس ہاتھ اٹھا کر دعا کی اے اللہ ہمیں سیراب کر اے اللہ ہمیں سیراب کر۔ اسی طرح جب حضرت عمرؓ حضرت عباسؓ کو ہمراہ لے گئے تھے تو آپؓ نے حضرت عباسؓ سے کہا قُل یا ابا الفضل یعنی اے ابو الفضل عباس! آپ دعا کیجئے تو اس کے بعد حضرت عباسؓ دعا فرماتے ہیں اللھم لم ینزل بلاء الا بذنب ولم یکشف الا بتوبۃ وقد توجہ بی القوم الیک لمکانی من نبیک وھذہ ایدینا الیک بالذنوب ونواصینا بالتوبۃ فاسقنا الغیث یعنی بلائیں گناہ کی وجہ سے اترتی اور توبہ سے ہٹتی ہیں اور یہ لوگ اس واسطے مجھے یہاں لے آئے ہیں کہ تیرے نبی کے ہاں میرا ایک خاص مقام تھا۔ اور یہ ہیں ہمارے ہاتھ گناہوں سے ملوث۔ اور توبہ کے ساتھ ہماری پیشانیاں تیری بارگاہ میں سرنگوں ہیں اب ہمیں اپنے فضل و احسان سے ہمیں بارش عطا فرمائے۔

اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ جمعہ کے دوران منبر رسولؐ کے سامنے آکر ایک آدمی نے یہی کہا تھا یا رسول اللہ مال مر رہا ہے رستے ختم ہو گئے ہیں تو آپ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ اللہ ہمیں بارش عطا کرے ایک روایت میں ہے کہ جمعہ کے خطبہ کے دوران کئی لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت ص سے استدعا کی

درخواست کی کہ آپ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ سے کہ ہمیں بارش عطا فرمائے۔

نیز روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہاتھ اٹھائے اور سارے لوگوں نے بھی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کے لئے ہاتھ اٹھائے

اعمیٰ (اندھے) کی حدیث

اور ترمذی میں جو روایت ہے بعینہ یہی روایت شیعہ کی کتاب حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۲۳۶ میں مذکور ہے " راوندی از عثمان حنیف روایت کردہ ست کہ مردِ نابینائے بخدمت آن حضرت م آمد واز حالِ خود شکایت کرد۔ حضرت م فرمود کہ وضو بساز و دو رکعت نماز بکن وبعد از نماز این دعا بخوان اللھم انی اسالك واتوجہ الیك بمحمد نبی الرحمۃ یا محمد انی اتوجہ بك علیٰ ربك لتجلوا بہ عن بصری اللھم شفعہ فیّ وشفعنی فی نفسی۔ عثمان بن حنیف گفت ہنوز دران مجلس نشستہ بودیم کہ برگشت و بینا شدہ بود گویا ہرگز کور نبودہ است

صحیح توجیہ: اس روایت کو تسلیم کرلیں تو توجیہ کرنی ہوگی ایک توجیہ یہ ہے کہ بمحمد میں ب وسیلہ کی نہیں ہے بلکہ یہ ب تعدیہ کی ہے۔ اور قواعد عربیہ کی رو سے یہ توجیہ بالکل موزون ہے کیونکہ اتوجہ فعل لازم ہے، ب کے ساتھ متعدی ہوگیا۔ (جیسے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اس قول میں وقد توجہ بی القوم الیك ۱۲) تو اب معنے یہ ہوئے کہ نبی رحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ کرتا ہوں کہ وہ میرے حق میں دعا کریں۔ تو وسیلہ بدعاء النبیؐ ہوا نہ وسیلہ بذات النبیؐ۔

دلیل اس امر کی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد وسیلہ بالعباس سے وسیلہ بدعاء العباس تھا نہ وسیلہ بذات العباس جو (بخاری ص $\frac{۱۳۷}{۵۲۶}$) حاشیہ ۱۳ پر مرقوم ہے استسقیٰ متوسلاً بہ وفی حدیث ابی صالح فلما صعد عمرؓ ومعہ العباس المنبر قال عمرؓ ...... قل یا ابا الفضل فقال العباس اللھم لم ینزل بلاءٌ الا بذنب ولم یکشف الا بتوبۃ وقد توجہ بی القوم الیك لمکانی من نبیك وھذہ ایدینا الیك بالذنوب ونواصینا بالتوبۃ (ابا و متعدیہ) فاسقنا الغیث قال فارخت السماء شابیب مثل الجبال حتی اخصبت الارض وعاش (عمدۃ القاری جلد، صفحہ ۳۲)

عمدۃ القاری جلد ۷ ص ۳۳ میں ہے قولہ استسقی بالعباس ای متوسلاً بہ ...... وفیہ من الفوائد ۱۔ استحباب الاستشفاع باہل الخیر والصلاح واہل بیت النبوۃ یعنی استسقی بالعباس سے کئی فوائد ہاتھ لگے جن میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ نیک لوگوں اور نبی کے خاندان والوں سے دعا کروانا مستحب ہے۔" اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ وسیلہ بالعباس کے معنے حضرت عباسؓ سے دعا کروانے کے ہیں۔ اور بالعباس میں مضاف "دعاء" محذوف ہے ای بدعاء العباس۔ اور لسان عرب میں مضاف کا حذف کرنا اور مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام رکھنا عام ہے جیسے ہدایہ اولین کے حاشیہ ۳ ص ۲۳۴ میں ومعنی ما رواہ (دخلت العمرۃ فی الحج) دخل وقت العمرۃ فی الحج کے تحت لکھا ہے قلت حذف المضاف واقامۃ المضاف الیہ مقامہ شائع کما یقال اتیتک صلوۃ الظہر ای وقتہا۔

ترمذی صفحہ ۱۳ میں حدیث ہے انہما یعذبان اے ان روحے جسدی المقبورین فی ہذین القبرین یعنی ان دو قبروں میں جن کے جسدِ عنصری مدفون ہیں ان کی روحوں کو عذاب دیا جا رہا ہے۔

اسی طرح مشکوٰۃ صفحہ ۱۵۰ میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک قول مذکور ہے جو اپنے صاحبزادہ ابراہیم بن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال پر ملال کے وقت فرمایا تھا وانا بفراقک یا ابراھیم لمحزونون ای بفراق روحک من الجسد یعنی اے ابراہیم ہم آپ کے روح پاک کے جسدِ عنصری سے جدا ہونے کی وجہ سے مغموم ہیں

اسی طرح جن علماء، فقہاء، صوفیاء وغیرہم رحمہم اللہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ کہا ہے سب کا مطلب اتباعِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا مثلاً علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے جو فرمایا وانی اسالہ تعالیٰ متوسلا الیہ بنبیہ المکرم صلی علیہ وسلم وباھل طاعتہ من کل ذی مقام علی معظم وبقلدتنا الامام الاعظم یہاں بھی مضاف حذف کریں گے تو تقدیرِ عبارت اس طرح ہوگی و انی اسالہ تعالیٰ متوسلا الیہ باتباع سنۃ نبیہ المکرم صلے اللہ علیہ وسلم وباتباع طریقۃ اھل طاعتہ وبتقلید قدوتنا الامام الاعظم۔

عمدۃ القاری میں ہے کہ امام اعظم ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے ابو سلمہ فرماتے ہیں عن ابی سلمۃ کان ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ اذا ابعث جندا الی اہل الردۃ خرجم لیشیّعہم وخرج بالعباس معہ

قال یا عباس استنصر دانا اؤمن۔ فانی ارجوان لایخیب دعوتک لمکانک من نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

یعنی جب حضرت امام اعظم ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرتدین کے خلاف جہاد کرنے کے لیے لشکر بھیجنا چاہتے تو لشکر کو الوداع کرنے کے لیے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر نکلتے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو فرماتے اے عباس! تم اللہ تعالیٰ سے فتح ونصرت کی دعا مانگو اور میں آمین کہوں گا اس لیے کہ آپ کا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں جو مقام حاصل ہے اس کی وجہ سے مجھے امید ہے کہ آپ کی دعا مقبول ہوگی۔ پھر لکھا

وذکر الامام ابو القاسم بن عساکر فی کتاب الاستسقاء من حدیث ابراہیم بن محمد عن حسین بن عبداللہ عن عکرمۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان العباسؓ قال ذلک الیوم اللہم ان عندک سحابا وان عندک ماءً فانشر السحاب ثم انزل منہ الماء ثم انزلہ علینا واشدد بہ الاصل واطل بہ الفرع وادر بہ الضرع۔ عکرمہ فرماتے ہیں اس دن جب خدا سے پانی مانگنے کے لیے مدینہ شہر سے باہر نکلے تھے حضرت عباس رضؓ نے دعا کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا اے اللہ تیرے ہی پاس بادل ہے اور پانی بھی تیرے ہی پاس ہے اس لیے توُ ہی بادل پھیلا پھر توُ ہی اس سے پانی اتار پھر تو ہی وہ ہم پر نازل فرما اور اس پانی کے ذریعے درختوں کی جڑیں مضبوط فرما اور شاخیں دراز فرما اور تھنوں میں دودھ بڑھا آگے تک لمبی دعا چلی جاتی ہے

نسائی ج ۲ ص ۶۴ میں ہے انما ترزقون وتنصرون بضعفائکم تمھیں تمہارے ضعفاء کی ذریعے روزی اور فتح ونصرت ملتی ہے۔ اس کا مطلب ہے بدعاء ضعفائکم یعنی تمہارے ضعفاء تمہارے حق میں خدا تعالیٰ سے روزی اور فتح ونصرت کی دعا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول فرماتا ہے اس پر آپ کو روزی ملتی ہے اور فتح ونصرت نصیب ہوتی ہے۔ تو یہاں بھی دعاء کا لفظ محذوف ہے۔ چونکہ بعض الاحادیث تفسر البعض حدیثیں ایک دوسری کی تفسیر کر جاتی ہیں یہاں بھی اسی طرح اگر اس حدیث کی دوسری حدیث میں تشریح ہے جو ابن عساکر نے حلیۃ الاولیاء میں حضرت سعدؓ سے روایت کی ہے

هل تنصرون الا بضعفاءکم بدعوتہم واخلاصہم یعنی خلوص دل کے ساتھ تمہارے ضعیفوں کے دعا کرنے کے ذریعے تمہیں فتح ونصرت من جانب اللہ ہوتی ہے۔ امام سیوطیؒ نے جامع صغیر ج ۲

ص۱۹۴ میں صح کی علامت لگا کر سمجھایا کہ یہ روایت صحیح ہے

اسی طرح نسائی ج۲ ص ۶۴ میں حضرت سعدؓ سے روایت ہے وانما ینصر اللہ ھذہ الامۃ بضعیفھا بدعوتھم وصلوتھم واخلاصھم جامع صغیر ج ا ص ۱۰۳ میں یہاں بھی صح کی علامت لگائی کہ یہ حدیث بھی صحیح ہے

فتلقی آدم من ربہ کلمات سے استدلال جواز وسیلہ لذات پر ردّ

فتلقی آدم من ربہ کلمات اور شیعی تفسیر

مقبول احمد شیعی اور فرمان علی شیعی نے در منثور مصری ص ۱۶ کے حوالے سے لکھا کہ

وہ کلمات (جو رب تعالیٰ سے آدم علیہ السلام نے اس وقت حاصل کیے تھے جب اپنی لغزش پر توبہ کر رہے تھے) وہ یہ ہیں اللھم بجاہ محمد وعلی وفاطمۃ والحسن والحسین والطیبین من آلھم لما تفضلت بقبول توبتی وغفران زلتی واعادتی من کرامتی الی مرتبتی۔

فتلقی آدم من ربہ کلمات کی بریلوی تفسیر از نعیم الدین مراد آبادی ص۱۳ حاشیہ ترجمہ احمد رضا خان

اس پریشانی کے عالم میں یاد آیا کہ وقتِ پیدائش میں نے سر اٹھا کر دیکھا تھا کہ عرش پر لکھا ہے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ میں سمجھا تھا کہ بارگاہِ الٰہی میں وہ رتبہ کسی کو میسر نہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام اپنے نام اقدس کے ساتھ عرش پر مکتوب فرمایا لہٰذا آپ نے اپنی دعا میں ربنا ظلمنا کے ساتھ یہ عرض کیا اسالك بحق محمد ان تغفرلی۔ ابن منذر کی روایت میں یہ کلمے ہیں اللھم انی اسالك بجاہ محمد عبدك وکرامتہ علیك ان تغفرلی خطیئتی؛ یہ دعا کرنی تھی کہ حق تعالیٰ نے ان کی مغفرت کر دی۔ مسئلہ اس روایت سے ثابت ہے کہ مقبولانِ بارگاہ کے وسیلہ سے دعا بحق فلاں اور بجاہ فلاں کہہ کر مانگنا جائز ہے اور حضرت آدم کی سنت ہے۔

اور فتلقی آدم من ربہ کلمات کی تفسیر میں امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ مفسر قرآن ابوالعالیہ تابعی نے بتایا ہے کہ وہ کلمات یہ ہیں (وھو قولہ تعالیٰ) ربنا ظلمنا انفسنا الآیۃ۔ اس سے آگے اضافہ کی

صحیح حدیث میں نہیں ہے اور نہ حدیث کی متداول کتابوں میں یہ اضافہ مذکور ہے جو بریلویوں نے اور شیعوں نے ذکر کیا۔ اور بخاری جیسے محدثین کا اس اضافہ کا ترک کر دینا دلیل ہے اس بات کی کہ ان محدثین نے جن جن شرطوں کو ملحوظ رکھا ہے وہ اس اضافہ والی حدیثوں میں موجود نہیں جیسے سہ س ۹۹۵ ج ۲ بخاری میں ایک حدیث کے ترک کی وجہ لکھی ترکه البخاری لانه لیس علی شرطه اور بخاری محشی بحواشی سندھی ج ۳ ص ۸ میں ہے لم یذکر القصة لانه لیس علی شرطه امام بخاری نے پورا قصہ اس لیے ذکر نہیں فرمایا کہ ان کی شرط پر نہ تھا۔ اسی طرح بخاری ۳ ص ۶۸، میں ہے الصریح الوارد لیس علی شرطه۔ بہر حال در منثور کی روایت ہو یا ابن منذر کی کوئی بھی محدثین کے معیار پہ صحیح نہیں اتریں؛

نیز یہ مسلک شیعہ کا ہے چنانچہ زاد الصالحین ج ۱ ص ۲۰۷، میں شیعی مصنف لکھتا ہے کہ "عام مسلمان سمجھے ہوئے ہیں کہ شہادت جناب امام حسین علیہ السلام کی ہر ملی بخشش کے لیے ہوئی ہے۔ بعض محض شہادت وسیلۂ نجات ہو گیا ہے۔ اب چاہے جہاں تک گناہ کریں کسی گناہ کا ہم سے مؤاخذہ نہ ہوگا۔ حالانکہ احادیث سے ثابت ہے کہ شہادت اور نیز وسیلۂ نجات وہ چیز ہے جس چیز کے لیے شہادت واقع ہوئی ہے۔ اگر شہادت واقع نہ ہوتی تو قطعی دین باقی نہ رہتا اور جب دین باقی نہ رہتا تو پھر کوئی رستہ نجات کا ہمارے لیے نہ رہتا۔ پس دین کے قائم رہنے کے لیے جو ہمارے لیے وسیلۂ نجات ہے، شہادت حسین علیہ السلام واقع ہوئی۔

فرمان علی شیعی نے ترجمۂ قرآن مجید ص ۱۱۳ میں لکھا ہے ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل الله امواتا یہ شہداء راہِ خدا کا ذکر ہے۔ پھر ان کا وسیلہ چاہنا مُردوں سے وسیلہ چاہنا کب ہوا؟ اس کے علاوہ متبرک اور مقرب بارگاہِ الٰہی مُردوں کو وسیلہ قرار دینے میں کیا نقصان ہے خصوصاً پیغمبر یا امام جو ہادیانِ دین تھے۔

نیز واذ قتلتم نفسا فادارأتم فیها کے حاشیہ پہ لکھا: مقتول جو زندہ ہوا تھا اس نے محمدؐ و علیؑ اور اولادِ علی کا واسطہ دے کر خدا سے دعا کی کہ اس کو کچھ عرصہ کے لیے زندگی عطا فرمائے کہ وہ اپنی معشوقہ کے ساتھ بعیش بسر کر سکے۔ خدا نے موسیٰ کو وحی فرمائی کہ ہم نے اس کو ستر برس کی زندگی اور دی اور وہ دونوں ستر برس زندہ رہے۔ اور ساتھ ہی مرے۔ اور فرمایا اے موسیٰ! اگر قاتلین ہم سے ان بزرگوں کا

واسطے کر یہ دعا کرتے کہ ان کا راز فاش نہ ہو تو ہم ان کی بھی دعا قبول کر لیتے۔ پھر اس قبیلہ والوں نے جنہیں گائے کی قیمت بھرنی پڑی تھی رو ئے کہ ہمارا تو سارا قبیلہ فقیر ہو گیا موسیٰؑ نے فرمایا تم بھی محمدؐ وآلِ محمدؐ کا واسطہ دے کر دعا کرو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اور خدا نے موسیٰؑ کو وحی کی کہ اس قبیلہ کے رؤسا فلاں خرابے میں جا کر فلاں موقع کو کھود یں اور جو کچھ وہاں پائیں وہ نکال لیں اور لے لیں۔ اور اسی نسبت سے آپس میں تقسیم کر لیں جس حساب سے گائے کی قیمت جمع کرتے وقت ہر ایک نے دیا تھا چنانچہ وہاں ایک کروڑ اشرفی نکلی اور آپس میں تقسیم کی۔ محمدؐ وآلِ محمدؐ کے توسط کا یہ ادنیٰ صلہ ہے کہ ان کے مال دو چند ہو گئے؛

وابتغوا الیہ الوسیلۃ کے حاشیہ میں لکھا۔ ذریعہ سے مراد خدا کی رضامندی اور ان کی نازل کی ہوئی بلا پر صبر کرنا۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ ذریعہ (وسیلہ) سے مراد ائمہ اہلِ بیت ہیں اور یہی قرین قیاس ہے۔

مسئلہ وسیلہ بالذوات والاموات کا اصل ماخذ

دراصل یہ مسئلہ ہنود ونصاریٰ سے چلا آ رہا ہے چنانچہ پولوسیوں کی کتاب "تحقیق عرفان" ص ۲۸ میں ہے "حضرت عیسیٰؑ کے وسیلہ کے بغیر ہم خدا کو راضی نہیں کر سکتے۔ اور خدا کی مرضی بغیر مسیح کے پوری نہیں ہو سکتی"۔ اور ص ۱۱ میں ہے "جب کوئی شخص اپنے گناہوں سے شرمندہ اور بیزار ہو کر خدا کی طرف رجوع کرتا ہے اور روحانی طور پر مضطرب رہتا ہے اور خداوند یسوع مسیح سے امداد طلب کرتا ہے تب خداوند تعالیٰ اس پر فضل کرتا ہے۔ اور انجیل یوحنا ۱۴: ۱۶ میں ہے مسیح کی تقریر کہ کوئی میرے وسیلے کے بغیر باپ کے پاس نہیں آتا۔ اور اتیمتھیس ۲: ۵ میں ہے نجات صرف خداوند یسوع المسیح کے وسیلے اور اسی کے ذریعے سے ہے۔ اور اعمال ۱۳: ۳۸، ۳۹ میں ہے نجات صرف خداوند یسوع المسیح کے وسیلے خدا کے فضل سے ملتی ہے۔ نجات ہماری اپنی لیاقت اور کاموں کے وسیلے سے نہیں ملتی (معلوم ہوا کہ پولوسی مذہب میں وسیلہ بالاعمال کی کچھ حقیقت نہیں۔ نیلوی)

یوحنا کی انجیل ۱: ۱-۳ میں ہے، "سب چیزیں اس (یسوعؑ) کے وسیلہ سے پیدا ہوئیں۔ اور جو کچھ پیدا ہوا ہے اس میں سے کوئی چیز بھی اس (یسوعؑ) کے بغیر پیدا نہیں ہوئی۔

بلوغ الارب ج ۲ ص ۲۰۰ میں بُت پرستوں کا عقیدہ لکھا ہے من کان لا یعترف الملٰئکۃ کان یقول الشفیع والوسیلۃ منا الی اللہ ھی الاصنام المنصوبۃ فرشتوں کے منکر مشرکین کا عقیدہ تھا کہ ہماری طرف سے اللہ کے قرب کا ذریعہ اور وسیلہ بھی یہی گھڑے ہوئے مجسمے ہیں اور سفارشی بھی یہی ہیں۔

تحفۃ الہند ص ۸۰ میں ہے ہندوؤں کے فرقہ "نیایک" کا عقیدہ ہے کہ خدا اپنی پیدا کی ہوئی ایک صورت سے تعلق پکڑتا ہے۔ اور اس کے وسیلے سے لوگوں کو ایک کتاب پہنچاتا ہے۔

مانعبدہم الالیقربونا الی اللہ زلفیٰ کے تحت عبد الحق حقانی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔ کہ مشرکین، بتوں کو وسیلہ سمجھ کر پوجتے تھے۔

تفسیر ترجمان القرآن ص ۱۳۶ میں مولانا ابو الکلام آزاد لکھتے ہیں کہ اس آسمانی ہستی کے علاوہ گذرے ہوئے انسانوں کی روحیں بھی تھیں جنہیں دوسرے عالم میں پہنچ کر تدبر و تصرف کی طاقتیں حاصل ہو گئی تھیں اور اس لیے پرستش کی مستحق سمجھی گئی تھیں۔ ہر خاندان اپنی معبود روحیں رکھتا تھا۔ اور ہر علاقہ اپنا مقامی خدا..... اجداد پرستی کے عقائد نے اس آسمانی خدا کے ساتھ مل کر ایسی نوعیت پیدا کر لی گویا آسمانی خدا تک پہنچنے کا ذریعہ گذری ہوئی روحوں کا وسیلہ اور تشفع ہے۔

روحانی تصورات میں وسیلہ کا اعتقاد ہمیشہ عابدانہ پرستش کی نوعیت پیدا کر لیتا ہے۔

چنانچہ یہ توسل بھی عملاً تعبد تھا۔ اور ہر طرح کے دینی اعمال اور رسوم کا مرکزی نقطہ بن گیا تھا انتہی

نیلوی کہتا ہے کہ ایسے صوفیاء کی صحبت میں رہنے والا شخص جن کو قرآن وسنت اور علم دین میں تجر ہو وہ توضیح سکتا ہے مگر جو نام کے صوفیاء آج کل ہیں جنہیں علم دین سے مس تک نہیں وہ ان علمی نکات کو خود بھی نہیں سمجھتے دوسروں کو کیا سمجھائیں گے وہ وسیلہ بالذوات کا ہی عقیدہ رکھتے ہیں اور دوسروں کو بھی اسی کی تلقین کرتے ہیں اور جو انہیں ذرا سمجھانے کی کوشش کرے تو بجائے اس کے کہ ٹھنڈے دل سے بیٹھ کر بات سنے اور پھر اس میں غور و فکر کرے، الٹا شور مچا دے گا اور اپنے مریدوں میں فوراً اعلان کر دے گا کہ اس شخص سے ہشیار رہنا بچ کر رہنا یہ وہابی ہے گستاخ ہے پیروں فقیروں اور اولیاء اللہ اور نیک لوگوں کا منکر ہے وسیلہ کا منکر ہے۔ چنانچہ یہ بات آج کل نہایت واضح ہے اور یہ لوگ جہاں کہیں جلسہ یا کانفرنس کریں گے یا کوئی مجلس جمائیں گے یا محفل میلاد منائیں گے یا عرس

کے موقع پر اجتماع کریں گے تو نہ یہ اصلاحِ عقیدہ و عقیدۂ توحید پر بولیں گے نہ صفائی قلب پر بولیں گے
نہ اصلاحِ معاشرہ پر بولیں گے نہ صفائی معاملات پر بولیں گے نہ اخلاقِ باطنہ پر بولیں گے۔ بلکہ
ان کا پہلا موضوع ہوگا اولیاء کرام کی تعریف میں بے بنیاد باتیں کرنا جھوٹی کرامات گھڑ کر بتانا۔
اور کہنا کہ اس ملک میں ایک گستاخوں کا ٹولہ بڑا اودھم مچا رہا ہے اس سے ہشیار رہنا جس کی
علامت یہ ہے کہ سر ان کے منڈے ہوئے ہوں گے داڑھیاں ان کی لمبی ہوں گی پیٹ ان کا بڑا ہوگا
شلوار ان کی آدھی پنڈلی تک ہوگی (حالانکہ یہ سب باتیں یا بعض ان کی اکابر صحابہ رضؓ میں پائی جاتی تھیں
خاص کر حضرت امامنا سیدنا مولیٰ شاہ علی رضی اللہ عنہ کہ ان کا سر بھی منڈا ہوا رہتا تھا ان کی داڑھی بھی اس
قدر لمبی تھی کہ سینہ مبارک ڈھک جاتا تھا۔ ان کا پیٹ بھی بڑا تھا ان کی چادر (تہبند) بھی آدھی پنڈلی تک ہوتی
تھی۔ تو گویا جن گستاخوں (بزعم ان کے) کو ان چیزوں کا طعنہ دیتے ہیں وہ سب کے سب ہمارے آقا مقتدا
اور امام شاہ علی رضؓ میں پائی جاتی ہیں تو وہ گستاخوں کے مقتدا ہوئے نہ ان جیسے فدایان و عاشقانِ مصطفےٰ
کے بلکہ خود حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک اتنی لمبی تھی کہ سینہ مبارک ڈھک جاتا تھا اور
آپ کا تہبند مبارک بھی آدھی پنڈلی تک ہوتی تھی۔ تو ان کا ان صفات کو برا ماننا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
اور ان کی محمود صفات اور اعلیٰ تعلیم کی توہین کرنا ہے جو بلاشبہ کفر ہے

بہرحال جو توجیہ و تاویل صحیح سمجھ کر پڑھے اس پر ہمارا اعتراض نہیں اگرچہ ہم خود اس کو خلافِ
اولیٰ سمجھتے ہیں کیونکہ یہ طریقِ دعاء کا خیر القرون میں نہ تھا۔ اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک
عہد میں نابینا کا واقعہ اگر صحیح تسلیم بھی کر لیا جائے تو ایک واقعہ جزئیہ ہے اور یہ خدا کی طرف سے
اس کی قدرت کا ایک نمونہ تھا جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزۃً ظہور پذیر ہوا۔
اب اس عمل کو معمول بہ کسی نے نہیں بنایا حالانکہ عہد نبوی میں کئی اور نابینا بھی تھے اور آپ کے چہیتے
بھی تھے جیسے حضرتِ عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ مگر انہوں نے یہ عمل نہیں کیا۔ کیا وہ عاشقِ رسول
صلی اللہ علیہ وسلم نہ تھے؟ کیا وہ دیدارِ چہرۂ معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تڑپتے نہ ہوں گے؟
پھر آپ کے وصال کے بعد بھی کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نابینا ہو گئے تھے جیسا حضرت ابوسفیان
و عبداللہ بن عمر و عبداللہ بن عباس وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین مگر ان میں سے کسی ایک نے بھی یہ عمل

نہیں کیا، جس سے معلوم ہوا کہ وہ عمل مخصوص اسی ایک نابینا کے لیے تھا۔ حکم عام نہ تھا کہ دوسرے لوگ بھی آیندہ کے لیے یہی عمل کر لیا کریں۔ اور

اور جن لوگوں نے بعد عہد خیر القرون اس عمل کو سب کے لیے عام سمجھا ہے وہ ان کا اپنا فہم ہے جو دوسروں پر حجت نہیں بن سکتا اور نہ ہی دلیل میں اسے پیش کیا جا سکتا ہے۔ خاص کر غیر مجتہد کا فہم۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ ہم ان کی فہم پر اعتراض نہیں کر سکتے کیونکہ وہ نیک تھے نیک نیت تھے ان کے دل صاف تھے وہ اس تلاش میں رہتے تھے کہ جہاں سے ہمیں ایسا عمل مل جائے جس سے خدا کا قرب حاصل ہو۔ جہاں ایسا عمل ملا اس کو معمول بہ بنا لیا۔ وہ اس تحقیق میں نہیں جاتے تھے کہ اس کا اصل کیا ہے

صاحب ہدایہ کتنا محقق عالم ہے محدث اصولی نظارہ اس کی کتاب متداول ہے۔ مگر ان کا معمول تھا کہ بدھ کے روز تعلیم شروع فرماتے تھے۔ وجہ یہ بتلاتے تھے کہ حدیث مبارک میں بدھ کے روز کام شروع کرنے کی فضیلت آئی ہے۔ حالانکہ یہ حدیث موضوع ہے۔ مگر وہ اس فضیلت کو سنتے ہی اس کو اپنا معمول بنا لیا اور اس تحقیق کے پیچھے نہیں گئے کہ صحیح ہے یا موضوع خواہ اس کی تحقیق نہ کرنا کسی وجہ سے ہو یا کتابیں میسر نہوئی ہوں یا وقت نہ ملا ہو یا کوئی اور وجہ ہو۔

یہ اس بڑے علامہ کی بات ہے جو ہر وقت علمی مشغلہ میں رہتے تھے اور وہ صوفیاء کرام جو علم دین پڑھ کر صفائی قلب اور ذکر و اشغال میں رات دن لگے رہتے ہیں ان کو اتنا وقت ہی نہیں ملتا کہ کسی مسئلہ کی تحقیق میں لگیں

فائدہ مہمہ المہند کے متعدد نسخے

نیلوی عفر اللہ لہ ولآباءہ وامہاتہ ولاساتذتہ عرض پرداز ہے کہ آج ایسا وقت آگیا ہے کہ کسی مسئلہ کو ثابت کرنے کے لیے ہر مکتبِ فکر والا اپنے اپنے نظریہ وعندیہ کے مطابق اپنے اپنے اکابر کے اقوال واعمال کا سہارا لیتا ہے۔ اور اگر کوئی آدمی اس نظریہ وعندیہ کے خلاف قرآن مجید کی کوئی آیت کریمہ یا صحیح حدیث نبوی پیش کر دے تو اس کا ردِّ عمل یہ ہوتا ہے کہ عالم آدمی اس آیتِ قرآنیہ اور حدیث نبوی میں تاویلِ باطل اور ہیرا پھیری سے کام لیتے ہوئے غلط سلط مطلب نکالے گا جس سے خود پاک عبارت آبی ہوتی ہے اور سیاق وسباق سے بھی اس کا کچھ تعلق نہیں ہوتا اور چونکہ متقدمین ومتاخرین مفسرین وشراحِ حدیث آیت وحدیث کے مفہوم بیان کرنے میں سلف وخلف کے مختلف اقوال بغیر تنقید کے نقل فرما دیتے ہیں تو ہر ایک مکتب فکر والا اپنے اپنے عندیہ کی تائید میں ان اقوال مختلفہ میں سے وہ قول ذکر کرے گا جو اس کے عندیہ کے مطابق ہو جس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن وحدیث سلف وخلف کی آراء کا تابع ہے اور ان کی آراء اصل حجت اور دلیل قاطع ہیں جو بالکل ہی خلافِ عقل ونقل ہے۔ اور جو عامی لوگ ہیں ان کا یہ جواب ہوتا ہے کہ یہ قرآنی آیت یا یہ حدیث نبوی تجھے نظر آگئی ہے اور ہمارے یہ اکابر اندھے تھے یا جاہل تھے؟ اگر اس قرآنی آیت یا حدیث نبوی کا مطلب یہی ہوتا جو تو نے سمجھا ہے تو ہمارے ان اکابر کو یہ مطلب کیوں نہ سمجھ آیا؟ کیا تو ان سے بڑا عالم ہے؟

مگر یہ عامیانہ باتیں ہیں جن میں علم کی بو تک نہیں۔ کیونکہ یہ تو ہے فہمِ قرآن اور فہم حدیث کی بات، جس کے متعلق قاعدہ ہے کہ حدیث بیان کرنے والے راوی کے فہم کا بھی اعتبار نہیں ہے اگرچہ صحابی رض ہی ہو جیسے طلباءِ کرام اصول پڑھنے والوں سے بھی یہ بات مخفی نہیں ہے کہ حدیث نبوی جو حضرت عبداللہ بن عمر رض سے بسندِ صحیح مروی ہے البیعان بالخیار مالم یتفرقا حضرت عبداللہ بن عمر رض جو اس حدیث کے راوی ہیں اس تفرق سے تفرق بالابدان سمجھے مگر حنفیہ رحمہم اللہ نے اس جلیل

القدر صحابیؓ کے فہم کو معتبر و حجت نہیں گردانا بلکہ انہوں نے اس تفرق سے تفرق بالقول سمجھا جس کے قرائن کثیرہ ہیں؛ خود حدیث کے متعلق آتا ہے کہ حدیث پرکھنے کے لیے قرآن مجید محک اور معیار ہے جو حدیث قرآن کے موافق ہو وہ مسلم ہے اور جو حدیث قرآن کے خلاف ہو تو اگر اس حدیث میں کوئی تاویل صحیح ہو سکتی ہے تو حدیث میں تاویل کریں گے اور آیۃ قرآنی کو اپنے حال پر رکھیں گے اور اگر تاویل نہ ہو سکتی ہو تو حدیث (خبر واحد) کو رد کر دیا جائیگا کیونکہ یہ حدیث قرآنی معیار پر صحیح نہیں اتری

جب حدیث نبوی میں یہ اصول ہے تو کیا سلف و خلف کی آراء کا درجہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے اعلیٰ ہے؟ والعیاذ باللہ۔

اس حدیث کے بارے جو قرآن مجید کی آیت کے خلاف ہے کسی نے نہیں کہا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کو خوب سمجھتے ہیں اس لیے حدیث بہر حال صحیح ہے اور قرآن کے خلاف نہیں اگرچہ ہماری ناقص سمجھ میں مخالف معلوم ہوتی ہے در حقیقت مخالف نہیں ہے

اب یہ کیسے باور کرا جاتا ہے کہ اگرچہ قرآن کی آیت کا ظاہر مطلب یہی ہے جو تو کہتا ہے مگر اکابر بہر حال اکابر ہیں ان کے خلاف ہم نہیں کر سکتے۔ قرآن ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ اس طرح شیعہ، بریلوی وغیرہ سب قرآن مجید کی صریح مخالفت کرتے ہوئے بھی کہتے ہیں کہ ہم قرآن پر خوب عمل کرتے کیونکہ ہمارے ائمہ معصومین تم سے زیادہ قرآن دان تھے۔ ہمارے مفسر صاوی و صاحب روح البیان تم سے زیادہ قرآن دان تھے

ہمارے کرم فرما معاصرین کا یہی حال ہے کہ جب ہمارے ساتھی قرآن مجید کی آیت پڑھتے ہیں تو المہند آگے رکھ دیتے ہیں۔ جب کہا جاتا ہے کہ قرآن مجید کی آیت کے مقابلہ میں المہند کا پیش کرنا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ وہ خدا کا کلام ہے اور یہ انسان کی کتاب ہے تو جواب ملتا ہے کہ کیا یہ تمام کے تمام قرآن سے بے خبر تھے انہوں نے یہ آیت کریمہ نہ پڑھی تھی؟

ہماری طرف سے یہ جواب ہے کہ المہند پر دستخط کرنے والوں کے اپنے فتوے المہند کے خلاف ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ المہند میں دوسرے لوگوں کا ہاتھ ہے اس لیے المہند پر اعتبار نہیں۔ ہم اس بات کو بتانا چاہتے ہیں کہ المہند کے متعدد نسخے ہیں جن میں علماء دیوبند کے خلاف باتیں بھی ہیں

ماہنامہ "ماہ طیبہ" کوٹلی لوہاراں (سیالکوٹ) سے اقتباس

کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ سے شائع ہونے والے ماہنامہ ماہ طیبہ کی جلد ۶ شمارہ ۳ بابت ماہِ شعبان ۱۳۷۸ھ ہجری مطابق فروری ۱۹۵۹ء عیسوی میں (جس کے مدیر مسئول ابوالنور محمد بشیر صاحب تھے) حضرت مولنا ابو الکمال محمد ضیاء الدین صاحب مدظلہٗ مفتی اعظم راجستھان ٹونک انڈیا کا ایک مضمون بہ عنوان "حیات الانبیاء علیہم السلام" چھپا تھا۔

اس کے شروع میں تین چار سطریں مدیر کی طرف سے مکتوب ہیں وہو ہٰذا

حضرت مفتی اعظم راجستھان مدظلہ العالی نے اس فاضلہ مضمون میں حیات الانبیاء مع جسم و روح ثابت فرمائی ہے تا کہ حیات الانبیاء اور حیات الشہداء والمومنین میں امتیاز قائم ہو جائے اور حیات الانبیاء ثابت ہو جانے پر اپنی حاجات کا انبیاء کی جانب رجوع کچھ حرج نہیں رکھتا۔ انبیاء علیہم السلام سے استمداد و استغاثہ کا انکار اسی باعث کیا جا سکتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق یہ کہہ دیا جائے کہ وہ تو مر مٹ گئے (معاذ اللہ)

جب دیوبند کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنے والوں نے حیات الانبیاء حسی حقیقی جسمانی عنصری دنیوی بروحہٖ وجسدہٖ تسلیم کر لی تو آگے صرف ایک ہی قدم بڑھانا رہ گیا تھا کہ اب ان سے استمداد اور استغاثہ کیا جائے۔ سو محترم جناب ابو الزاہد صاحب لسکین نے وہ قدم بھی آگے رکھ ہی دیا۔ فرق اگر ہے تو صرف اتنا کہ بریلوی صاحبان دور و نزدیک ہر جگہ سے استمداد و استعاذہ واستغاثہ کے قائل ہیں اور آپ صرف عند القبر کے قائل ہیں۔ مگر اس سعی لاحاصل سے میرے محترم کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا کیونکہ گستاخی کا الزام آپ سے اسی صورت میں ہٹ سکتا ہے جب آپ انہی کیسی روش اختیار کریں گے

اس مضمون میں مفتی اعظم راجستھان ٹونک انڈیا نے المہند علی المفند کے ایک انوکھے نسخے کی نشان دہی ہے جو عزیز المطابع میرٹھ میں طبع ہو کر شائع ہوا تھا، چنانچہ لکھا

"اکابر دیوبندیہ کی متفق علیہ کتاب المہند ملاحظہ ہو

فہو صلی اللہ علیہ وسلم حیّ فی قبرہ الشریف یتصرف فی الکون باذن اللہ کیف یشاء

(المہند مطبوعہ عزیز المطابع میرٹھ ص ۶۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں۔ باذنِ خداوندی کون (جہان) میں جو چاہتے ہیں تصرف فرماتے ہیں"

اس عبارت کو دیکھ کر ہمیں ہماری رائے راجح معلوم ہوتی ہے کہ اصل المہند جس پر سب محقق علماء دیوبند کے دستخط تھے وہ کوئی اور تھی اور دوسرے نسخوں میں یار لوگوں نے اپنی اپنی رائے مطابق تصرف کیے گئے ہیں۔ اور اس کے بے شمار قرائن ہیں۔

ان قرائن میں سے ایک کھلا ہوا قرینہ یہ ہے کہ خاص اس مقام کی عبارت جو متداول نسخوں میں موجود ہے ماقبل و مابعد کی عبارات باہم متناسق نہیں نیز جن علماء حق کے دستخط ہیں ان کی اپنی صریح اور تفصیلی عبارات کے جو اُن کی اپنی تصانیف میں مذکور ہیں صاف خلاف ہیں۔ اگر کوئی تقابلی مطالعہ کرنے والا ہو تو یہ بات اُسے روز روشن کی طرح معلوم ہو جائے گی۔

اب سوا ان دو باتوں کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ یا تو المہند کی تقریظ کرنے والوں نے بنظرِ عمیق ایک ایک حرف کر کے نہیں دیکھا محض حسن ظن سے دستخط کر دیے کیونکہ اس کے مؤلف محقق و متورع عالم باعمل تھے یا پھر وہ نسخہ المہند کا جس پر سب نے دستخط فرمائے تھے اور پوری تفتیش و بحث و تحقیق اور چھان بین کے بعد دستخط کیے نسخہ اور تھا۔ اس کے بعد چونکہ حقوق طبع بنام مؤلف محفوظ تھے۔ اس لیے اور بہی خواہوں نے بھی اشاعت عام کے لیے اس رسالہ کو شائع کرنا چاہا جس میں کئی کاتبوں اور مصححوں کے ہاتھ کارفرما ہیں۔ خدا جانے کہ انہوں نے اس رسالہ میں کیا کیا کارستانیاں کیں

نیلوی کہتا ہے کہ یہاں یہی آخری صورت ہو سکتی ہے۔ پہلی صورت نہیں ہو سکتی کیونکہ ایک آدمی سے غلطی کا وقوع ہوتا ہی رہتا ہے اگرچہ علم کا بہت بڑا پہاڑ ہو۔ مگر ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے جید علماء ربانی اس کا ایک ایک حرف خوب غور سے دیکھ کر اپنی

پوری تسلی کر کے تقریظ فرمائیں پھر بھی اتنی ڈبل غلطی رہ جائے بلکہ اگر گہرا مطالعہ کیا جائے تب بھی سمجھ آئے گی کہ کوئی کتاب ایسی نہیں جس میں غلطی نہ ہو۔ غلطیوں سے پاک کتاب تو صرف اور صرف اللہ کا کلام قرآن مجید ہی ہے اور بس

آپ دیکھتے نہیں کہ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ تعالیٰ بہت مشہور و معروف انقلابی عالم ہو گذرا ہے جس نے نجد یمامہ میں بہت بڑی تحریک کا آغاز فرمایا۔ اور ان کی یہ تحریک بہت کامیاب تحریک تھی (بخلاف دوسرے ممالک کی تحریکوں کے کہ ان کو اس طرح کی کامیابی نہیں ہوئی) اور اس تحریک کا اثر بفضلہٖ تعالیٰ اب تک موجود ہے

مگر ہند میں حضرت گنگوہیؒ جیسے ممتاز فقیہ عالم ان کی شخصیت سے ناواقف تھے پھر تدریجاً ان کو ایسی شخصیت کا وہ بھی دھندلا سا خاکہ معلوم ہوا جو فتاویٰ رشیدیہ مطبوعہ میں درج ہے۔

لیکن جب سعودی حکومت کے تسلط سے پہلے شریف کا زمانہ تھا تو اس عہد کے علماء کے سوالنامہ میں ایک سوال محمد بن عبدالوہاب کے بارے تھا کہ علماء دیوبند کی ان کے بارے کیا رائے ہے تو اسی متفق علیہ کتاب المہند میں محمد بن عبدالوہاب کے بارہ میں کچھ جواب نہیں دیا گیا۔ بلکہ محمد بن عبدالوہاب کی بجائے ان کے والد عبدالوہاب کے بارے وہ غلط معلومات درج کر دیئے گئے جو خود محمد بن عبدالوہاب کے بارے غلط طور پر زبانِ زدِ عوام و خواص تھے۔ اور پھر اس کی تائید میں علامہ ابن عابدین شامیؒ جیسے مشہور و معروف عالم فقیہ کی عبارت بھی لکھ دی جو ردّ المحتار شرح الدر المختار میں مذکور ہے۔

اب اگر یہ بات تسلیم کریں کہ دیوبند کے ہر ہر عالم نے المہند کا ایک ایک حرف کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد دستخط کیے ہیں اور اس رسالہ کی ہر ہر بات اور ہر ہر فقرہ کو سمجھ کر اس کی تقریظ فرمائی ہے تو یہ علماء دیوبند کی تعریف نہیں بلکہ ان کی مذمت ہے ان کی فوقیت فی العلم والعمل ظاہر کرنے کی بجائے ان کی تجہیل ہے کہ یہ علماء جن کو محقق و مدقق اور علماء ربانی بتایا جاتا ہے یہ تاریخ سے اس قدر جاہل ہیں کہ ایک مشہور و معروف انقلابی اور مصلح و بے باک عالم دین سے بھی بے خبر ہیں نیز یہ علماء ایک شخص کے بارے بغیر اس کے مکمل حالات معلوم کرنے کے غیر تحقیقی فتویٰ لگا دیا کرتے

کرتے تھے ۔ والعیاذ باللہ من ہٰذہ الجہالات

حالانکہ ہمارے اکابر اس قسم کے ستم سے کوسوں دور تھے

ہمارے پیر و مرشدؒ کے شیخ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ سے علماء لدھیانہ نے مرزا قادیانی کے بارے جب شروع شروع میں فتویٰ کفر لینا چاہا تو آپ نے بغیر تحقیق کے مرزا پر فتویٰ نہ لگایا

پھر جب علماء لدھیانہ نے مرزا کی تحریرات کا مکمل پلندا لا کر آپ کے سامنے لا ڈالا ۔ پھر بھی چھ ماہ کے طویل عرصہ کے بعد جب کوئی صورت مرزائے قادیانی کے مسلمان ہونے کی نظر نہ آئی، تب آپ نے اس مرزائے قادیانی کے متعلق کفر کا فتویٰ لگایا

دیکھا علماء ربانی ایسے ہوتے ہیں ۔ اور ہمارے اکابر و اساتذہ انہیں اوصاف کے ساتھ متصف تھے ۔ اسی لیے ہمارا خیال یہی ہے کہ علماء دیوبند نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی تحریرات پر اعتماد کر کے حسن ظن سے کام لیتے ہوئے دستخط فرما دیے اور رسالہ کو حرف بحرف کسی نے نہیں پڑھا ورنہ سب علماء دیوبند اس طعن کے زد میں آجائیں گے

آج کے عجب دیوبندی ہیں کہ دیوبندیت کا ٹھیکہ تو صرف ان کے پاس ہے مگر علماء دیوبند کا دفاع کرنا پڑے تو آپ پیچھے کھسک جاتے ہیں ۔ پھر جان کی بازی وہی لگاتے ہیں جن کو دیوبندیت سے خارج کرتے

اسی ماہ طیبہ میں ایک کتاب کا حوالہ دے کر لکھا ہے جو کتاب الکبائر و کتاب السنۃ و البدعت کے نام سے امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے جس میں یہ عبارت ہے

عن الرجلین الذین استغاثا برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانا بعد قطع لسان احدھما وبعضھم فقأعین الاٰخر فلما اتیا قبر الشریف واستغاثا بہ رد اللہ علیھما ما فقدا من اللسان والعین

(ترجمہ) دو شخص جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر فریاد کرنے کو گئے تھے ۔ وہ کہ بعض دشمنوں نے ایک کی آنکھ نکال لی اور دوسرے کی زبان کاٹ ڈالی تھی ۔ پس وہ دونوں شخص قبر انور پر گئے اور انہوں نے دہائی دی اور فریاد کی حضور صلی اللہ علیہ

وسلم سے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو زبان اور آنکھ دے دی۔

اس کے بعد مفتی اعظم ٹونک راجستھان نے لکھا

اب بھی اگر کوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات شدہ سمجھے۔ اور آپ کی بارگاہ بے کس پناہ میں رفع حاجات اور دفع کربات کے لیے استغاثہ کو شرک بتائے تو یہ اس کی کس قدر غلطی ہے مگر ؎

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل

کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

دیکھ لیا اب تو کٹر امام طائفہ وہابیہ حافظ ابن تیمیہؒ بھی قائل نظر آرہے ہیں کہ فرقہ بریلویہ کے ہمنوا ہو گئے ہیں اور محترم جناب مولانا صاحب اگر استشفاع کے قائل ہیں تو دیگر امور میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کا بھی قائل ہونا چاہیے۔ آخر فرق کی وجہ کیا ہے کہ استشفاع تو جائز ہو اور دوسرے امور میں آپ کی بارگاہ میں رفع حاجات اور دفع کربات کے لیے استغاثہ و فریاد منع ہو اور اس کو شرک بتایا جائے

نیلوی کہتا ہے کہ ایسی ایسی بے اصل اور غلط باتیں جو شرک سے پر ہوں یار لوگوں نے ان ہستیوں کی طرف منسوب کر دیں جو توحید میں راسخ تھے اور شرک کی جڑیں کاٹتے تھے اور یہ کوئی نئی بات نہیں یہ پرانہ حربہ ہے جو ہزاروں برس سے استعمال ہو رہا ہے اور قرآن مجید کے علاوہ کوئی آسمانی کتاب بھی محفوظ نہیں رہی

امام المناظرہ حضرت سید ناصر الدین صاحب محمد ابو المنصور رحمہ اللہ نے اپنی مشہور تصنیف نوید جاوید ص ۱۵۳ میں تحریر فرمایا

"قدیم فلسفیوں کے درمیان یہ رسم ایک عرصہ سے جاری تھی کہ اپنی تصنیف کسی دوسرے ایسے شخص کے نام سے مشہور کر دیں جس کو سب مانتے ہوں تاکہ لوگ ان مضامین کو دل دے کر پڑھیں" پھر اس سے آگے لکھتے ہیں۔

پھر اسی سبب سے ...... وہ جعلی تصنیفات پیدا ہوئیں جو کہ اس زمانہ کے بعد کثرت سے لکھی گئیں اس طرح سے کہ جب فیلسوف لوگ کسی طریقہ کی پیروی کرتے تھے تو کبھی کبھی اس کے حق میں کتاب لکھ کر کسی معروف حکیم کے نام سے اجرا کرتے تھے کہ اس حیلے سے لوگ اس پر متوجہ ہو کر اس کی باتیں زیادہ مانیں گے اگرچہ اس کی باتیں برملا خود مصنف کی ہوتیں۔ سو اسی طرح مسیحی جو فیلسوفوں کی طرح بحث کرتے تھے، کتاب لکھ کر کسی حواری یا خادم حواری یا معروف اسقف کے نام سے رواج دیتے تھے۔ ایسا دستور تیسری صدی میں رائج ہوا۔ اور کئی سو برس تک رومی کلیسیا میں جاری رہا ....

ہارن صاحب ...... لکھتے ہیں کہ بلاشبہ بعض خرابیاں (تحریفیں) جان بوجھ کر اُن لوگوں نے کی ہیں جو کہ دین دار مشہور تھے اور اس کے بعد انہیں خرابیوں کو ترجیح دی جاتی تھی تاکہ اپنے مطلب کو قوت دیں یا اعتراض ان پر آنے نہ دیں اھ۔ لب التواریخ ...... میں ہے ایسوڈدری کے مکتوب کا جعل سولہویں قرن تک مکمل آشکارا نہ ہوا تھا۔

ایسے ہی لوگوں کے حق میں قرآن مجید کی یہ آیت ہے (سورہ بقرہ آیۃ ۷۹) فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھٰذا من عند اللہ لیشتروا بہ ثمنا قلیلا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لتتبعن سنن من کان قبلکم تم بھی پہلے لوگوں یہود و نصاریٰ کی روش اختیار کرو لگے (تو مطلب صاف ہے کہ جیسے جیسے کرتوت اگلوں کے تھے امت محمدیہ میں بھی کچھ لوگ ویسے ہی کرتوت کریں گے جس کا مشاہدہ آج ہم کر رہے ہیں۔ جبھی محمد بن سیرین ہمیں سمجھا گئے ہیں کہ جب قرآن و سنت جیسی نعمت تم میں موجود ہے تو دوسری محرف کتب کی طرف نگاہ کرنے کا کیا مطلب لہٰذا ایاکم والکتب فانہ قد تاہ من کان قبلکم بالکتب پہلے بھی انہیں محرف کتب کو دیکھ دیکھ کر تباہ و برباد ہوئے۔

بس ہمارا ایمان ہے آمنت باللہ کما ھو باسماءہ وصفاتہ وملائکتہ کما ھم باسماءھم وصفاتھم وکتبہ کما ھی باسمائھا وصفاتھا ورسلہ کما ھم باسماءھم وصفاتھم والیوم الاٰخر والقدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ ولکن لا یرضیٰ لعبادہ الکفر والمعاصی والبعث بعد الموت

انشاء اللہ جلد ندائے حق جلد-3 منظر عام پر آئے والی ہے۔

لدعوۃ الحق

الکتاب المسطور

فی براب

سماع الموتیٰ و تسکین الصدور

المعروف بہ

ندائے حق

مع اضافات جدیدہ

مکتبہ اشاعت اسلام